اُس پر حملہ نہیں کریں گے۔ وہ شاید صلح کے لیے ہمارے پاس ایلچی بھی بھیجے گا۔ اب ہم اُس کے ساتھ کوئی صلح یا سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ وہ اب ہمارا قیدی ہے۔ اگر زندہ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو میں تمہیں اُس کی لاش دکھاؤں گا۔ اپنے سپاہیوں سے کہہ دو کہ صلاح الدین ایوبی امام مہدی یا پیغمبر نہیں اور اس کی فوج میں کوئی جن بھوت نہیں۔ ہم اُس کی فوج کو بے خبری میں جا پکڑیں گے۔"

اپنے سامعین کو اشتعال دلا کر اور اُن کا حوصلہ بڑھا کر اُس نے انہیں رُخصت کر دیا اور اپنے اُن خیموں میں چلا گیا جنہوں نے جنگل میں منگل بنا رکھا تھا۔ اُس کا اپنا خیمہ بہت بڑا تھا جس کے اندر قالین بچھے ہوئے تھے اور بیش قیمت پلنگ تھا۔ شراب کی صراحی اور نہایت دلکش پیالے رکھے تھے۔ اندر سے خیمہ کسی محل کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے اِرد گرد کئی اور خیمے تھے جو فوجی خیموں سے مختلف اور خوبصورت تھے۔ اِن میں حرم کی لڑکیاں اور ناچنے گانے والیاں رہتی تھیں۔ خیموں سے دُور دُور پہرہ دار کھڑے تھے۔ گشتگین کے خیمے کے باہر نو آدمی اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر گشتگین تیز چل پڑا اور قریب جا کر انہیں اندر چلنے کو کہا۔ اندر جاتے ہی لڑکیوں کی ایک قطار ہاتھوں میں طشتریاں اٹھائے خیمے میں داخل ہوئی۔ کھانا چُن دیا گیا اور شراب کی صراحیاں بھی آگئیں۔ گشتگین اِن نو آدمیوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گیا۔

یہ نو آدمی کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے بُھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہاتھوں میں لے کر مُردار خور درندوں کی طرح کھانے شروع کر دیے۔ ساتھ ساتھ وہ شراب پانی کی طرح پی رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں لال سرخ تھیں جن سے وہ وحشی اور خونخوار لگتے تھے۔ تین چار خوبصورت لڑکیاں اُن کے پیالے شراب سے بھرتی جا رہی تھیں اور یہ وحشی کبھی کسی لڑکی کے بکھرے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرتے کبھی اُن کے عُریاں بازوؤں کو پکڑ کر ان پر اپنے گال رگڑنے۔ کھانا اور چھیڑ خانی چلتی رہی۔ گشتگین اُن کی حرکتیں اور کھانے کا انداز دیکھ کر مسکراتا رہا مگر اُس کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ زبردستی مسکرا رہا ہے اور اُسے یہ لوگ بالکل پسند نہیں۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر گشتگین نے لڑکیوں کو باہر بھیج دیا اور ان نو آدمیوں کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ لگا کر کہا۔ "اب وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں صلاح الدین کی طرف رخصت کر دوں۔ اب کے وار خالی نہیں جانا چاہیے۔"

"اگر آپ ہمیں روک نہ لیتے تو اب تک آپ یہ خوشخبری سُن چکے ہوتے کہ صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے اور قاتل معلوم نہیں کون تھے۔" ایک آدمی نے کہا۔

یہ حسن بن صباح کے وہی نو فدائی تھے جنہیں اُن کے مُرشد شیخ سنان نے ترپولی سے سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ یہ منتخب افراد تھے جو بظاہر انسان تھے لیکن خصلت کے درندے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی سے خون کے دس دس قطرے نکال کر مقدس پیالے میں گرائے، اُن پر شراب اور حشیش ڈالی اور تینوں چیزیں ملا کر ہر ایک نے ایک ایک گھونٹ پیا اور اپنے مخصوص الفاظ میں حلف اٹھایا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو قتل کریں گے یا زندہ نہیں رہیں گے۔ شیخ سنان نے انہیں تارک الدنیا صوفیوں کے لباس میں، ہاتھوں میں تسبیحیں اور گلے میں قرآن لٹکا کر اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ وہ سلطان ایوبی تک رسائی حاصل کریں اور اُس کے سامنے یہ مسئلہ رکھیں کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے، اور وہ ثالث بن کر آپس میں ٹکرانے والے مسلمان امراء کا صلح نامہ کرائیں گے۔ اس طرح تنہائی میں یہ سلطان ایوبی کو قتل کر دیں گے۔

شیخ سنان نے طریقہ اچھا سوچا تھا۔ سلطان ایوبی مذہبی پیشواؤں کو احترام سے اپنے پاس بٹھاتے اور اُن کی بات توجہ سے سننے کا عادی تھا۔ اُس کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ وہ چاہتا ہی یہی تھا کہ کوئی درمیان میں آ کر مخالفین کے ساتھ اُس کا سمجھوتہ کرا دے تاکہ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل نہ ہو اور نہ صلیبیوں کو جنگی تیاریوں کا اور حملہ کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اُس نے حلب وغیرہ میں اپنے ایلچی بھیجے بھی تھے، جو توہین آمیز جواب لائے تھے۔ اب نو صوفی منش پُجاریوں میں خنجر اور تلواریں چھپائے اُس کی خواہش پوری کرنے کا دھوکہ دے کر آ رہے تھے۔ وہ اُسے آسانی سے قتل کر سکتے تھے۔ ترپولی سے وہ روانہ ہوئے اور حرّان پہنچے تھے۔ گشتگین کو اُس کے صلیبی مشیروں نے بتایا تھا کہ یہ سلطان ایوبی کو قتل کرنے جا رہے ہیں۔ اُس نے اُن سے قتل کا طریقہ سنا تو اُسے مسترد کر کے انہیں اپنے پاس شاہی مہمانوں کی حیثیت سے روک لیا اور صلیبی مشیروں سے کہا تھا کہ وہ سلطان ایوبی پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ ان نو فدائیوں کو وہ اپنے ساتھ لے جائے گا اور موزوں موقعے پر اور کسی بہتر طریقے سے سلطان ایوبی کو قتل کرائے گا۔ چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ محاذ پر لے آیا تھا۔

اب گشتگین نے میدانِ جنگ میں اُن کے لیے موقع پیدا کر لیا اور اُن کا بہروپ بھی تیار کر لیا تھا۔ اُس نے کھانے سے فارغ ہو کر انہیں کہا۔ "آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے قتل کا کیا طریقہ سوچا ہے۔ تم نے صوفیوں کا جو روپ دھارا ہے وہ شک پیدا کر سکتا ہے۔ ایوبی کی نظر بڑی گہری ہے۔ اُس پر پہلے چار پانچ قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ وہ اور زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ اُس کے ساتھ دو بڑے ہی تجربہ کار سراغرساں ہیں، ایک علی بن سفیان اور دوسرا حسن بن عبداللہ۔ وہ ایک نظر میں انسان کو بھانپ لیتے ہیں۔ ہمارے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق اِس وقت حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ ہے اور علی بن سفیان قاہرہ میں ہے۔ صلاح الدین ایوبی سے کوئی اجنبی ملنے جاتا ہے تو دو تین سالار اور حسن بن عبداللہ اُس کی بڑی گہری چھان بین کرتے ہیں۔ انہیں شک ہو تو اُس کی تلاشی بھی لیتے ہیں۔۔۔۔

"ایوبی یا حسن بن عبداللہ کو یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہ چیلنج تو کئی مہینوں سے چل رہی ہے، تمہیں صلح نامے کا خیال آج کیسے آیا ہے؟ ایوبی یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ تم کہاں کے مذہبی پیشوا ہو اور وہ کوئی ایسا سوال پوچھ سکتا ہے جس کا تم لوگ جواب نہ دے سکو یا ایسا جواب دو جو تمہیں بے نقاب کر دے۔ وہ خود عالم ہے، مذہب اور تاریخ کا اُس کا گہرا مطالعہ ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے چہروں پر داڑھیوں کے سوا صوفیوں والی کوئی نشانی نظر نہیں آتی۔ تم میں سے چار کی داڑھیاں ابھی چھوٹی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مہینے سے بڑھائی گئی ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں حشیش اور شراب کا نشہ چڑھا ہوا ہے۔ مجھے اِن چہروں پر پاکیزگی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔"

اِن نو میں سے کسی نے بھی بُرا نہ مانا۔ ان کے سرغنہ نے کہا۔ "مجھے آپ کی ہر ایک بات سے اتفاق ہے

مسکراہٹ سے کہا۔

گشتگین شیطان کی مسکراہٹوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم میں سے جو زندہ آئیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کرکے آئیں گے انہیں میں ایک ایک سو دینار انعام دیا جائے گا۔ اُس سے اتنے زیادہ زر و جواہرات انہیں دیئے جائیں گے جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے ہوں گے۔ تم میں سے جو آدمی صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر لائے گا، اُسے اُس کی پسند کی دو لڑکیاں دی جائیں گی۔"

فدائیوں نے وحشیوں کی طرح چیخ چیخ کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ گشتگین نے بڑی مشکل سے انہیں خاموش کیا اور کہا۔ "آؤ تمہیں وہ راستہ بتادوں جو دمشق سے قرون کی طرف جاتا ہے۔ تم میں سے دو دو، چار چار کرکے دمشق کے راستے پر چلے جانا لیکن خیال رکھنا کہ راستے میں کوئی بھی پوچھے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو تو یہی کہنا کہ تم دمشق سے آئے ہو اور مصر فوج پر جا رہے ہو۔ راستے میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور مخبر بھی ملیں گے۔ تمہیں آج ہی رات روانہ ہونا ہے۔"

"آج ہی رات؟" ایک فدائی نے پوچھا۔ "کل دن کو نہ جائیں؟"

"اتنا وقت نہیں۔" گشتگین نے جواب دیا۔ "تمہارا پکڑا جانا بہت برا ہے۔ دو دو، چار چار کرکے مختلف راستوں سے جاؤ۔ کوئی آدمی گھوڑے پر سوار نہ ہو۔ تھکے ہوئے گھوڑوں سے وہاں سے جائیں۔ تازہ دم ہو جائیں گے۔"

گشتگین نے بکس سے کپڑے نکال کر انہیں دیئے کہ یہ پہن لو۔ اُس نے دربان سے کہا کہ وہ نوکر سے کہے کہ آؤ جو میں نے الگ کر رکھے ہیں۔

آدھی رات کے بعد نو گھوڑ سوار گشتگین کے خیمے سے روانہ ہوئے۔ وہ اُس سمت جا رہے تھے جدھر سے قرون حماۃ کو راستہ جاتا تھا۔ اگلے گھوڑ سوار کے پاس سلطان ایوبی کا جھنڈا تھا اور باقی آٹھ کی برچھیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بندھی تھیں۔

☆

اُسی روز جس وقت گشتگین اپنے سالاروں اور رضاکاروں کو اشتعال انگیز تقریر سے جوش دلا رہا تھا، سیف الدین اور حلب کی فوجیں بھی ایسی ہی اشتعال انگیز تقریریں سن رہی تھیں۔ حلب کا ایک سالار گھوڑے پر اپنی فوج سے کہہ رہا تھا۔ "یہ وہی صلاح الدین ہے جس نے حلب کا محاصرہ کیا تھا۔ تم نے اسی صلاح الدین کو اُس کی اسی فوج کو حلب سے بھگایا تھا۔ رب کعبہ کی قسم! یہ ولایت تمہی نے کی ہے کہ صلاح الدین جس قلعے کو فتح نہیں کر سکا، وہ تم نے فتح کرکے دم لیا ہے۔ وہ حلب کے محاصرے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اُس نے محاصرہ اٹھا لیا تھا، صرف اس لیے کہ تم شیر ہو۔ تم جان پر کھیل جانے والے سرفروش ہو۔ تم نے شہر سے نکل نکل کر اُس پر ہلہ بولے رکھا۔ تم نے اُسے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ تم نے اُسے وہ برداشت نہ کر سکا۔ فتح اُس کی ہوتی ہے جس پر خدا خوش ہوتا ہے۔ خدا نے فتح تمہیں عطا کی ہے۔ صلاح الدین ایوبی پر خدا کیوں خوش ہوگا۔ وہ لٹیرا ہے۔ اُس نے دمشق پر قبضہ کیا، وہاں کے لوگوں کی اُس نے جو حالت کی ہے وہ وہاں جا کر دیکھو۔ کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہی۔ میں دمشق کے

حسن [illegible] نے نہیں سونے دیا۔ ہم کھجور کے پتوں سے اپنے خیمے میں بچا لیا اور کچھ کھانے پینے کے لیے [illegible] تو سے یہ سہولت نہیں دیں گے۔ ہم میں سے کسی کو بھی علم نہیں کہ امام اور خطیب کھاتے [illegible] آپ نے یہ فقرہ سوچا ہے؟"

گشتگین نے کہا۔ "میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے رضاکار محافظ بنا کر قرون [illegible] بھیج رہا ہوں۔ تم میں سے جو محافظ چھانٹ کر منتخب کیے جائیں گے، اُن کے خاندانوں کی بھی جانچ پڑتال ہوگی۔ اس لیے یہ اطمینان ہے کہ تم جانتے ہو کہ اُس کے محافظ دستے میں شامل ہو جاؤ گے۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے جو مجھے مسلمانوں کے ایک مؤرخ نے بتایا ہے کہ وحشت کے لوگوں میں ہمارے خلاف اور صلاح الدین ایوبی کے حق میں اتنا جوش و خروش پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ رضاکارانہ طور پر محاذ پر آ رہے ہیں۔ وہاں سے [illegible] تیز تر فوج کی مشق کر رہا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایوبی ان رضاکاروں کو باقاعدہ فوج میں تو [illegible] دوسرے کاموں کے لیے رکھ لیتا ہے۔ میں اس فضا سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔"

اس نے ایک بوڑھے نوکر کو ایک بس کھولنے کا حکم دیا۔ اس میں کپڑے تھے۔ اُس نے فدائیوں سے کہا۔ "تم سب [illegible] صلاح الدین ایوبی کے بھیس میں جاؤ گے۔ یہ اُس کے محافظ دستے کا مخصوص لباس ہے۔ تم میں سے ایک [illegible] ہوگا۔ وہ ایوبی کا جھنڈا اٹھائے گا۔ تم میں سے آٹھ کی برچھیوں کے ساتھ اُس کی فوج کی جھنڈیاں ہوں گی۔ تم سیدھے [illegible] جاؤ گے۔ تمہیں روک لیا جائے گا۔ اُس وقت تک نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ تم جوش اور جذبات سے کہنا [illegible] دمشق سے صلاح الدین ایوبی کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ یہ بھی کہنا کہ ہم نے بڑی [illegible] سے محافظ دستے میں جگہ حاصل کی ہے۔ ہم میں سلطان کے اردگرد [illegible] ہوں گے۔ تم نہ روکنا۔ ہم اتنی وحدت، نیت اور جذبات سے آئے ہیں۔ ہم سلطان سے [illegible] ہیں۔ تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ خیمہ کی بہت قدر کرتا ہے۔ تم سے ملے گا ضرور۔ [illegible] تم گھوڑوں سے اترنا نہیں۔ قریب جا کر گھوڑوں کو ایڑ لگا دینا [illegible] تم برچھیوں سے بھی بڑے کھلنے کی کوشش کرنا۔ تم سب نے جان کی بازی لگانے کا حلف اٹھایا ہے۔ [illegible] تم سب کو ایک ساتھ مرنا ہوگا۔ مجھے پوری توقع ہے کہ تم اپنے سلطان کو زخمی حالت میں دیکھ کر محافظوں میں [illegible] پہنچ جاؤ گے کہ وہ سمجھ جائیں۔ یہ طے کر لیا ہے تم اُن کے تیروں کی زد سے نکل آؤ گے۔ میں [illegible] تمہیں اب کسی نصیحت دے رہا ہوں جس کے عواقب میں ابھی نہیں پہنچ سکتی۔"

گشتگین نے ٹھیک بات سوچی ہے۔ فدائی حسن بن صباح کے سر خنے کو "ہاؤسٹ" وہ ساتھی یا بہت دلیر، اناڑی اور بزدل تھے جو اُسے سوتے وقت بھی قتل نہ کر سکے۔ اُسی کے ہاتھوں مارے گئے اور جو زندہ رہے وہ پکڑے گئے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ اُن کا سر کاٹ کر لانے سے تو آپ یہ خبر نہ سنیں گے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے۔"

"اور اگر ہم اُسے قتل کر آئے تو؟" ایک فدائی نے خیموں کی طرف اشارہ کرکے اور شیطانی

سب آنا پڑا۔ ہمیں وہاں واپس جانا ہے۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی سے انتقام لینا ہے.... اور اللہ کے سپاہیو! یہ نہ سوچنا کہ تم مسلمان ہو کر مسلمان فوج کے خلاف لڑنے جا رہے ہو۔ وہ مسلمان کافر سے بدتر ہے جو مسلمانوں کے شہروں کو فتح کرتا پھر رہا ہے۔ تم پر ایسے مسلمان کا قتل خدا نے فرض کر دیا ہے....

"خلافت کے محافظو! تمہارے دشمن صلیبی نہیں صلاح الدین ایوبی اور اُس کی فوج ہے۔ صلیبیوں کو دشمن اس شخص نے بنایا ہے۔ نورالدین زنگی نے قوم پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ صلاح الدین کو مصر کی امارت دے دی ورنہ یہ شخص چھوٹے سے ایک جیش کی کمان کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔ میں اُسے اپنی فوج میں سپاہی کی حیثیت سے بھی نہ رکھوں۔ آج اس شخص کی موت اُسے اِن چٹانوں میں لے آئی ہے۔ اب اُس کے سامنے تمہاری تلواریں، تمہاری برچھیاں اور تمہارے گھوڑے ہوں گے اور اُس کے پیچھے چٹانیں اور پہاڑیاں ہوں گی۔ تم اُسے اور اُس کی فوج کو یہیں کر رکھ دو گے۔ تمہیں حلب کی توہین اور بربادی کا انتقام لینا ہے۔ اگر تم نے صلاح الدین کو یہاں، انہی پہاڑیوں میں ختم نہ کیا تو وہ سیدھا حلب پر آئے گا۔ اُس کی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری بہنیں اور بیٹیاں اس کے سالاروں کے حرم کی زینت بنیں گی۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو نورالدین زنگی کا بیٹا جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ سیف الدین والیٔ موصل جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ گمشتگین جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اگر اتنے امراء جھوٹے نہیں ہیں تو اکیلا صلاح الدین ایوبی جھوٹا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تین فوجیں اُسے کچلنے کے لیے آئی ہیں۔ تم سب سچے غیرت اور حمیت والے ہو۔ ثابت کر دو کہ غیرت اور حمیت کی خاطر تم اپنے بھائی کا بھی خون بہا سکتے ہو۔"

فوج بظاہر خاموشی سے سُن رہی تھی لیکن اس کے اندر اشتعال نے طوفان بپا کر رکھا تھا۔ سالار نے حقائق پر پردہ ڈال کر فوج کے جذبات کو مشتعل کر دیا اور فوج نعرے لگانے لگی: "ہم غلام نہیں بنیں گے۔ صلاح الدین ایوبی زندہ نہیں رہے گا۔" ایک شور تھا جو زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا۔

سیف الدین کے کیمپ کی بھی کیفیت جذباتی تھی۔ وہ بھی اپنی فوج کے جذبات کو بھڑکا رہا تھا۔ اُس نے سپاہیوں کے لیے یہ سہولت بھی پیدا کر دی تھی کہ دو علماء سے یہ فتویٰ لے لیا تھا کہ میدانِ جنگ میں روزہ فرض نہیں۔ تمام فوج خوش تھی۔ سیف الدین نے کہا کہ ہم اُس وقت نماز ادا کریں گے جب صلاح الدین ایوبی کی فوج کا دم خم ٹوٹ چکا ہوگا۔ پھر ہماری منزل دمشق ہوگی۔ دمشق میں بے اندازہ دولت ہے جو تمہاری ہوگی۔

☆

اُدھر لشکروں اور فوجوں کی باتیں ہو رہی تھیں، اِدھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے کیمپ میں چھ چھ، آٹھ آٹھ، دس دس چھاپہ ماروں کے حساب سے ٹکڑیاں بن رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج سے کوئی خطاب نہیں کیا، کوئی جوشیلی تقریر نہیں کی۔ اُس کی نظر اُس زمین پر تھی جس پر اُسے لڑنا تھا۔ اس زمین کے خدوخال سے وہ زیادہ سے زیادہ جنگی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اُس نے جو بھی بات کی اپنے سینئر اور جونیئر کمانڈروں سے کی اور وہ بھی حقیقت کی بات کی۔ کبھی کبھی وہ اس وجہ سے جذباتی ہو جاتا تھا کہ اُس کے مسلمان بھائی فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے ہیں اور مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ اس کا اُس کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ وہ صلح اور امن کے لیے ایلچی بھیج کر

اپنی توہین کرا چکا تھا۔ اب وہ اقدام کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اُس نے مصر سے آئی ہوئی فوج کو اپنی سکیم کے مطابق تقسیم کر دیا تھا اور دشمن کے انتظار میں بے چین ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے مشیروں سے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا کہ دشمن شاید یہ چاہتا ہے کہ پہاڑیوں سے نکل کر اُس پر حملہ کیا جائے۔ سلطان ایوبی چٹانوں سے نکلنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ دشمن کو پہل کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے چھاپہ ماروں سے دشمن کے کیمپوں میں تباہی بپا کر سکتا تھا۔ یہ اس کا خصوصی طریقۂ جنگ تھا لیکن اُس نے چھاپہ ماروں کو بھی استعمال نہ کیا۔ وہ دشمن کی چال اور حرکت دیکھ رہا تھا۔

دمشق میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے اپنا ایک اور محاذ کھول رکھا تھا۔ جب سے سلطان ایوبی دمشق سے نکلا تھا، اس عظیم عورت نے لڑکیوں کی ایک رضاکار فوج تیار کرنی شروع کر دی تھی۔ لڑکیوں کو نرسیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھانے، خون روکنے اور ابتدائی مرہم پٹی کی تربیت دی جاتی تھی لیکن زنگی کی بیوہ انہیں تیغ زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی کی تربیت بھی دے رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے اُس نے چند ایک تجربہ کار مرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی محاذ پر عورت کی موجودگی کو پسند نہیں کرتا، اور یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ لڑکیوں کو فوج میں شامل کرے گا۔ اس کے باوجود زنگی کی بیوہ لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رہی تھی۔ وہاں کیفیت یہ تھی کہ کسی کو یہ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو مرہم پٹی وغیرہ کی تربیت کے لیے بھیجا کرے۔ لوگ اپنی بیٹیوں کو تربیت کے لیے بھیجا کرتے فخر محسوس کرتے تھے۔ دس بارہ سال کی عمر کے بچے اپنے طور پر لکڑی کی تلواریں بنا کر تیغ زنی کرتے رہتے تھے۔

زنگی کی بیوہ کی فوج میں چار لڑکیوں کا اضافہ ہوا۔ ان میں ایک تو فاطمہ تھی جسے سلطان ایوبی کا ایک چھاپہ مار جاسوس حرّان سے بلکہ گمشتگین کے حرم سے نکال لایا تھا۔ دوسری موصل کے خطیب ابن المنذر کی بیٹی منصورہ تھی۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اُسے اپنے باپ کے ساتھ کس طرح موصل سے نکالا گیا تھا۔ باقی دو وہ لڑکیاں تھیں جنہیں حلب سے گمشتگین کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ انہیں سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت نے حرّان کے قاضی کو قتل کر کے وہاں سے نکالا تھا۔ یہ حمیرہ اور سحر تھیں۔ یہ سلطان ایوبی کے پاس محاذ پر پہنچی تھیں جہاں سے انہیں دمشق بھیج دیا گیا تھا۔ ایسی بے ٹھکانہ لڑکیوں کو نورالدین زنگی کی بیوہ کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ یہ چاروں اُس کے پاس پہنچیں تو انہوں نے وہاں لڑکیوں کو تربیت حاصل کرتے دیکھا۔ یہی اُن کی خواہش تھی جو فوری طور پر پوری ہو گئی۔

انہوں نے زنگی کی بیوہ کو اپنی اپنی آپ بیتی سنائی۔ وہ انہیں ان لڑکیوں کے سامنے لے گئی اور انہیں کہا کہ وہ تمام لڑکیوں کو تفصیل سے سنائیں کہ دشمن کے قبضے میں اُن پر کیا گزری ہے۔ چاروں نے اپنی اپنی کہانی سنائی۔ خطیب کی بیٹی منصورہ ذہنی طور پر زیادہ مستعد اور ہوشیار تھی۔ اُس نے لڑکیوں سے کہا: "عورت قوم کی آبرو ہوتی ہے۔ دشمن جب کسی شہر پر قبضہ کرتا ہے تو اُس کی فوج سب سے پہلے عورتوں پر ہاتھ ڈالتی ہے۔ تم نے ان دو لڑکیوں (حمیرہ اور سحر) سے سُن لیا ہے کہ جو علاقے صلیبیوں کے قبضے میں ہیں وہاں صلیبی مسلمانوں کے

ساتھ کتنا ہولناک سلوک کررہے ہیں۔ وہاں کسی مسلمان لڑکی کی عزت محفوظ نہیں۔ خدانخواستہ دمشق بھی اُن کے قبضے میں آگیا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ اگر تم نے خون کی قربانی دینے سے گریز کیا تو صلیبی ہمارے آقا بن کر رہیں گے۔ انہوں نے ہمارے بہت سے امراء کو خرید لیا ہے۔ اب صلیبی بھی تمہارے دشمن اور مسلمان اُمراء بھی تمہارے دشمن ہیں۔ اگر تم فتح حاصل کرنا چاہتی ہو تو انتقام کے جذبے کو زندہ و پائندہ رکھو۔ میرے محترم والد کہا کرتے ہیں کہ جو قوم اُن مقتولوں کو فراموش کردیتی ہے جو کفار کی بربریت کا شکار ہوئے تھے وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی....

"میری بہنو! میں محترم سلطان صلاح الدین ایوبی کی مرہونِ منت ہوں۔ اُن کے نام پر سُولی چڑھنے کو تیار ہوں لیکن مجھے اُن کا یہ اُصول پسند نہیں کہ عورت محاذ پر نہ جائے۔ انہوں نے جو سوچا ہے ٹھیک ہی سوچا ہے لیکن عورت کو کمزور سمجھا جارہا ہے۔ نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو حرموں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ یہیں مرد کی تفریح کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح قوم کی آدھی قوت بیکار ہوکر رہ گئی ہے۔ دشمن لشکر لے کر آتا ہے۔ اُس کے مقابلے میں ہماری فوج آدھی بھی نہیں ہوتی۔ ہم مردوں کے دوش بدوش لڑیں گی اور فوج کی کمی پوری کریں گی۔ میں موصل میں جاسوسوں کے گروہ میں رہی ہوں۔ میں اس محاذ پر لڑکر آئی ہوں۔ یہ میرے والد کی غلطی تھی کہ انہوں نے جذبات میں آکر والیٔ موصل پر اپنے اصل خیالات کا اظہار کردیا۔ اگر وہ نہ پکڑے جاتے تو وہاں ہمارے ارادے کچھ اور ہوتے۔ ہم وہاں تباہ کاری نہ کرسکے اور ہمیں وہاں سے نکلنا پڑا۔"

ان چاروں لڑکیوں کی آپ بیتی اور منصورہ کی باتوں نے لڑکیوں کے جذبے کی شدت میں اضافہ کردیا۔ ان میں سے چار سو لڑکیاں تربیت حاصل کرکے تیار ہوچکی تھیں۔ انہیں محاذ کے لیے روانہ کیا جانے لگا۔ چاروں لڑکیوں نے چند دنوں میں کچھ تربیت حاصل کرلی تھی۔ انہیں روک لیا گیا لیکن اُن میں انتقام کا جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ اِسی جذبے کے ساتھ محاذ پر جانے کی ضد کرنے لگیں۔ فاطمہ، جمیرہ اور سحر کی ضد اتنی سخت تھی کہ تینوں رو پڑیں۔ اُن کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ زنگی کی بیوہ نے انہیں بھی چار سو کے اس جتھے میں شامل کرلیا۔ اُن کے ساتھ ایک سو مردوں کو بھیجا گیا۔ یہ رضاکار تھے۔ انہوں نے لڑنے کی تربیت حاصل کرلی تھی۔ اُن کا کمانڈر حجاج ابوفاس تھا۔

نورالدین زنگی کی بیوہ نے حجاج ابوفاس کو ایک تحریری پیغام دے کر کہا۔ "یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو دے دینا۔ میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ تم انہیں یہ بتانا کہ یہ لڑکیاں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ تم ایک بار پھر سُن لو۔ ان لڑکیوں اور رضاکار محافظوں کو اپنے ساتھ رکھنا۔ سب کو شب خون مارنے کی تربیت دی گئی ہے اور لڑکیاں بھی لڑسکتی ہیں۔ زخمیوں کو سنبھالنے کے بہانے تم سب لڑو گے۔ فوج کے سامنے رکاوٹ نہ بن جانا۔ جہاں موقع ملے دشمن کو کمزور کرو۔ میں نے لڑکیوں کو بتا دیا ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ زندہ نہ آئیں۔ وہ خود کہتی ہیں کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہُوا تو وہ اپنی تلوار سے اپنے آپ کو ختم کردیں گی۔"

چار سو لڑکیوں اور ایک سو رضاکار مردوں کا یہ دستہ گھوڑوں پر سوار دمشق سے روانہ ہُوا تو سارا شہر اُمڈ کر باہر آگیا۔ لوگوں نے جانے والوں پر پھول برسائے۔ اس قسم کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔ "واپس نہ آنا۔ آگے جانا..... صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ دمشق کی تمام عورتیں آئیں گی.... اللہ تمہیں فتح دے گا.... اسلام کا کوئی دشمن زندہ نہ رہے۔" شہر کے بہت سے آدمی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار دُور تک اس جتھے کے ساتھ گئے۔

☆

رمضان کا مہینہ تھا۔ راستے میں ایک رات پڑاؤ کرنا تھا۔ افطاری کے وقت سے کچھ دیر پہلے یہ قافلہ ایک جگہ رُک گیا۔ لڑکیاں کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئیں اور مرد خیمے نصب کرنے لگے۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ راتیں سرد ہوجاتی تھیں۔ گھوڑوں کے اِس قافلے کے ساتھ اُونٹ بھی تھے جن پر خیمے لدے ہوئے تھے لیکن خیموں میں برچھیاں، تلواریں اور تیر و کمان لپٹے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے بارہ گھوڑسوار آگئے۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار تھے، جو دمشق سے محاذ پر جانے والے راستے کی حفاظت میں گھوم پھر کر کررہے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں اور رضاکاروں کے قافلے کو دیکھ لیا تھا۔

اِن آٹھ سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر مہمکار داں حجاج ابوفاس آگے بڑھا۔ چھاپہ ماروں کا کمانڈر انطانون تھا۔ اُس نے ابوفاس سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جارہے ہیں۔ ابوفاس نے اُسے مکمل جواب دیا اور اُسے مطمئن کردیا۔ چھاپہ ماروں کو دیکھ کر بہت سی لڑکیاں دوڑی گئیں اور اُن کے گرد جمع ہوگئیں۔ سب کا یہی ایک سوال تھا کہ محاذ کی کیا خبر ہے۔ انطانون نے انہیں بتایا کہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی، اور کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ کس وقت شروع ہوجائے۔

انطانون بولتے بولتے چُپ ہوگیا اور اُس کی نظریں ایک لڑکی پر جم گئیں۔ اُس نے حیران ہوکر پوچھا۔

"فاطمہ! تم کیسے آگئی ہو؟"

فاطمہ بے تابی سے آگے بڑھی اور انطانون کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انطانون نے فاطمہ کو گشتگین کے حرم سے نکالا تھا۔ ابوفاس نے انطانون سے کہا کہ وہ افطاری اُن کے ساتھ کریں اور کھانا بھی انہی کے ساتھ کھائیں۔ سب بکھر گئے۔ ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ انطانون اور فاطمہ نے اتنا سا موقع پیدا کرلیا کہ انطانون نے اُسے رات کو ملنے کی ایک جگہ بتا دی۔ دمشق سے دور اس ویرانے میں اذان کی صدائے مقدس گونجی۔ سب نے روزہ افطار کیا، نماز پڑھی اور کھانا کھایا۔ سب دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ جنہیں سونا تھا وہ سو گئے۔ لڑکیوں نے ٹولیوں میں بٹ کر گیت گانے شروع کردیے۔ چھاپہ ماروں نے ان سے کچھ دُور اپنا ڈیرہ جمالیا۔ انطانون اپنی پارٹی کو یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ اِدھر اُدھر دیکھ بھال کرنے جارہا ہے۔

فاطمہ چپکے سے لڑکیوں میں سے غائب ہوگئی۔ وہ خیمہ گاہ سے دُور ایک جگہ کھڑی انطانون کا انتظار کررہی تھی۔ انطانون بھی آگیا۔ فاطمہ کے ساتھ اُس کی پہلی ملاقات حرن میں ہوئی تھی۔ اُس وقت انطانون سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اُس نے اس لڑکی کو صرف اس لیے بچا لیا تھا کہ وہ حرن کے حکمران اور سلطان ایوبی کے دشمن گشتگین کے حرم کی لڑکی تھی۔ اسے وہ اپنی جاسوسی کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ فاطمہ نے ایک

میلیبی مشیر کو قتل کر دیا اور انطانون گرفتار ہو کر فرار ہُوا اور فاطمہ کو ساتھ لے آیا۔ سلطان ایوبی نے فاطمہ کو دمشق بھیج دیا اور انطانون اپنی درخواست پر چھاپہ مار دستے میں شامل ہو گیا۔ اب اتنے دنوں بعد فاطمہ اُسے اچانک مل گئی تو انطانون نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ اس لڑکی کے بغیر اُس کی زندگی روکھی پھیکی ہو گئی ہے اور یہ لڑکی اُس کے دل میں اُتر گئی ہے۔ یہ تعلق صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ لڑکی کو جاسوسی کے لیے استعمال کرنا تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت فاطمہ کی تھی۔

اُن کی ملاقات جذباتی تھی۔ وہ اپنے اپنے قابو میں نہیں رہے تھے لیکن انطانون نے اُس کے بازوؤں سے نکل کر کہا۔ "فاطمہ! ہمارا فرض ابھی پورا نہیں ہُوا۔ میں مرد ہوں بھی اپنا فرض پورا نہیں کر سکا تھا۔ تمہیں وہاں سے نکال لانا کوئی کارنامہ نہیں تھا اور یہ میرے فرائض میں شامل بھی نہیں تھا۔ میں سلطان کے آگے شرمسار ہوں اور میں اپنی قوم کے آگے بھی شرمسار ہوں۔ میں چھاپہ مار دستے میں اس لیے شامل ہُوا ہوں کہ فرض ادا نہ کر سکنے کے گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں۔ سلطان محترم نے مجھ پر ذمہ داری عائد کر دی ہے کہ ان سات چھاپہ ماروں کی کمان اور قیادت مجھے دے دی ہے۔ اب ایک بار پھر تم میرے راستے میں نہ آجانا۔ مجھے تم سے محبت ہے لیکن مجھے پہلے فرض ادا کرنے دو۔"

"میں بھی فرض ادا کرنے آئی ہوں۔" فاطمہ نے کہا۔ "میں گشتگین کو قتل کرنے آئی ہوں۔"

"ناممکن ہے۔" انطانون نے کہا۔ "محترم سلطان عورت کو محاذ سے بہت دور رکھتے ہیں۔ وہ شاید تم سب کو واپس بھیج دے گا۔"

"میں واپس نہیں جاؤں گی۔" فاطمہ نے غصے سے کہا۔ "میں ثابت کر دوں گی کہ عورت حرم کے لیے نہیں جہاد کے لیے پیدا کی گئی ہے..... انطانون، میری یہ خواہش پوری کرو کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مجھے مردانہ کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ رکھو۔"

"ایسا ہو نہیں سکتا۔" انطانون نے کہا۔ "اگر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ بھی لوں تو میری توجہ تم پر لگی رہے گی۔ میں اپنا کام نہیں کر سکوں گا، اور اگر میں پکڑا گیا تو مجھے اس جرم میں قید خانے میں ڈال دیں گے کہ میں نے ایک لڑکی اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ میری اور تمہاری نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو یہ جرم معمولی نہیں..... فاطمہ! جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ تم جدھر جا رہی ہو اُدھر جاؤ۔ ہو سکتا ہے سلطان تم سب کو زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے اپنے ساتھ رکھ لے۔"

"تم پھر مل سکو گے؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"شاید کہیں زندہ یا مُردہ مل جاؤں۔" انطانون نے جواب دیا۔ "چھاپہ مار اپنے متعلق بتا نہیں سکتا کہ وہ کس وقت کہاں ہوگا اور اُس کی لاش کہاں سے ملے گی۔ چھاپہ ماروں کی لاشیں ملا نہیں کرتیں۔ وہ دشمن کی جمعیت میں جا کر مرا کرتے ہیں۔ زندہ رہا تو سیدھا تمہارے پاس آؤں گا۔"

"ہو سکتا ہے تم زخمی ہو جاؤ تو میں ہی تمہاری مرہم پٹی کروں۔" فاطمہ نے کہا۔

"چھاپہ ماروں کی مرہم پٹی دشمن کیا کرتا ہے۔" انطانون نے جواب دیا۔ "فاطمہ جذبات میں نہ آؤ۔ میں جذبات

کو بھی اور ایک دوسرے کو بھی قربان پڑے گا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ تم جیسی لڑکیاں حرموں میں نہ جائیں اور وہ صلیبیوں کے وحشی پن سے بچی رہیں تو میرا خیال دل سے نکال دو۔ میدانِ جنگ میں تمہیں جو فرض سونپا جائے صرف اُسے دل میں رکھنا۔ تم گشتگین کو قتل نہیں کر سکو گی۔ یہ ارادہ بھی دل سے نکال دو۔"

وہ بوجھل دل سے جدا ہوئے۔ فاطمہ پر انطانون کی کسی بات کا اثر نہ ہُوا۔ اُس کے دل سے گشتگین کے قتل کا ارادہ بھی نہ نکلا اور انطانون کی محبت بھی نہ نکلی۔

☆

سلطان ایوبی کی سرگرمیاں دو رہی تھیں۔ میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھتا اور اس کی لکیروں میں کھویا رہتا یا گھوڑے پر سوار اپنی فوج کی مورچہ بندیاں دیکھتا رہتا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے یا دو دن وقت تک کے لیے دفاعی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ اصل جنگ فرنگ کے اندر لڑنا چاہتا تھا جس کی اُس نے سکیم بنا رکھی تھی لیکن ایک پہلو اُسے پریشان کر رہا تھا۔ بائیں پہلو پر تو چٹانیں اور اُن کے پیچھے پہاڑیاں تھیں لیکن دائیں پہلو پر چٹانیں زیادہ نہیں تھیں اُن کے پیچھے میدان تھا۔ دشمن اُس طرف پیشقدمی کر کے یا ہلہ بول کر آگے نکل سکتا تھا۔ اس سے سلطان ایوبی کا سارا پلان تباہ ہونے کا خطرہ تھا۔ اُس کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ اُس میدان میں سواروں اور پیادوں کی دیوار کھڑی کر سکتا۔ قریبی پٹان پر اُس نے تیر انداز بٹھا دیے تھے لیکن یہ انتظام کافی نہیں تھا۔ میدان کے لیے اُس نے دو دستے سوار اور پیادہ تیار کر لیے تھے لیکن انہیں ابھی چھپا کر رکھا ہُوا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ میدان پریشان کر رہا تھا۔ اُن دو دستوں کے علاوہ اُس نے ایک منتخب دستہ اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

وہ ایک چٹان پر کھڑا اُدھر دیکھ رہا تھا کہ دُور افق سے اُسے گرد اٹھتی نظر آئی۔ ایسی گرد فوجی ابھی طرح بچھاتے تھے۔ وہ کوئی سوار فوج آ رہی تھی۔ گرد کے پھیلاؤ سے پتہ چلتا تھا کہ گھوڑے ایک صف میں نہیں چار چار یا چھ چھ کی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں۔ دشمن کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا۔ "کیا اُس راستے پر اپنا ایک بھی آدمی نہیں تھا؟ تیاری کا حکم دو۔"

تیاری کے نقارے بج اُٹھے۔ فوج کو جس طرح دفاع کے لیے تیاری کی مشق کروائی گئی تھی وہ اسی طرح تیار ہو گئی۔ ذرا سی دیر بعد گھوڑے نظر آنے لگے۔ اُن کی چال دشمن والی یا تھکے والی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ دو چار سوار دوڑاؤ، دیکھو یہ کون لوگ ہیں..... سوار دوڑا دیے گئے اور جب وہ واپس آئے تو دُور سے پکارنے لگے "دمشق سے رضاکار آئے ہیں۔ ساتھ عورتوں کی فوج ہے۔"

"عورتوں کی فوج؟" سلطان ایوبی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "عورتوں کی فوج؟" اُس نے ذرا توقف سے سکون کی آہ لے کر کہا۔ "یہ فوج میری بیوہ بہن نے تیار کر کے بھیجی ہوگی۔ زنگی مرحوم کی بیوہ ہی یہ کام کر سکتی ہے۔"

سلطان ایوبی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ جتنی شادیوں کا بیان ہے کہ وہ اتنا کبھی نہیں ہنسا تھا۔ ہنستے ہنستے وہ سنجیدہ ہو گیا۔ اور اپنے پاس کھڑے سواروں سے کہنے لگا۔ "میری قوم کی بچیاں تمہیں فتح یاب کر کے دم نہیں لیں گی۔ ہم کیوں نہ مر مٹیں ان بچیوں کی آبرو پر۔ لیکن میں انہیں واپس بھیج دوں گا۔ اگر ایک بھی لڑکی دشمن کے ہاتھ چڑھ گئی تو میں کبھی چین حاصل نہیں کر سکوں گا۔"

وہ چٹان سے اُتر کر آگے چلا گیا۔ لڑکیوں اور رضاکاروں کی فوج قریب آگئی۔ اس کا کمانڈر ابوطالب گھوڑے سے اُتر کر سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ سلام کے بعد نورالدین زنگی کی بیوہ کا تحریری پیغام دیا۔ اُس نے لکھا تھا۔

"میرے بھائی! اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میرا شوہر زندہ ہوتا تو تم اتنے سارے دشمنوں کے سامنے اکیلے نہ ہوتے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ جو مجھ سے ہو سکتا تھا وہ پیش کر رہی ہوں۔ ان لڑکیوں کو میں نے زنمیوں کو سنبھالنے اور زخموں کی مرہم پٹی کی تربیت دلائی ہے۔ دوائیوں کا ذخیرہ بھی بھیج رہی ہوں۔ ایک سو رضاکار بھی ساتھ ہیں۔ بوڑھے فوجیوں نے انہیں جنگی تربیت دی ہے۔ تقریباً تمام کو شبخون مارنے کی مشق بھی کرائی ہے۔ یہ سب جوش اور جذبے والے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ ان لڑکیوں کو تم محاذ پر رکھنا پسند نہیں کرو گے۔ میں تمہارے خیالات سے آگاہ ہوں، لیکن یہ خیال رکھنا کہ تم نے انہیں واپس بھیج دیا تو دمشق والوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم نہیں جانتے کہ اس شہر میں لوگوں میں کیا جذبہ ہے۔ مرد تو محاذ پر جانے کو تیار ہیں، عورتیں بھی تمہاری قیادت میں لڑنے کو بیتاب ہیں۔ اس جذبے کو سارے شہر نے عقیدت اور ولولے سے رخصت کیا ہے۔ یہاں تو بچے بھی فوجی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ تمہیں فوج کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔"

پیغام پڑھ کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ نہتی تو لڑکیاں لیکن گھوڑوں پر سوار سپاہی بنی تھیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو گھوڑوں سے اتار کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ اُس نے کہا۔

"میں تم سب کو میدانِ جنگ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تمہارے جذبے کا صلہ میں نہیں دے سکتا، خدا دے گا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ لڑکیوں کو محاذ پر بلاؤں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ تاریخ کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی بیٹیوں کو لڑایا تھا۔ میں تمہارے جذبات کو مجروح بھی نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنے پاس رکھنے سے پہلے میں تمہیں متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ سوچ لو۔ تم میں اگر کوئی ایسی لڑکی ہے جو اپنی مرضی سے نہیں آئی تو وہ الگ ہو جائے، اور وہ لڑکیاں بھی الگ ہو جائیں جن کے دل میں ذرا بھی شک اور خوف ہے۔"

کوئی ایک بھی لڑکی الگ نہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہیں پیچھے محفوظ جگہ رکھوں گا۔ جنگ کے دوران تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا۔ پھر بھی یہ علاقہ ایسا ہے کہ تم دشمن کی زد میں آ سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے تم میں سے کئی تیروں سے مارى جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دشمن کے ہاتھ چڑھ جائے۔ یہ بھی سن لو کہ برچھی اور تلوار کا زخم بہت گہرا اور بڑا ہی بھیانک ہوتا ہے۔"

ایک لڑکی کی آواز بلند ہوئی۔ "آپ تاریخ سے ڈرتے ہیں اور ہم بھی تاریخ سے ڈرتی ہیں۔ ہم واپس چلی گئیں تو تاریخ کہے گی کہ قوم کی بیٹیوں نے صلاح الدین ایوبی کو تنہا چھوڑ دیا اور گھروں میں بیٹھی رہی تھیں۔"

ایک اور لڑکی نے کہا۔ "خدا صلاح الدین کی تلواریں اور زیادہ قوت دے۔ ہم حرموں کے لیے پیدا نہیں ہوئیں۔"

تیسری لڑکی نے کہا۔ "تین چار ماہ پہلے میرا بیاہ ہوا تھا۔ اگر آپ نے مجھے واپس بھیج دیا تو میں اپنے خاوند کو اپنے اوپر حرام سمجھوں گی۔"

"تمہارا خاوند خود کیوں نہیں آیا؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "اس نے اپنی بہن کو کیوں بھیج دیا ہے؟"

"وہ آپ کی فوج میں ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

پھر تمام لڑکیوں نے چلانا شروع کر دیا۔ اس کے سوا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنے جوش اور جذبے کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ یہ شور ذرا تھما تو کسی لڑکی کی آواز سنائی دی۔ "محترم سلطان! ہمیں لڑنے کا موقع دیں۔ ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔"

"یہ محبوں جہاد کہ میں تمہیں لڑائی میں شریک ہونے دوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تمہیں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر دوں گا۔"

اُس نے اُسی روز لڑکیوں کو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر ٹولی کے ساتھ ایک ایک رضاکار دے دیا۔ رضاکاروں کے متعلق کہا گیا تھا کہ انہیں جنگی ٹریننگ دی گئی ہے لیکن سلطان ایوبی نے انہیں زنمیوں کی مرہم پٹی کا کام دیا کیونکہ وہ باقاعدہ فوج کے سپاہی نہیں تھے۔ انہیں فوج کے ساتھ مل کر لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ لڑکیوں اور رضاکاروں کی خیمہ گاہ قرون سے دُور بنائی گئی۔ انہیں اُن سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا جو زنمیوں اور زخمیوں کو اٹھانے اور زنمیوں کی مرہم پٹی کا کام کرتے تھے۔ ان سپاہیوں نے لڑکیوں اور رضاکاروں کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔

☆

فاطمہ، منصورہ، حمیرا اور سحر ایک ٹولی میں آ گئیں۔ ان کا ایک ٹولی میں اکٹھا ہونا قدرتی امر تھا کیونکہ وہ اکٹھی دمشق پہنچیں اور ان کے دلوں میں ایک ہی جیسی خواہش اور ولولہ تھا۔ اُن کے ساتھ آذر بن عباس نام کا ایک رضاکار تھا۔ اُس کا چھوٹا سا خیمہ الگ تھا اور اس کے قریب ہی چاروں لڑکیوں کے لیے بڑا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ ان لڑکیوں میں خطیب کی بیٹی منصورہ، جسمانی اور دماغی لحاظ سے تیز اور ہوشیار تھی۔ شام سے کچھ دیر پہلے اُس نے دیکھا کہ ان کا ساتھی رضاکار آذر ایک چٹان پر چڑھتا جا رہا ہے۔ وہ اُوپر چلا گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ منصورہ بھی اوپر چلی گئی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وادیوں میں اور ڈھلانوں پر سپاہی نظر آ رہے تھے۔ آذر نے منصورہ سے کہا۔ "آؤ آگے چلیں۔" وہ اُس کے ساتھ چلی گئی۔ آذر قدرتی مناظر اور پہاڑی علاقے کی تعریفیں کرتا رہا۔

آذر خوبرو جوان تھا۔ اُس کی باتوں میں زندہ دلی اور چاشنی تھی۔ اُس نے منصورہ کے ساتھ بڑی شگفتہ سی باتیں شروع کر دیں۔ منصورہ نے بھی اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ وہ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے واپس آئے۔ اتنے سے وقت میں آذر منصورہ کے دل میں اُتر چکا تھا۔ انصاری کے بعد لڑکیاں اپنے خیمے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ فوج کے کسی کمانڈر نے خیمے میں جھانک کر دیکھا اور لڑکیوں سے پوچھا کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں؟ لڑکیوں نے آرام اور اطمینان کا اظہار کیا تو کمانڈر خیمے سے ہٹ گیا۔ باہر آذر کھڑا تھا۔ اُس نے کمانڈر کو باتوں میں لگا لیا۔ وہ بہت دیر باہر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ منصورہ اُن کی باتیں سن رہی تھی۔ آذر

نے کمانڈر سے پوچھا کہ آتی تھوڑی فوج سے وہ تین فوجوں کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔

"دشمن کے لیے پھندا تیار ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "جنگ اس میدان میں نہیں ہوگی جہاں دشمن کو توڑنا ہے۔ ہم اُسے اُس جگہ گھسیٹ لائیں گے جہاں ہم نے وسیع پیمانے پر گھات تیار رکھی ہوئی ہے۔" اس کمانڈر نے آذر کی بنائی اور جوشیلی باتوں سے متاثر ہو کر تفصیل سے بتایا کہ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو کس طرح تقسیم کیا ہے اور وہ کیا کرے گا۔ مصر کی کمک کے متعلق بھی تفصیل بتا دی۔

اُسی رات کا واقعہ ہے۔ آدھی رات کے لگ بھگ منصورہ کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے آذر بن عباس کے خیمے سے باتیں سنائی دیں۔ وہ سمجھی کہ آذر کا کوئی دوست ہوگا لیکن اُسے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ "تم ابھی نکل جاؤ۔ کہہ دینا میں تمہیں خود معلوم کرلی ہیں۔ باقی میں نے بتا دی ہیں۔ میرے لیے یہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ اچھا ہوا تم آگئے۔ اب راستہ سمجھ لو۔" اس آدمی نے آذر کو بتایا کہ وہ کس طرف سے نکلے۔ اُسے سارا راستہ سمجھا کر کہا۔ "تم پیدل جا رہے ہو۔ پیدل ہی جانا چاہیے۔ صبح سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ جلدی پہنچنے کی کوشش کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کل ہی حملہ کر دیں۔ پھندا تیار ہے اور مضبوط ہے۔ فرعون کے اندر نہ آئیں۔ خدا حافظ!"

منصورہ کو اس آدمی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چلا گیا تھا۔ منصورہ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر باہر دیکھا۔ آذر اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ وہ ایک طرف چل پڑا۔ منصورہ نے اپنے خیمے کی کسی لڑکی کو جگائے بغیر اپنے سامان سے خنجر نکالا اور باہر نکل گئی۔

☆

آسمان پر بکھرے بادل تھے جن کی وجہ سے چاندنی بہت ہی مدھم تھی۔ منصورہ کو آذر سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ کچھ فاصلہ رکھ کر اور اوٹ میں ہو کر اُس نے آذر کا تعاقب کیا۔ آذر ایک چٹان کے دامن میں ہو گیا اور پیشاب کیا۔ منصورہ بھی اُسی رستے پر ہو گئی۔ راستے میں کوئی سنتری یا کوئی اور فوجی اِدھر اُدھر آتا جاتا نظر نہ آیا۔ اس سے منصورہ سمجھ گئی کہ لڑکیوں اور رضاکاروں کے خیمے اگلے مورچوں سے بہت پیچھے لگائے گئے ہیں اور اس سے پیچھے کوئی فوج نہیں۔ منصورہ کو معلوم نہیں تھا۔ وہاں کئی جگہوں پر فوج موجود تھی لیکن جو آدمی آذر کے پاس آیا تھا وہ اُسے ایسا راستہ بتا گیا تھا جو اُسے فوج کی نظر سے بچا سکتا تھا۔ وہ ایک کٹی ہوئی چٹان کے اندر چلا گیا۔ منصورہ رُکی۔ ذرا دیر بعد وہ بھی چٹان کے کٹاؤ میں داخل ہو گئی۔

آگے دلدلی تھی جس میں درخت بھی تھے۔ آذر کسی درخت کے پیچھے رُک جاتا، اِدھر اُدھر دیکھتا اور چل پڑتا۔ منصورہ کے بھی چلنے، رُکنے اور چھپنے کا انداز یہی تھا۔ کچھ دُور اونچی پہاڑی کا دامن آ گیا۔ آذر چلا جا رہا تھا اور منصورہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس پہاڑی کے دامنہ تنگ سا تھا۔ آذر اس میں داخل ہو گیا۔ منصورہ بھی اس میں داخل ہوئی تو پتھروں کے تیز و تند جھونکے نے اُس کے پاؤں اکھاڑ دیے اور اُس کا جسم سُن ہونے لگا۔ آذر نے کسی شک کی بنا پر پیچھے دیکھا اور رُک گیا۔ منصورہ بڑے سے ایک پتھر کے پیچھے بیٹھ گئی۔ آذر آگے کو چل پڑا۔ منصورہ اٹھی اور جس طرف پہاڑی کا سایہ تھا اُس طرف ہو گئی۔

درّے سے باہر نکلے تو کھلا میدان تھا۔ آذر تیز چل پڑا۔ منصورہ نے بھی رفتار تیز کر دی لیکن وہ موت تھی۔ بہت سا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ ٹھنڈ بھی تھی اور نیچے پتھر تھے۔ وہ تھک گئی۔ یہ تو اُس کا جذبہ تھا جو اُسے تعاقب میں چلائے جا رہا تھا۔ اب وہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ اس تعاقب کا انجام کیا ہوگا۔ اگر آذر دوڑ پڑا تو وہ اُس تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ جس شک پر اُس کے تعاقب میں گئی تھی وہ یقین میں بدل چکا تھا۔ آذر دشمن کی طرف جا رہا تھا۔ منصورہ نے تعاقب کا یہ پہلو تو سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اُسے پکڑے یا پکڑوائے گی کیسے۔ اب تو وہ بہت تیز چل پڑا تھا۔ اگر اُسے پکڑنا ہی تھا تو یہ دُو بدو مقابلہ تھا۔ منصورہ کے پاس خنجر تھا۔ اُس نے خنجر زنی کی تربیت دُور میں اپنے باپ سے لی تھی لیکن وہ صرف تربیت تھی۔ دشمن سے کبھی مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ یہ دشمن تنومند مرد تھا۔ کیا منصورہ اسے زیر کر کے پکڑ سکے گی؟

وہ سوچتی گئی اور تیز چلتی گئی۔ آذر اچانک رُک گیا اور اُس نے پیچھے دیکھا۔ منصورہ کے قریب ایک درخت تھا۔ وہ پھرتی سے درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔ درخت کے ساتھ جگہ ذرا بلند تھی اور وہاں پتھر تھے۔ منصورہ کا پاؤں پتھروں پر پھسلا اور وہ گر پڑی۔ رات کے سکوت میں پتھروں کی آواز بہت اونچی سنائی دی۔ آذر پیچھے کو آیا۔ منصورہ نے اُسے آتے دیکھ لیا۔ وہ اٹھی نہیں، درخت کے پیچھے بیٹھ گئی اور آذر کو دیکھتی رہی۔ اُس نے خنجر نکال لیا۔ آذر درخت کے بالکل قریب آ گیا تو منصورہ نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ آذر درخت سے ذرا آگے ہوا تو منصورہ نے اُس کے پاؤں پر جھپٹا مارا اور اُس کے دونوں ٹخنے پکڑ لیے۔ وہ اب پیٹ کے بل تھی۔ اُس نے پوری طاقت سے آذر کے ٹخنے اپنے پیچھے کو کھینچے۔ وہ منہ کے بل گرا۔ دوسرے لمحے منصورہ اُس کی پیٹھ پر گھٹنے رکھ چکی تھی اور اُس کے خنجر کی نوک آذر کی گردن پر تھی۔ یہ عمل دو تین سیکنڈ میں مکمل ہو گیا۔

ایک لڑکی ایک ہٹے کٹے جوان کو اپنے گھٹنوں اور جسم کے تمام تر وزن سے بے بس نہیں کر سکتی تھی لیکن گردن پر خنجر کی نوک نے آذر کو حرکت نہ کرنے دی۔ اُس کی تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرے جا پڑی تھی۔

"کون ہو تم؟" آذر نے پیٹ کے بل یوں پڑے ہوئے پوچھا۔

"جس کے ہاتھ سے تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔" منصورہ نے جواب دیا۔

"تم عورت ہو؟"

"ہاں!" منصورہ نے جواب دیا۔ "میں عورت ہوں جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرا نام منصورہ ہے۔"

"اوہ، پاگل لڑکی!" آذر نے ہنس کر کہا۔ "تم نے کیا مذاق کیا ہے؟ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ہٹو، اُترو، اپنا خنجر ہٹا لو، میری کھال میں اُتر رہا ہے۔"

"یہ مذاق نہیں آذر.... تم کہاں جا رہے ہو؟"

"خدا کی قسم میں کسی اور لڑکی کے پیچھے تو نہیں جا رہا۔" آذر نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "تم سے زیادہ اچھی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ میں تمہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا۔"

"مجھے نہیں تم میری قوم کو دھوکہ دینے جا رہے تھے۔" منصورہ نے کہا۔ "تم مجھے سب سے زیادہ اچھی لڑکی سمجھتے تھے، اور میں نے تمہیں سب سے زیادہ اچھا مرد سمجھا تھا مگر اب نہیں۔ تمہارے لیے اچھی ہوں نہ تم میرے

لیے اچھے ہو۔ فرض نے تمہارے جذبات پر مہر ثبت کر دی ہے۔ تم اپنا فرض ادا کرتے چلے تھے، میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔ اگر تم میرے خاوند ہوتے، میرے جسم اور روح کے مالک اور میرے بچوں کے باپ ہوتے تو بھی میرا خنجر تمہاری گردن پر ہوتا۔"

"تم نے مجھے کیا سمجھ کر گرایا ہے؟" آذر نے پوچھا۔

"نام کا مسلمان اور صلیبیوں کا جاسوس۔" منصورہ نے کہا۔ "تم صلیبیوں کے دوستوں کو بتانے جا رہے ہو کہ احتیاط سے حملہ کرنا اور قرون کے اندر نہ آنا۔"

"تم گنوار لڑکی کیا جانو جاسوس کسے کہتے ہیں۔" آذر نے کہا۔ "میں دشمن کو دیکھنے جا رہا تھا۔"

"میں جانتی ہوں جاسوس کیسے ہوتے ہیں۔" منصورہ نے کہا۔ "میں بہت بڑے جاسوس کی بیٹی ہوں۔ ابن المخدوم گنبوری کا نام کبھی سنا ہے؟ وہ موصل کے خطیب تھے۔ میں اُن کے گروہ کی جاسوس ہوں۔ میں نے اپنے باپ کو موصل کے قید خانے کے تہہ خانے سے نکلوا کر فرار کرایا اور خود اُن کے ساتھ موصل سے فرار ہو کر آئی ہوں۔ تم اناڑی جاسوس ہو۔ تجربہ کار جاسوس دُور جا کر باتیں کیا کرتے ہیں۔ کسی کے ٹیلے کے پاس کھڑے ہو کر راز کی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تم رضاکار بن کر آئے تھے۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میرے اُوپر سے اٹھو۔" آذر نے کہا۔ "خنجر ہٹاؤ، میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری زبان آزاد ہے۔" منصورہ نے کہا۔ "کہو، ضروری بات کہو۔ میں سُن رہی ہوں۔"

آذر خاموش ہو گیا۔ اُس کا جسم بے حس ہو گیا۔ اُس نے ممتاز بن سے لگا دیا۔ منصورہ کے ساتھ اب یہ مسئلہ آ گیا کہ اسے باندھے کیسے اور وہاں سے کس طرح لے جائے۔ اگر اُسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ اسے زندہ سلطان ایوبی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔ چونکہ وہ خود جاسوسوں کے گروہ کے ساتھ رہ چکی تھی، اس لیے جانتی تھی کہ جاسوسوں کو زندہ پکڑا جاتا ہے۔ اُسے یہ خیال آیا کہ ارد گرد کہیں اپنے سپاہی ہوں گے۔ اُس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔ "کوئی ہے تو پہنچو۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔" پھر اُس نے "آہو۔ ہا آہو" کی آوازیں بلند کیں۔

آذر بے حس ہو گیا تھا اچانک اتنی زور سے اُچھلا کہ منصورہ جو اُس کی پیٹھ پر گھٹنے ٹیکے بیٹھی ہوئی تھی، لڑھک کر ایک طرف جا پڑی۔ آذر تلوار کی طرف لپکا۔ منصورہ نے بجلی کی تیزی سے اُٹھ کر آذر کو پیچھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ آگے کو گرا۔ منصورہ نے تلوار اٹھا لی۔ آذر دوڑ پڑا۔ اُس کے لیے مقابلہ کرنے کی بجائے نکل بھاگنا زیادہ ضروری تھا۔ منصورہ چیختی اُس کے پیچھے دوڑی۔ اُس کے پاؤں میں بلا کی تیزی آ گئی تھی۔ دُور کہیں گشتی سنتری گشت کر رہے تھے۔ انہیں منصورہ کا واویلا سنائی دیا تو دوڑے آئے۔ آگے ندی تھی۔ آذر کو رُکنا پڑا۔ منصورہ پہنچ گئی اور وہ سنتری بھی پہنچ گئے۔ آذر نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ منصورہ چلائی۔ "جانے نہ دینا جاسوس ہے۔ زندہ پکڑو۔"

سنتری بھی ندی میں کُود گئے اور آذر پکڑا گیا۔ اُسے باہر لائے لیکن ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ یہ کوئی اور گڑبڑ ہے۔ اُن کے پوچھنے پر منصورہ نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہے اور محاذ پر کس طرح پہنچی ہے اور یہ آدمی رضاکار بن کر آیا ہے لیکن مشتبہ ہے۔ اُسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس لے چلو۔

"سنو میرے دوستو!" آذر نے سنتریوں سے کہا۔ "تمہیں یہاں کیا ملنا ہے؟ چند سکوں اور دو وقت کی روٹی کی خاطر مرنے آئے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ شہزادے بنا دوں گا۔ اس جیسی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرا دوں گا۔ دولت سے مالا مال کر دوں گا۔"

"ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں گے۔" ایک سنتری نے کہا۔ "پہلے تم ہمارے ساتھ چلو۔ تم بھی چلو لڑکی۔ وہاں جا کر دیکھیں گے کہ یہ جاسوس ہے یا تم بھی جاسوس ہو یا دونوں اِدھر عیاشی کے لیے آئے تھے۔"

☆

سلطان ایوبی کے خیمے سے تھوڑی ہی دُور حسن بن عبداللہ کا خیمہ تھا۔ سنتری، آذر اور منصورہ کو اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر انہیں حسن بن عبداللہ کے پاس لے گیا۔ اُسے جگایا اور آذر کو اُس کے حوالے کر دیا۔ منصورہ نے حسن بن عبداللہ کو تمام تر واردات سنائی۔ نقاب کی تفصیل بھی سنائی۔ حسن بن عبداللہ نے منصورہ کو غور سے دیکھ کر پوچھا۔ "تمہارا چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں۔ تم شاید موصل سے فرار ہو کر آئی تھیں۔ تمہارے ساتھ موصل کے خطیب ابن المخدوم بھی تھے؟"

"میں اُن کی بیٹی ہوں۔" منصورہ نے کہا۔

"تم نے میری حیرت ختم کر دی ہے۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "ہماری لڑکیاں تم سے زیادہ دلیر ہو سکتی ہیں، لیکن یہ ذہانت کم ہی پائی جاتی ہے جس کا مظاہرہ تم نے کیا ہے۔"

"مجھے محترم والد نے تربیت دی ہے۔" منصورہ نے کہا۔ "میرے کانوں میں صرف دو جملے پڑے اور میں سمجھ گئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔"

آذر کی جامہ تلاشی لی گئی۔ اُس سے کاغذ برآمد ہوئے۔ ان پر نشان لگے ہوئے تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی پوزیشنیں ظاہر کرتے تھے۔ کاغذوں پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں تھیں۔ یہ قرون حماۃ کا خاکہ تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ سلطان ایوبی کا مکمل دفاعی پلان دشمن کے پاس جا رہا تھا۔

"آذر بھائی!" حسن بن عبداللہ نے آذر کو کاغذات دکھاتے ہوئے کہا۔ "ان کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ گئی ہے تو بتا دو، پھر میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ اگر بے گناہ ہو تو بولو۔ مجھے یقین دلاؤ۔۔۔۔ تم مسلمان ہو؟"

"خدائے ذوالجلال کی قسم!"

حسن بن عبداللہ نے اُس کے منہ پر سیدھا گھونسا اس قدر زور سے مارا کہ آذر کئی قدم پیچھے پیٹھ کے بل گرا۔ حسن نے دھیمی مگر تہرآلود آواز میں کہا۔ "جاسوسی کافروں کی کرتے ہو اور قسم ہمارے خدا کی کھاتے ہو۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ تم جاسوس ہو یا نہیں۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہاں تمہارے جتنے ساتھی ہیں اُن کے نام بتا دو اور بتاؤ کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔"

"میں مسلمان ہوں۔" آذر نے التجا کی۔ "سب کچھ بتا دوں گا۔ مجھے بخش دو۔ میں اگلی صف میں لڑوں گا۔"

"پہلے میرے سوال کا جواب دو۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "اب تم مجھ پر اپنی کوئی شرط نہیں ٹھونس سکتے۔"

وہ ہٹے کٹا پکا معلوم ہوتا تھا۔ بولا "میں اکیلا ہوں۔"

"اِس لڑکی نے تمہارے خیمے میں جس دوسرے آدمی کی باتیں سنی تھیں وہ کون تھا؟"

"میں نے اُسے پہچانا نہیں تھا۔" آذر نے جواب دیا۔ "وہ اندھیرے میں آیا اور اندھیرے میں چلا گیا تھا۔"

حسن بن عبداللہ نے اپنے دو آدمیوں کو بلایا اور کہا۔ "اسے لے جاؤ اور پوچھو کہ اس کے ساتھی کون ہیں اور کہاں ہیں۔" اُس نے منصورہ سے کہا۔ "تم جاکر سو جاؤ۔ فجر کی نماز کے بعد تمہیں بلائیں گے۔"

☆

سلطان ایوبی جب فجر کی نماز پڑھ کر آیا تو حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ خلیب ابن المخدوم کی بیٹی نے رات ایک جاسوس پکڑا ہے۔ اُس نے سارا واقعہ سنایا تو سلطان ایوبی نے کہا۔ "اسلام کی بیٹیوں کا یہی کردار تھا۔ اگر ہم نے اپنے کلمہ گو دشمنوں کو خون سے لکھا ہوا سبق نہ پڑھایا تو وہ قوم کی بیٹیوں کا کردار ختم کر دیں گے..... وہ جاسوس کہاں ہے؟"

"ابھی آپ اُسے نہ دیکھیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "میں اُس کا سینہ خالی کر لوں تو اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔ خوبرو جوان ہے۔ اپنے آپ کو دمشق کا باشندہ کہتا ہے۔ یہاں رضاکار بن کے آیا تھا۔"

اُس وقت آذر ایک درخت کے تنے کے ساتھ اُلٹا لٹکا ہوا تھا۔ اُس کا سر زمین سے گز ڈیڑھ گز اوپر تھا۔ نیچے انگارے دہک رہے تھے۔ ایک سپاہی تھوڑی تھوڑی دیر بعد آگ میں کچھ پھینکتا تھا جس کے دھوئیں سے آذر تڑپتا اور کھانستا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے اُسے نیچے اتروایا۔ اُس کی آنکھیں سُوج گئی تھیں۔ سارا خون چہرے پر آگیا تھا۔ وہ کھڑا نہ رہ سکا۔ تھوڑی دیر غشی کی حالت میں زمین پر پڑا رہا۔ اُس کے منہ میں پانی ٹپکایا گیا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "یہ بسم اللہ ہے۔ نہیں بولو گے تو تمہارا ایک ایک جوڑ الگ کیا جائے گا۔"

اُس نے پانی مانگا۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "دودھ پلاؤں گا۔ میرے سوال کا جواب دو۔" اور اُس نے ایک سپاہی سے کہا۔ "دودھ لے آؤ، اور ایک گھوڑا اور ایک رسّہ بھی لے آؤ۔ رسّہ اس کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دو۔"

آذر نے دو نام بتا دیئے۔ یہ دو نو رضاکار تھے۔ اِن میں رات والا آدمی بھی تھا۔ اُس نے دمشق کے اڈے کی بھی نشان دہی کر دی۔ حسن بن عبداللہ نے اُسی وقت دو نو رضاکاروں کو پکڑنے کا حکم دے دیا اور آذر کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"دمشق کا۔"

"کس کے بیٹے ہو؟"

آذر نے ایک جاگیردار کا نام بتایا۔

"میں شاید اُسے جانتا ہوں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہ دمشق میں ہے؟"

"جب الملک الصالح کی فوج دمشق سے بھاگی تھی تو وہ بھی حلب چلا گیا تھا۔"

"اور تمہیں جاسوسی کے لیے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"میں خود ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔" آذر نے کہا۔ "میرے باپ نے ایک آدمی کے ہاتھ حلب سے پیغام بھیجا تھا کہ میں جاسوسی کروں۔ مجھے پوری ہدایات ملی تھیں۔" اُس نے ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی سے التجا کی۔ "میں مسلمان ہوں، مجھے باپ نے گمراہ کیا تھا۔ مجھے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ میں اس گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔"

"اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں اللہ کے قانون میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا مسلمان مرد ہے جس کے ہاتھ سے ایک عورت نے تلوار گرائی اور اسے پکڑ لیا ہے..... تم نے یہاں کیا کیا دیکھا ہے؟"

"میں نے یہاں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔" آذر نے کہا۔ "باقی معلومات میرے ان دو ساتھیوں نے دی تھیں جو یہاں پہلے سے موجود تھے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ یہ دیکھوں کہ منجنیقیں اور تیر انداز کہاں ہیں۔ میں نے یہ دیکھ لیے تھے۔"

"تم سے پہلے تمہارا کوئی ساتھی یہ معلومات لے کر یہاں سے گیا ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"نہیں۔" آذر نے جواب دیا۔ "ہم تینوں کے سوا یہاں اور کوئی نہیں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم کتنے خوبرو اور وجیہہ جوان ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "اور کیا تم جانتے ہو کہ ایک لڑکی نے تمہیں کس طرح گرایا تھا؟"

"اگر وہ پیچھے سے میرے دونوں ٹخنے نہ پکڑ لیتی تو میں نہ گرتا۔"

"تم پھر بھی گر پڑتے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "جن کا ایمان فروخت ہو چکا ہوتا ہے وہ بڑی آسانی سے گرا کرتے ہیں اور وہ تمہاری طرح منہ کے بل گرا کرتے ہیں۔ تم حق والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہوتے تو دس کافر مل کر بھی تمہیں نہ گرا سکتے۔ اصل قوت بازو اور تلوار کی نہیں ایمان کی ہوتی ہے۔"

"مجھے ایک موقع دیں۔" آذر نے کہا۔

"اس کا فیصلہ دمشق کا قاضی کرے گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ یہ باتیں اس لیے کر رہا ہوں کہ تم مسلمان کے بیٹے ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہونا چاہیے تھا مگر تم اُدھر چلے گئے۔ میں جانتا ہوں دمشق کی دو چار لڑکیاں تمہاری محبت کا دم بھرتی ہوں گی۔ چہرے اور جسم کے لحاظ سے تم اس قابل ہو کہ لڑکیاں تمہیں پسند کریں لیکن اب وہ لڑکیاں تمہارے منہ پر تھوکیں گی۔ خدا نے بھی تم سے نظریں پھیر لی ہیں..... میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ دمشق کے محترم قاضی تمہیں کیا سزا دیں گے۔ اگر وہ سزائے موت دیں تو جتنی دیر زندہ رہو اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہنا۔ کم از کم مرنے سے پہلے مسلمان ہو جانا۔"

"میرے باپ کو کون سزا دے گا؟" آذر نے غصّے سے کہا۔ "اس گناہ کی ترغیب مجھے باپ نے دی تھی۔

اُسی نے میرے دل میں دولت کا لالچ ڈالا تھا۔ اُسی نے میرے دل سے ایمان نکالا تھا۔"

"اللہ کا قانون اُسے نہیں بخشے گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "دولت کا نشہ عارضی ہوتا ہے۔ ایمان کی توت مرکر بھی ختم نہیں ہوتی۔"

"میری ایک عرض سُن لیں۔" آذر نے کہا۔ "میرا باپ کوئی دولت مند انسان نہیں تھا۔ دولت کا پرستار تھا۔ میری دو بہنیں جوان ہوئیں تو اُس نے دونوں کو دو امراء کے حوالے کر دیا اور دربار میں جگہ حاصل کر لی۔ اُس نے اپنی بیٹیوں کی بہت زیادہ قیمت وصول کی۔ پھر وہ مخبری اور غیبت کرنے لگا۔ مجھے بھی اس نے اسی کام پر لگا لیا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کر دیا۔ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد میرے باپ نے اور زیادہ اونچی حیثیت حاصل کر لی۔ وہ اب تجربہ کار سازشی اور جوڑ توڑ کا ماہر ہو گیا تھا۔ اس وقت تک وہ خاصی جاگیر حاصل کر چکا تھا۔ آپ کی نوج آئی تو الملک الصالح اور اُس کے درباری اُمراء اور جاگیردار دمشق سے بھاگ گئے۔ ان میں میرا باپ بھی تھا۔ میں کسی ارادے کے بغیر ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد حلب سے ایک آدمی آیا۔ وہ میرے باپ کا یہ پیغام لایا کہ میں جاسوسی کا کام شروع کر دوں۔ وہ آدمی مجھے دمشق میں ہی اُس اڈے پر لے گیا جس کی میں نے نشاندہی کی ہے۔ وہاں مجھے بہت سی رقم دی گئی اور دو تین دنوں میں بتا دیا گیا کہ مجھے کیا کرنا اور کس طرح کرنا ہے۔ میں اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ خوب عیش و عشرت کی۔ ایک روز ہمارے سرغنہ نے ہمیں کہا کہ محاذ پر رہنا کار ہے ہیں، تین چار آدمی ان میں شامل ہو جاؤ۔ ہم تین آدمی شامل ہو گئے۔ وہ پہلے ہی یہاں آ گئے تھے۔ پھر مجھے حکم ملا کہ میں بھی یہاں آؤں اور آپ کی فوج کی ساری کیفیت دیکھ کر تمام معلومات مشترکہ کمان تک پہنچاؤں۔ میں آ گیا۔ میرے ساتھی یہاں کا نقشہ تیار کر چکے تھے۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ آپ اپنے دشمن کی فوج کو اس جگہ لا کر لڑنا چاہتے ہیں جو چٹانوں میں گھری ہوئی ہے۔ میں نے چٹانوں پر چھپے ہوئے آپ کے تیر انداز اور منجنیقیں بھی دیکھ لی تھیں۔"

اُس کے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے کہا۔ "میں پکڑا گیا ہوں تو افسوس کیا ہے کہ میں گناہ کر رہا تھا۔ آپ کی باتوں نے میرے اندر ایمان کی حرارت بیدار کر دی ہے۔ اگر میرا باپ اپنی بیٹیوں کو بیچ کر دولت مند نہ بنتا تو میرا ایمان قائم رہتا۔ یہ گناہ میرے باپ کا ہے۔ سلطان! آپ کا اقبال بلند ہو۔ مجھے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا موقع دو۔"

سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو اشارہ کیا تو آذر کو خیمے سے باہر لے گئے۔

☆

اُسی روز آذر کو دمشق کو روانہ کر دیا گیا۔ اُس کے ساتھ دو محافظ تھے۔ تینوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ آذر کے ہاتھ رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے وہ آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ رات کے لیے رُکنا تھا۔ راستے میں دونوں محافظ اُس سے سنتے رہے تھے کہ اُس کا جُرم کیا ہے۔ آذر نے اُن کے ساتھ جذباتی سی باتیں کر کے انہیں متاثر کر لیا تھا۔ شام کے وقت آذر نے انہیں کہا کہ تھوڑی سی دیر کے لیے وہ اُس کے ہاتھ کھول دیں۔ محافظوں نے اس خیال سے اُس کے ہاتھ کھول دیے کہ یہ نہتّہ ہے۔ بھاگ کر کہاں جائے گا۔

انہوں نے دوسری احتیاط یہ کی کہ اُسے گھوڑے سے اُتار لیا۔ وہ پیدل تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ بیٹھ گئے اور اُن کے پاس کھانے کے لیے جو کچھ تھا کھانے لگے۔

آذر نے موقع دیکھ لیا اور اچانک اُٹھ کر بہت ہی تیزی سے دوڑا۔ گھوڑے قریب ہی کھڑے تھے۔ آذر ایک ثانیے میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ محافظ پہنچ تو گئے لیکن آذر نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر رُخ اُن کی طرف کر دیا۔ وہ دونوں اِدھر اُدھر ہو گئے اور اپنے گھوڑوں تک بروقت نہ پہنچ سکے۔ جتنی دیر میں وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے آتنی دیر میں آذر بہت سا فاصلہ حاصل کر چکا تھا۔ محافظوں نے گھوڑے بھگائے لیکن اب تعاقب بے سود تھا۔ شام گہری ہونے لگی تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کہیں کہیں ٹیلے اور چٹانیں بھی تھیں۔ محافظ دُور تک گئے مگر آذر غائب ہو چکا تھا۔

دوسرے دن دونوں محافظ سر جھکائے ہوئے، شکست خوردہ اور بُری طرح تھکے ہوئے حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچے۔ ایک نے کہا۔ "ہمیں گرفتار کریں۔ قیدی بھاگ گیا ہے۔" انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ قیدی کے کہنے پر انہوں نے اُس کے ہاتھ کھول دیے تھے۔ حسن بن عبداللہ نے انہیں حراست میں لے لیا لیکن گھبراہٹ سے اُس کا پسینہ نکل آیا کیونکہ آذر معمولی قسم کا قیدی نہیں تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا سارا پلان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ فتح و شکست کا دارومدار اس پلان پر تھا۔ حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی کو بتانے سے ڈر رہا تھا کہ پکڑا ہوا جاسوس ہاتھ سے نکل گیا ہے اور اپنے سارے منصوبے بیکار ہو گئے ہیں۔ چھپانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو جب حسن بن عبداللہ نے بتایا کہ قیدی بھاگ گیا ہے تو سلطان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کتنی ہی دیر اُس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔ اُٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا۔ اُس دَور کا ایک وقائع نگار اسد الاسدی لکھتا ہے۔ "صلاح الدین ایوبی انتہائی خطرناک صورت حال میں بھی نہیں گھبراتا تھا لیکن اس جاسوس کے بھاگ جانے کی خبر سُن کر اُس کے چہرے سے خون غائب اور آنکھیں بے نور ہو گئیں .... خیمے میں ٹہلتے ٹہلتے وہ رُک گیا، اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ 'خدائے ذوالجلال! کیا یہ اشارہ ہے کہ میں یہاں سے واپس چلا جاؤں؟ کیا تیری ذات باری نے میرے گناہ بخشے نہیں؟ میں نے کبھی متبادل نہیں ڈالے تھے۔ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا، پھر اُس کی آواز رندھیا گئی۔ اُسے شاید غیب کا کوئی اشارہ مل جایا کرتا تھا جو اس موقعے پر بھی ملا۔ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا۔ اُن دونوں سپاہیوں کو زیادہ سزا نہ دینا۔ سزا سے بچنے کے لیے وہ مفرور ہو سکتے تھے لیکن وہ تمہارے پاس آ گئے۔ انہیں غلطی کی سزا ضرور دینا، نیک نیتی اور سچ بولنے کا صلہ بھی ضرور دینا .... سالاروں کو بلاؤ، اُس کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔"

تین سالار آ گئے۔ سلطان ایوبی نے اُن سے کہا۔ "وہ جاسوس بھاگ گیا ہے جس کے پاس دفاعی منصوبہ تھا۔ اُس نے جو نقشے بنائے تھے وہ ہمارے پاس رہ گئے ہیں۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھ لیا تھا اور اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم دشمن کو کہاں لا کر لڑانا چاہتے ہیں۔ بھاگنے والے کے دو ساتھی ابھی ہمارے پاس ہیں۔ حسن بن عبداللہ انہیں ابھی یہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اب ہمارے لیے صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ہم نے دشمن

کے لیے جو پھندا تیار کیا تھا وہ بیکار ہو گیا ہے۔ وہ اب قرون کے اندر نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں محاصرے میں لے لے اور ہماری رسد کا راستہ روک لے۔ بے مشورہ دو کہ ہم اپنا منصوبہ بدل دیں یا اسی پر قائم رہیں۔"

تینوں سالاروں نے اپنے اپنے مشورے دیئے جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ صرف اس بات پر تینوں متفق تھے کہ پلان بدل دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ پلان بدلنے کے لیے وقت چاہیئے۔ فلو یہ ہے کہ اس دوران دشمن نے حملہ کر دیا تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ کھلی جنگ لڑنے کے لیے فوج کم تھی۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ پلان میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ اس کی بجائے چھاپہ ماروں کو حکم دیا گیا کہ وہ وسیع پیمانے پر شبخون ماریں اور وہ دشمن کی مشرقی کمان کے مرکز اور تینوں فوجوں کے مرکزوں پر زیادہ شبخون ماریں۔ رسد کے راستے کو زیادہ محفوظ کر لیا جائے۔ اس نے چھاپہ ماروں کے سالار سے کہا کہ وہ اپنے اس دستے کو لے آئے جسے نکلے توڑنے کا کام سونپا گیا ہے۔

سالاروں نے احکام لے کر چلے گئے۔ سلطان ایوبی نے یہ احکام خود اعتمادی سے دیے تھے لیکن وہ بہت پریشان تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ بھاگنے والے جاسوس نے اس کا سارا پلان تباہ کر دیا ہے اور اب معلوم نہیں کیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد چھاپہ ماروں کا ایک جیش اس کے سامنے لایا گیا۔ صلیبیوں نے حلب والوں کو آتش گیر مادے کے جو مٹکے بھیجے تھے وہ میدانِ جنگ میں لائے گئے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے یہ ذخیرہ دیکھ لیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جب دشمن حملہ کرے تو یہ ذخیرہ تباہ کر دیا جائے۔ اس کے لیے بارہ جانباز اور جنونی قسم کے چھاپہ مار منتخب کیے گئے اور انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لایا گیا۔ اس نے دیکھا اور ایک چھاپہ مار کو دیکھ کر مسکرایا۔ بولا۔ "انطانون! تم اس جیش میں آ گئے ہو؟"

"مجھے اسی جیش میں آنا چاہیئے تھا۔" انطانون نے کہا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔"

"میرے عزیز دوست!" سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے کہا۔ "تم نے کہاں کہاں قربانیاں نہیں دیں لیکن اب مذہب اور ملت کی آبرو تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے۔ تم جنگ کا پانسہ پلٹ سکتے ہو۔ تمہیں بہت بتا دیا گیا ہے۔ اگر تم نے اسے تباہ کر دیا تو آنے والی نسلیں بھی تمہیں یاد رکھیں گی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی فوج تھوڑی ہے اور دشمن کے تین لشکر ہیں۔ ان سے اپنی قوم کو تم بچا سکتے ہو؟"

"ہم مذہب اور ملت کو مایوس نہیں کریں گے۔" چھاپہ ماروں کے کمانڈر نے کہا۔

انہیں چند اور ہدایات دے کر رخصت کر دیا گیا۔

☆

صبح ایک سوار بہت گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی ابھی اپنے خیمے میں تھا۔ سوار نے اطلاع دی کہ دشمن آ رہا ہے۔ فاصلہ لیگ میں نے گیا تھا۔ رُخ قرون کی طرف تھا۔ اتنے میں ایک اور سوار آ گیا۔ اس نے اطلاع دی

کہ دائیں طرف سے بھی دشمن کی فوج آ رہی ہے۔ اس فوج کے رُخ سے سلطان ایوبی نے اندازہ کیا کہ [illegible] رہی ہے۔ اس پہلو کے متعلق سلطان ایوبی کو پریشانی تھی۔ وہ اب اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس کے اعصاب پر آذربائیجان کا سوار تھا جو نہایت قیمتی راز لے کر چلا گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ یہ جاسوس گزشتہ رات پہنچا ہوگا اور اس کی معلومات پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی نے تیاری کا حکم دے دیا۔ اس کے قاصد اِدھر اُدھر دوڑ پڑے۔ قرون کے درمیان خیمے گڑے رہے۔ سپاہی خیموں میں سے ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہے تاکہ دشمن یہ سمجھے کہ وہ نیاز نہیں چٹانوں پر تیر انداز تیار ہو گئے۔

دشمن کی رفتار تیز تھی۔ اس کے ہراول نے دیکھا کہ خیمے ابھی تک کھڑے ہیں تو ہراول نے اس خیال سے کہ انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو بے خبری میں آ لیا ہے پیچھے خبر بھیج دی کہ رفتار تیز کر دو۔ سلطان ایوبی ایک بلند چٹان پر چلا گیا جہاں سے سارا منظر اور دائیں طرف کا میدان بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہو گیا کہ گشتیں کی فوج سیدھی قرون کی طرف آ رہی ہے۔ سلطان ایوبی کے سپاہیوں نے ہدایات کے مطابق اپنے گھوڑوں پر زینیں اُس وقت ڈالیں جب دشمن بالکل قریب آ گیا تھا۔ پیادوں نے آگے بڑھ کر چند ایک تیر چلائے۔ اُدھر سے للکار سنائی دینے لگی — "کچل دو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ صلاح الدین ایوبی کو زندہ پکڑو۔ سرٹوٹ جائے۔"

سلطان ایوبی کے سوار آگے بڑھے مگر پیچھے کو آ گئے۔ پیادوں اور تیراندازوں نے حملے کی فوج کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے پیچھے ہٹنے آئے، حتیٰ کہ تمام حملہ آور دستے قرون کے اندر اسی پھندے میں آ گئے جس میں سلطان ایوبی انہیں لانا چاہتا تھا۔ چٹانوں میں گھرا ہوا یہ میدان ڈیڑھ میل کے لگ بھگ وسیع اور گولائی میں تھا۔ جونہی دشمن اندر آیا دونوں طرف کی چٹانوں سے اس پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دشمن کے گھوڑے تیر کھا کر بدکتے، منہ زور ہوتے اور اپنے ہی پیادوں کو کچلتے پھرتے تھے۔ دشمن کے کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ میدان میں تو فوج تھی وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آگے چٹانوں میں ایک کٹاؤ ہے جو ایک وادی میں چلا جاتا ہے۔ دشمن کی فوج اس میں لاپتہ ہوتی جا رہی ہے۔ میدان میں خیمے کھڑے تھے جن کی رسیاں رکاوٹ پیدا کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فلیتوں والے آتشیں تیر آنے لگے جو خیموں پر چلائے جا رہے تھے۔ انہوں نے خیموں کو آگ لگا دی اور میدانِ جنگ سے شعلے اُٹھنے لگے۔ دشمن کے کمانڈروں کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو گئی۔ اُن کی جمعیت بکھر گئی تھی۔ دستے گڈمڈ ہو گئے تھے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کا، خیموں کی چیخ و پکار کا اور کمانڈروں کے واویلے اور للکار کا اتنا زیادہ شور تھا کہ آوازوں کو الگ کر کے سمجھنا ناممکن تھا۔ کم و بیش دو گھنٹے دشمن کے سپاہی افراتفری کی کیفیت میں اور ان کے کمانڈر انہیں سنبھالنے کی کوشش میں سلطان ایوبی کے تیراندازوں سے زخمی اور ہلاک ہوتے رہے۔ وہ بھی آخر مسلمان سپاہی تھے۔ عسکری جذبہ انہیں پسپا نہیں ہونے دے رہا تھا۔ ان میں سے کئی ایک اُن چٹانوں پر چڑھنے لگے جہاں سے تیر آ رہے تھے۔ یہ اُن کی دلیری کا مظاہرہ تھا لیکن اوپر سے آتے ہوئے تیر انہیں پتھروں کی طرح لڑھکا رہے تھے۔

بہت ہی مشکل سے دشمن کے دستوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا گیا۔ انہیں پیچھے ہی ہٹنا تھا۔ [illegible]

انہیں پتہ چلا کہ عقب میں سلطان ایوبی کی فوج کھڑی ہے۔ اعلان ہونے لگے: "ہتھیار ڈال دو۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ ہم تمہیں ہلاک نہیں کریں گے۔" ان اعلانات کے ساتھ ساتھ گھوڑے بڑھتے اور پھیلتے آرہے تھے۔ گشتگین کے گھیرے ہوئے سپاہیوں میں اب لڑنے کا دم خم نہیں رہا تھا۔ اُن میں سے آدھے مارے گئے یا زخمی ہوگئے تھے، جو زندہ تھے اُن پر دہشت طاری ہوگئی تھی۔ وہ کچھ اور توقع لے کر آئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ بڑی سہل فتح ہوگی مگر اُن کے لیے میدانِ جنگ جہنم بن گیا۔ انہوں نے ہتھیار پھینکنے شروع کر دیئے۔

☆

سلطان ایوبی کی یہ چال تو کامیاب رہی لیکن دوسری طرف دشمن نے اُس کے لیے مشکل پیدا کر دی۔ یہ دائیں پہلو کا وہی میدان تھا جس کے متعلق اُسے شروع سے ہی فکر تھا۔ اُس طرف سے صحرائی آندھی کی طرح دشمن کی فوج آرہی تھی۔ اُس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کے محض سے دو دستے تھے۔ حملہ آوروں کے جھنڈے نظر آنے لگے۔ یہ حلب کی فوج تھی۔ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کر کے اِس فوج کے جوہر دیکھے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ فوج گشتگین اور سیف الدین کی فوج سے مختلف ہے۔ فنی مہارت اور شجاعت کے لحاظ سے یہ فوج یقیناً برتر تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے آپ کو کبھی خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ وہ فوراً جان گیا کہ اُس کے یہ دستے اِس فوج کو نہیں روک سکیں گے۔ وہ اپنے ریزرو کو ابھی استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے دماغ کو حاضر رکھا۔ اپنے پاس کھڑے سالاروں کو اُس نے کوئی ہدایات دے کر بھیج دیا۔

اُس نے ریزرو ٹروپس کے علاوہ منتخب سواروں کا ایک دستہ اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اُس طرف والی چٹان پر جو تیر انداز تھے اُن کے کمانڈر کو حکم بھیجا کہ قرون سے ہٹ کر منہ پیچھے کر لیں اور اسی پوزیشن سے نئے حملہ آوروں کو نشانہ بنائیں۔ اُس نے اپنے منتخب سواروں کے کمانڈر کو حکم دیا کہ دستہ میدان میں لاؤ، میں خود کمان کروں گا۔ نہایت تھوڑے وقت میں وہ چٹان سے اُترا۔ اُس کا دستہ تیار تھا۔ وہ بھی میدان میں آگیا۔ سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں اپنا جھنڈا نہیں لہرایا کرتا تھا تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے کہ وہ کہاں ہے لیکن اِس موقع پر اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "میرا جھنڈا اونچا رکھو"۔ قاضی بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے: "اس معرکے میں اپنا جھنڈا چڑھا کر صلاح الدین ایوبی اپنے دستوں کو بتانا چاہتا تھا کہ اُن کی کمان اور قیادت سلطان خود کر رہا ہے اور وہ حلب کے حملہ آوروں کو بھی بتانا چاہتا تھا کہ اُن کا مقابلہ صلاح الدین کے ساتھ ہے۔"

سلطان ایوبی نے اشارے اور الفاظ مقرر کر رکھے تھے۔ اُس نے نہایت تیزی سے سواروں کو اس ترتیب میں کر لیا کہ دو گھوڑے آگے، چار پیچھے، اُن کے پیچھے آٹھ اور باقی تمام آٹھ آٹھ کی ترتیب میں رہے لیکن اُس نے ترتیب کہیں کھڑے ہو کر نہیں بنائی بلکہ تین چار صفوں میں دوڑتے گھوڑ سواروں کو اس ترتیب میں ہونے کا حکم دیا تھا۔ سامنے سے دشمن صف در صف پھیلا ہوا آرہا تھا۔ قریب جا کر سلطان ایوبی کے سوار اس ترتیب میں ہوگئے۔ تصادم اس طرح ہوا کہ یہ گھوڑ سوار ایک کیل کی طرح دشمن کے لشکر میں داخل

ہوگئے۔ سلطان ایوبی اس ترتیب کے درمیان میں تھا۔ دشمن کے گھوڑ سوار دائیں بائیں سے آگے نکل گئے۔ راستے میں جو آیا اُسے برچھیوں سے مجروح کرتے گئے۔

دشمن کے سواروں کے پیچھے پیادہ دستے تھے۔ سلطان ایوبی نے دو حد آگے جا کر سواروں کو پیچھے موڑا۔ اور فوراً صفوں کی ترتیب میں لا کر پوری رفتار سے پیادہ دستوں پر حملہ کیا۔ پیادوں نے مقابلہ تو بہت کیا لیکن گھوڑے اور سوار انہیں روندتے اور کاٹتے آگے نکل گئے۔ سلطان ایوبی کے پیادہ دستے سامنے تھے۔ انہوں نے دشمن کے سواروں کا مقابلہ کیا۔ عقب سے سلطان ایوبی نے ہلہ بول دیا۔ تربیتی چٹانوں سے تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن حلب کی فوج کا حوصلہ نہ ٹوٹا۔ سلطان ایوبی نے اپنی کمان نہ بکھرنے دی۔ معرکہ بڑا ہی خوں ریز تھا اور بڑا ہی شدید۔ تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگر سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان خود نہ لیتا تو اُس کا سارا پلان اِس پہلو سے تباہ ہو جاتا۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے مؤرخین سے کچھ اختلاف کیا ہے۔ اُس کی یادداشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حملہ آور فوج حلب کی نہیں موصل کی تھی اور اس کی کمان سالار مظفرالدین بن زین الدین کر رہا تھا، اور یہ کمان اتنی دانشمندانہ تھی کہ مظفرالدین نے سلطان ایوبی کے اس پہلو کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ قیادت کی دانشمندی کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مظفرالدین سلطان ایوبی کے ساتھ سالار رہ چکا تھا اور اُس نے یہ فن سلطان ایوبی سے ہی سیکھا تھا۔ فنی زیادہ ہونے کے علاوہ مظفرالدین کو یہ فائدہ بھی حاصل تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی چالوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

سلطان ایوبی نے قاصدوں کو اپنے ساتھ رکھا اور اُن کے ذریعے چھوٹے سے چھوٹے عہدیدار کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھا۔ اُس نے ایسی چال چلی کہ دشمن کو اُس چٹان کے قریب لے گیا جس پر تیر انداز تیار تھے۔ انہوں نے بہت کام کیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی نفری میں اتنی کمی محسوس کی کہ اُسے ابتدائی پلان بدلنا پڑا۔ اُس نے ریزرو ٹروپس کو بھی بلانے کا فیصلہ کر لیا لیکن عین اُس وقت ایک قاصد نے اُسے بتایا کہ ایک طرف سے اپنے چار پانچ سو سوار آرہے ہیں۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا کہ وہ کون سا دستہ ہے اور کیوں آیا ہے؟ وہ میدانِ جنگ میں ڈسپلن کا زیادہ پابند ہوا کرتا تھا، حالانکہ اُسے اِس میدان میں کمک کی شدید ضرورت تھی لیکن اُس کی اجازت اور ہدایت کے بغیر کسی کی حرکت اُسے پسند نہ آئی۔ اُس نے قاصد کو دوڑایا کہ خبر لائے کہ یہ سوار کون ہیں۔

قاصد جو خبر لایا اُس نے سلطان ایوبی کو سُن کر دیا۔ خبر یہ تھی کہ یہ چار سو لڑکیاں اور ایک سو رضاکار ہیں۔ اُن کی قیادت حجاج البودقاص کر رہا ہے اور وہ سالار شمس الدین کی اجازت سے آئے ہیں۔ سلطان ایوبی انہیں روک سکتا تھا لیکن جس انداز سے یہ پانچ سو گھوڑ سوار آئے اُس سے سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ کمان واقعی شمس الدین کر رہا ہے۔ یہ سوار دشمن کو چٹان کی طرف دھکیل رہے تھے۔ اس معرکے میں پیادے گھوڑوں تلے کچلے جا رہے تھے۔ دشمن کی پیش قدمی روک لی گئی تھی۔ وہ آگے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اُسے وہیں اُلجھا لیا گیا۔

مسلمان، مسلمان کے ہاتھوں کٹ رہا تھا۔ اللہ اکبر کے نعرے اللہ اکبر کے نعروں سے ٹکرا رہے تھے۔ زمین کانپ رہی تھی۔ آسمان خاموش تھا۔ صلیبی تماشہ دیکھ رہے تھے۔ تاریخ دم بخود تھی۔ لڑکیاں اپنے بھائیوں

اور باپوں کے دوش بدوش بھائیوں اور باپوں کے خلاف لڑ رہی تھیں۔ لہولہان ہو رہی تھیں۔ قوم کی عظمت گھوڑوں کے سُموں تلے روندی جا رہی تھی، اور خدا دیکھ رہا تھا۔

دن بھر کے معرکے کا یہ انجام ہُوا کہ دشمن کا حوصلہ ختم ہو گیا۔ اُس کے سپاہیوں نے ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ وہ نیم محاصرے میں آ گئے تھے۔ سامان نکل گئے۔ رات زخمیوں کے واویلے سے لرزتی رہی۔ دن بھر کی تھکی ہوئی لڑکیاں رات کو زخمیوں کو اٹھاتی رہیں۔ صبح ہوئی تو اس میدان کا منظر بھیانک اور ہولناک تھا۔ دُور دُور تک لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ گھوڑے مرے پڑے تھے۔ جنگی قیدیوں کو دُور پرے لے گئے تھے۔ ان لاشوں میں لڑکیوں کی جو لاشیں تھیں وہ اٹھالی گئی تھیں۔

"بادشاہی کا نشہ انسان کو اس سطح پر بھی لے آتا ہے جہاں ایک انسان اپنی قوم کو دو دھڑوں میں کاٹ کر انہیں آپس میں لڑا دیتا ہے۔" سلطان ایوبی نے میدانِ جنگ کا منظر دیکھ کر کہا۔ "اپنے بھائی اپنی بہنوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ اگر ہم نے بادشاہی کے رجحان کو ختم نہ کیا تو کفار اس قوم کو قوم کے سربراہوں کے ہاتھوں آپس میں لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔"

☆

قرونِ حماۃ اور اُس کے پہلو کا معرکہ ختم ہو گیا تھا، جنگ ابھی جاری تھی۔ معرکے کی رات بارہ چھاپہ مار حلب کی فوج کے اُس ذخیرے تک پہنچ چکے تھے جہاں آتش گیر مادے کے مشکے رکھے تھے۔ رات کے وقت مشکے کھول کر اس سے کپڑے بھگوئے جا رہے تھے جن کے گولے بنا کر منجنیقوں سے پھینکنے تھے۔ ہانڈیاں بھی بھر کر سر بمہر کی جا رہی تھیں۔ ابھی ایک فوج ریزرو میں تھی۔ اُسے اطلاع مل گئی تھی کہ دونوں فوجوں کے حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا یہ فوج آخری حملے کے لیے تیار ہو رہی تھی حملے کی کامیابی کے لیے آگ پھینکنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

سلطان ایوبی کے بارہ چھاپہ ماروں نے اپنا ہدف دیکھ لیا۔ ان میں سے چار پانچ کے پاس کمانیں تھیں اور نلیتے والے تیر بھی تھے۔ وہ گھوڑوں سے اُتر کر آگے چلے گئے۔ نلیتے جلا کر انہوں نے تیر چلا دیئے۔ یکلخت شعلے بلند ہوئے اور وہاں ہڑبونگ بپا ہو گئی۔

چھاپہ ماروں کو بتایا گیا تھا کہ مشکے بے شمار ہیں۔ وہاں بھگدڑ مچی تو چھاپہ ماروں نے ہاتھ دکھا دیا۔ شعلوں سے وہاں بہت روشنی ہو گئی تھی۔ چھاپہ ماروں کو محفوظ مشکے بھی نظر آ گئے۔ انہوں نے اپنی برچھیوں کے ساتھ مشعلوں کی طرح ہے کے ٹکڑے باندھ رکھے تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے انہوں نے مشکے توڑنے شروع کر دیئے۔ ان میں سے ایک نے آگ لگانے کا انتظام کر دیا۔ دشمن نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ یہ ایک خونریز معرکہ تھا۔ بارہ جانباز سینکڑوں کے نرغے میں لڑ رہے تھے۔ شعلے ہر طرف پھیل گئے تھے۔ سارے کیمپ پر دہشت طاری ہو گئی۔ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر بھاگنے لگے۔

جہاں سلطان ایوبی کی فوج تھی وہاں ایک چٹان پر کھڑے کسی آدمی نے چلا کر کہا۔ "آسمان ہل رہا ہے۔ خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے۔"

سلطان ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ایک چٹان پر جا چڑھا۔ اُسے دشمن کے کیمپ کی طرف آسمان لال سرخ ہوتا نظر آیا۔ اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "آفرین۔ آفرین۔ اللہ تمہیں صلہ دے۔"

موصل کی فوج فوری طور پر جوابی حملے کے قابل نہ رہی۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے تین رانیں گشتگین، سیف الدین اور الملک الصالح کے کیمپوں میں اتنی تباہی مچائی کہ اُن کے مرکز بھی ہل گئے۔ آخر انہوں نے کسی اور طرف سے حملے کا فیصلہ کر کے کُوچ کا حکم دیا۔ تب انہیں پتہ چلا کہ اُن کے عقب میں سلطان ایوبی کی فوج آ چکی ہے۔ یہاں سلطان ایوبی نے اپنی مخصوص چالوں سے دشمن کو بے حال کر دیا۔ وہ ہلتا بھی نہیں تھا چھوڑتا بھی نہیں تھا۔ یہ جنگ "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر لڑی جا رہی تھی۔ دشمن کی فوج بکھرتی جا رہی تھی اور اس کے سپاہی بکھر بکھر کر ہتھیار ڈالتے جا رہے تھے۔ یہی سلطان ایوبی کا مقصد تھا۔

۱۹ رمضان المبارک ۵۷۰ھ (۱۲ اپریل ۱۱۷۵ء) کی صبح سحری سے فارغ ہوتے ہی سلطان ایوبی نے اپنے پلان کی آخری کڑی پر عمل کیا جس کی ہدایات وہ ایک روز پہلے جاری کر چکا تھا۔ اُس نے کھلا حملہ کر دیا۔ کوئی قابلِ ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ سلطان ایوبی وہاں تک جا پہنچا جہاں گشتگین اور سیف الدین کی خیمہ گاہیں تھیں مگر وہ دونوں غائب تھے۔ وہ ایسی بزدلی سے بھاگے کہ اپنی ذاتی خیمہ گاہیں جن سے جنگل میں منگل بنا ہُوا تھا جُوں کی توں چھوڑ گئے۔ حرم کی لڑکیاں، ناچنے گانے والیاں اور اُن کے سازندے وہیں تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج گئی تو لڑکیاں خوف سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ انہیں پکڑ کر سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے اُن تمام کو رہا کر کے دمشق بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ دلچسپ خیمہ گاہ والی موصل سیف الدین کی تھی۔ وہاں لڑکیوں کے علاوہ خوشنما پنجرے بھی تھے جن میں رنگ برنگے پرندے بند تھے۔

اُس رات سلطان ایوبی کے سامنے ایک اور لڑکی لائی گئی جو دشمن کے اُس کیمپ میں لاشوں کو پہچانتی پھر رہی تھی جس پر سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شبخون مارا اور آتش گیر مادے کے مشکے تباہ کئے تھے۔ سلطان ایوبی نے اُسے پہچان لیا اور کہا۔ "تم میرے ایک جاسوس الناقون کے ساتھ حرن سے آئی تھیں۔"

"جی ہاں!" اُس نے کہا۔ "میرا نام فاطمہ ہے۔ میں لڑکیوں کی فوج کے ساتھ دمشق سے آئی ہوں۔" وہ زخمی بھی تھی۔ کہنے لگی۔ "مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ الناقون یہاں شبخون مارنے آیا تھا۔ اُس کی لاش ڈھونڈ رہی ہوں۔"

"نہ ڈھونڈو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"وہ یہی کہتا تھا کہ چھاپہ ماروں کی لاشیں نہیں ملا کرتیں۔" فاطمہ نے اداس لہجے میں کہا۔ "اُس نے مجھے کہا تھا کہ آؤ ایک دوسرے کو فرض پر قربان کر دیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اُس نے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ میرا فرض ابھی باقی ہے۔ میں گشتگین کو قتل کرنے آئی تھی۔"

اس لڑکی کی جذباتی حالت دیکھ کر کوئی بھی اپنے آنسو نہ روک سکا۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "دمشق سے جو لڑکیاں آئی ہیں ان سب کو واپس بھیج دو۔ انہوں نے دشمن کو شکست دینے میں میری بہت مدد کی ہے۔ اُس وقت میں ہی جانتا ہوں کہ مجھے مدد کی کتنی ضرورت تھی۔ یہ لڑکیاں جیسے غیب سے آئی تھیں، لیکن میں انہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

رکاوٹوں کے احتجاج اور غصّے کے باوجود انہیں دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان ایوبی اب کہیں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے دشمن کو جو شکستِ فاش دی تھی اس سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ تمام فوج کو حلب کی سمت کُوچ کے لیے تیار کیا جائے۔ اپنے سالاروں کو وہ اگلے پلان کے متعلق بتا رہا تھا۔ ایک گھوڑسوار گھوڑا دوڑاتا آرہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں برچھی تھی اور برچھی میں کوئی چیز اڑسی ہوئی تھی۔ وہ قریب آیا تو سلطان ایوبی کے باڈی گارڈوں نے اُسے روک لیا۔ سلطان ایوبی نے دیکھا کہ سوار نے کسی انسان کا سر برچھی میں اُڑسا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے آگے آنے کی اجازت دے دی۔

وہ آذر بن عباس تھا۔ وہی جاسوس جو دمشق جاتے ہوئے محافظوں کی حراست سے بھاگ گیا تھا۔ اُس نے گھوڑے سے اُتر کر برچھی سے سر اُتارا اور سلطان ایوبی کے قدموں میں پھینک کر کہا۔ "میں آپ کا مفرور قیدی ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے بخش دیں، میں گناہوں کا کفارہ ادا کردوں گا۔ آپ نے میری عرض نہ مانی۔ میں نے راستے میں سوچا کہ مجھے جاسوس، باپ نے بنایا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کیا ہے۔ میں صرف اس کام کے لیے بھاگا تھا۔ میں حلب گیا۔ اپنے باپ کو قتل کیا اور اُس کا سر کاٹ کر لے آیا ہوں۔ اگر اس سے میرے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہوتا تو مجھے پھر قید کرلیں اور اسی طرح میرا سر کاٹ کر پھینک دیں۔"

سلطان ایوبی نے اُسے حسن بن عبداللہ کے حوالے کردیا اور کہا۔ "اسے اگر قابلِ اعتماد سمجھا جا سکتا ہے تو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اس نے میرے ایک سوال کا جواب دے دیا ہے۔ میں آج تک سوچتا رہا ہوں کہ دشمن کا جاسوس پوری معلومات لے گیا تھا، پھر بھی دشمن میرے پھندے میں آگیا۔ اب معلوم ہُوا ہے کہ یہ خبر دینے نہیں بلکہ اپنے باپ کو قتل کرنے گیا تھا۔"

اس سے اگلے دن سلطان ایوبی خیمے میں سویا ہُوا تھا۔ باہر بہت سے آدمیوں کی باتوں سے اُس کی آنکھ کُھل گئی۔ باہر کوئی جھگڑا ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے دربان کو اندر بلا کر پوچھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ دربان نے بتایا کہ نَو آدمی آپ کے محافظ دستے کی وردیاں پہنے اور آپ کا جھنڈا اٹھائے آئے ہیں۔ کہتے ہیں وہ دمشق سے آئے ہیں۔ یہ رضاکارانہ آپ کے محافظ دستے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں روکا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ اتنی دُور سے عقیدت اور جذبے سے آئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

یہ شیخ سنان اور گشتگین کے بھیجے ہوئے فدائی قاتل (حشیشین) تھے۔ اُن کی چال کامیاب ہوگئی۔ سلطان ایوبی نے دربان سے کہہ دیا کہ انہیں اندر بھیج دو۔ اُن سے برچھیاں باہر رکھوالی گئیں۔ وہ خیمے میں گئے اور فوراً ہی انہوں نے خنجر اور تلواریں نکال لیں۔ سلطان ایوبی کے دو محافظ بھی ان کے ساتھ اندر آگئے تھے۔ ایک فدائی نے سلطان ایوبی پر حملہ کیا۔ سلطان نے پھرتی سے حملہ روک لیا اور اپنی تلوار اٹھالی۔ پہلے ہی وار سے اُس نے حملہ آور کا پیٹ چاک کردیا۔ خیمے میں جگہ تھوڑی تھی۔ دوسرے فدائیوں نے بھی سلطان ایوبی پر حملے کیے۔ دونوں محافظوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ باہر سے دوسرے محافظ بھی آگئے۔

خیمے کے اندر تلواریں اور خنجر ٹکرانے لگے۔ باڈی گارڈوں نے قاتلوں کو اپنے ساتھ اُلجھا لیا۔ وہ خیمے

سے باہر آگئے۔ سلطان ایوبی کی لمبی تلوار نے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ فدائیوں میں سے پانچ چھ مارے گئے باقی بھاگنے لگے۔ انہیں زندہ پکڑ لیا گیا۔ خیمے کے اندر سے ایک فدائی نکلا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی کی اُدھر پیٹھ تھی۔ زخمی فدائی نے پیچھے سے سلطان پر حملہ کیا۔ ایک باڈی گارڈ نے بروقت دیکھ لیا۔ وہ چلّایا۔ "سلطان نیچے" اور حملہ آور کی طرف دوڑا۔ سلطان ایوبی فوراً بیٹھ گیا۔ قاتل کی تلوار ہوا کو کاٹتی سلطان کے اُوپر سے گزر گئی۔ باڈی گارڈ نے فدائی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ وہ تو پہلے ہی زخموں سے مر رہا تھا۔ وہ گرا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی اس حملے سے بھی بال بال بچ گیا۔

بعض یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی پر یہ قاتلانہ حملہ کرنے والے اُس کے اپنے باڈی گارڈ تھے جو ایک عرصے سے اُس کے ساتھ تھے، لیکن اُس دَور کے وقائع نگاروں کی تحریروں سے شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ بہاؤالدین شدّاد نے اور ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے لکھا ہے کہ یہ شیخ سنان کے بھیجے ہوئے نَو فدائی تھے جو حلف اُٹھا کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کریں گے ورنہ زندہ نہیں لوٹیں گے۔ وہ سلطان ایوبی کو تو قتل نہ کر سکے البتہ اُن میں سے زندہ کوئی بھی نہ لوٹا۔ جو زندہ رہے انہیں سزائے موت دے دی گئی۔ ☆ ☆

قوم کی نظروں سے دُور

کسی سپاہی کی بہادری کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک سالار کھانے کے بعد کی محفل میں کسی معرکے کی باتیں کر رہا تھا۔ ایک سپاہی کی بہادری کا ذکر آگیا۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "تاریخ میں نام آئے گا تو وہ آپ کا اور میرا ہوگا۔ تاریخ لکھنے والوں کی یہ بے انصافی ہے کہ وہ بادشاہوں، سلطانوں اور سالاروں سے نیچے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن فتح کا سہرا ہمیشہ سپاہیوں کے سر بندھتا ہے۔ ہمارے چھاپہ مار جانباز دشمن کے پاس جا کر اس کے دوست بن جائیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ معرکوں میں سپاہی لڑنے کی بجائے اپنی جان کی فکر زیادہ کریں تو آپ فتح کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ حق یہ ہے کہ تاریخ میں ہمارے ان سپاہیوں کا ذکر ضرور آئے جو اکیلے اکیلے دس دس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ یہ سپاہی جب کبھی ہاریں گے تو میری اور آپ کی نالائقی کی وجہ سے ہاریں گے یا انہیں وہ غدار اور ایمان فروش شکست دیں گے جو ہماری صفوں میں موجود ہیں۔"

"خدا نے ہمیں کس گناہ کی سزا دی ہے کہ ہم میں غدار پیدا کر دیے ہیں"۔ محفل میں کسی نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں عالم نہیں کہ اس سوال کا جواب دے سکوں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "شاید خدائے ذوالجلال نے غداروں کی صورت میں ہم پر یہ خطرہ مستقل طور پر سوار کر دیا ہے کہ ہم ہر لمحہ چوکس اور چوکنے رہیں اور ایک کے بعد دوسری فتح حاصل کرتے کرتے مغرور نہ ہو جائیں.... خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایمان فروشی کسی دور میں اسلام کے وقار کو لے ڈوبے گی۔ آپ صلیبیوں کے اس عزم سے بے خبر تو نہیں کہ ان کی جنگ آپ کے نہیں اسلام کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک صلیب زندہ ہے چاند ستارے کے پرچم کے خلاف برسرِ پیکار رہے گی۔ وہ اپنی آنے والی نسلوں کے لیے یہی عزم ورثے کے طور پر چھوڑ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے ان سپاہیوں کے کارنامے قلمبند کر لیں جو شمالی مصر کے صحراؤں میں بھی لڑے اور حماۃ کی برف پوش وادیوں میں بھی۔ ان چھاپہ ماروں کے بھی تذکرے قلمبند کر لیں جو دشمن کی صفوں کے عقب میں چلے جاتے اور اتنی تباہی مچاتے ہیں جو پوری فوج بھی نہیں مچا سکتی۔ ان میں سے کتنے زندہ واپس آتے ہیں؟.... دس میں سے ایک۔ وہ بھی زخمی۔"

"ہاں سلطانِ محترم!"۔ سالار نے کہا۔ "یہ ایک قیمتی ورثہ ہے جو ہم آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جائیں گے

تو میں شجاعت کی روایات سے زندہ رہتی ہیں۔"

"تم شاید نہیں جانتے کہ ہمارے بعض سپاہی ملک سے دُور، قوم کی نظروں سے دُور ایسی جنگ لڑتے ہیں جن کا انہیں ہماری طرف سے حکم ہی نہیں ملتا"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "ان لوگوں پر اپنے مذہب کے وقار کا جنون سوار ہوتا ہے۔ ان کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی، کوئی ذات نہیں ہوتی۔ وہ دشمن کے تعاقب میں بہتے ہیں تو بھی سرکش اور آزاد رہتے ہیں۔ قوم کو جب فتح حاصل ہوتی ہے تو قوم ان سے ناواقف رہتی ہے جو پردوں کے پیچھے عجیب و غریب طریقوں سے جنگ لڑتے اور قوم کا نام روشن کرتے ہیں۔"

اُس دور کی غیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے ہی چند ایک سپاہیوں کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر سلطان ایوبی کر رہا تھا۔ ایک کا نام عمر درویش تھا۔ وہ سوڈانی مسلمان تھا۔ اس سلسلے کی کہانیوں میں جو آپ کو سنائی جا چکی ہیں آپ نے پڑھا ہوگا کہ سلطان ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر فوج کشی کی تھی مگر دشمن کے دھوکے میں آکر سوڈان کے صحرا میں اتنی دُور نکل گیا جہاں تک رسد کا سلسلہ قائم رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ دشمن نے رسد کے راستے روک لیے اور تقی الدین کی فوج کو صحرا میں بکھیر کر جمعیت اور مرکزیت ختم کر دی تھی۔ اسلامی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ پیش قدمی کی تو اُمید ہی ختم ہو گئی تھی۔ پسائی بھی ممکن نہیں رہی تھی۔ جنگی قیدی بہت ہو گئے تھے جن میں تقی الدین کے دو تین نائب سالار اور کمانڈر بھی تھے۔

ان قیدیوں میں مصریوں اور لبنانیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اِن میں کچھ سوڈانی مسلمان بھی تھے۔ سلطان ایوبی نے اپنی جنگی سُوجھ بُوجھ اور غیر معمولی فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے تقی الدین کی بکھری ہوئی فوج کو سوڈان سے نکالا تھا۔ اس کے بعد اُس نے سوڈانیوں کے پاس اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے تھے کہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ سوڈانیوں نے انکار کر دیا تھا کیونکہ ان کا کوئی قیدی سلطان ایوبی کی فوج کے پاس نہیں تھا۔ سوڈانیوں نے جنگی قیدیوں کے عوض مصر کے کچھ علاقے کا مطالبہ کیا تھا۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا تھا۔ "تم مجھے، میری بیوی اور میرے بچوں کو سُولی پر کٹوا کر دو، میں تمہیں سلطنتِ اسلامیہ کی ایک انچ جگہ نہیں دوں گا۔ میرے سپاہی غیرت والے ہیں۔ اپنی قوم کے وقار کے لیے جانیں قربان کرنا جانتے ہیں۔"

اس کے بعد سوڈانی حکومت نے مصر پر حبشیوں سے حملہ کرایا تھا جن میں سے کوئی ایک بھی واپس نہیں جا سکا تھا۔ جو زندہ رہے وہ قید میں ڈال دیئے گئے تھے۔ توقع تھی کہ سوڈانی ان کی رہائی کا مطالبہ کریں گے لیکن انہوں نے کوئی ایلچی نہ بھیجا۔ وہ ان حبشیوں کو دھوکے میں مصر میں لائے تھے۔ یہ ان کی باقاعدہ فوج نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے ان حبشی قیدیوں کی مزدور فوج بنا لی تھی۔ مصر میں ان سے کھدائی، بار برداری اور اس قسم کے دوسرے کام لیے جاتے تھے۔

سوڈان والے سلطان ایوبی کی فوج کے جنگی قیدیوں کو دراصل اس وجہ سے نہیں چھوڑ رہے تھے کہ انہیں وہ سوڈانی فوج میں شامل ہو جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر تھے..... وہی سوڈانیوں کو سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ یہ منصوبہ انہی کا تھا کہ مصری فوج کے قیدیوں کو بہلا

پھسلا کر سوڈانی فوج میں شامل کر لیا جائے۔ تاریخ اور اُس دَور کی تحریریں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے کتنے مسلمان سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا۔ البتہ یہ شہادت مل گئی تھی کہ سوڈانیوں کا پیار اور محبت کا اچھا سلوک کا حربہ جس پر بھی ناکام ثابت ہُوا اُسے انہوں نے بے رحمی سے اذیتیں دیں اور تڑپا تڑپا کر مارا۔

ان قیدیوں میں اسحاق نام کا ایک عہدیدار تھا جو سلطان ایوبی کی فوج کے کسی دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ سوڈان کا رہنے والا تھا اور نوجوانی میں مصری فوج میں شامل ہُوا تھا۔ سوڈان کے ایک پہاڑی علاقے میں وہاں کے مسلمان آباد تھے جن کی تعداد چار پانچ ہزار کے درمیان تھی۔ ان کے مختلف قبیلے تھے لیکن اسلام نے ان میں اتحاد پیدا کر رکھا تھا۔ تمام قبیلوں کے سرداروں نے ایک کمیٹی سی بنا رکھی تھی۔ تمام قبیلے اس کے احکام اور فیصلوں کی پابندی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے روایت بنا رکھی تھی کہ مصری فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے۔ سوڈانی فوج میں شمولیت سے گریز کرتے تھے۔ وہ جنگجو بھی تھے اور خونخوار بھی۔ تیر اندازی کے ماہر تھے۔ سوڈانی فوج اور حکومت نے انہیں بہت لالچ دیئے تھے۔ انہیں جنگ کے ذریعے ختم کرنے کی دھمکی بھی دی تھی لیکن ان مسلمان قبائل کو پہاڑیوں کا فائدہ حاصل تھا۔ دو بار ان پر سوڈانی فوج نے حملہ کیا لیکن مسلمان تیر اندازوں نے چٹانوں کی چوٹیوں سے وہ تیر برسائے کہ سوڈانیوں کے گھوڑے تیر کھا کر اپنے پیادہ سپاہیوں کو کچلتے بھاگ گئے۔

☆

تقی الدین کی جنگی لغزش سے سوڈان والوں کے ہاتھوں جہاں مصر کی بہت سی فوج قید ہو گئی تھی وہاں ایک کمانڈر اسحاق بھی تھا۔ اپنے قبیلوں پر اس کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ جنگی قیدیوں سوڈانیوں نے اُسے کہا کہ اگر وہ اپنے مسلمان قبیلوں کو سوڈان کی فوج میں شامل ہونے پر راضی کرے تو اسے نہ صرف رہا کر دیا جائے گا بلکہ جس پہاڑی علاقے میں مسلمان آباد ہیں، اس تمام علاقے کی الگ ریاست بنا کر اُسے اس کا امیر یا سلطان بنا دیا جائے گا۔

"میں اس ریاست کا پہلے ہی سلطان ہُوں"۔ اسحاق نے جواب دیا۔ "یہ ہماری آزاد ریاست ہے۔"

"وہ سوڈان کا علاقہ ہے"۔ اُسے کہا گیا۔ "ہم کسی بھی روز وہاں کے لوگوں کو قید کریں گے یا تباہ کر دیں گے۔"

"تم پہلے اس علاقے پر قبضہ کرو"۔ اسحاق نے کہا۔ "وہاں کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرو۔ تم انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کر سکو گے۔ اس علاقے میں اپنا جھنڈا لے جا کر دکھا دو، پھر میں انہیں تمہاری فوج میں شامل ہونے پر راضی کر لوں گا۔"

اسحاق کو قید خانے میں رکھنے کی بجائے ایک خوشنما کمرے میں رکھا گیا جو کسی شہزادے کا محل معلوم ہوتا تھا۔ ایک سوڈانی سالار نے اُسے اس کمرے میں داخل کر کے اپنی تلوار دونوں ہاتھوں میں لے کر اور دو زانو ہو کر اُسے پیش کی اور کہا۔ "ہم آپ جیسے جنگجو کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ آپ ہمارے قیدی نہیں مہمان ہیں۔"

"میں آپ کی تلوار قبول نہیں کروں گا"۔ اسحاق نے کہا۔ "میں مہمان نہیں قیدی ہوں۔ میں نے شکست کھائی ہے۔ میں آپ سے تلوار اسی طرح لوں گا جس طرح آپ نے مجھ سے لی ہے۔ تلوار تلوار کے زور سے لی

جاتی ہے۔"

"مگر ہم آپ کے دشمن نہیں"۔۔۔ سوڈانی سالار نے کہا۔

"میں آپ کا دشمن ہوں"۔۔۔ اسحاق نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "تلواروں کا تبادلہ اتنے خوبصورت کمرے میں نہیں میدانِ جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری اتنی عزت کی۔"

"ہم اس سے زیادہ عزت کریں گے"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "آپ کی سند خردوم کے تخت کے ساتھ رکھی جائے گی۔"

"اور روزِ محشر میری سند دوزخ کے تہ خانے میں رکھی جائے گی"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "کیونکہ میں نے دنیا میں سند تخت کے ساتھ رکھی تھی۔"

"میں دُنیا کی بات کر رہا ہوں۔"

"مگر مسلمان آخرت کی بات کیا کرتا ہے۔ جب ہم سب اپنے اعمال نامے خدا کے حضور پیش کریں گے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کے بعد کون آئے گا اور کیا تحفہ لائے گا؟"

سوڈانی سالار نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "اب کوئی بھی آئے مجھے کیا۔ میں سپاہی ہوں۔ آپ بھی سپاہی ہیں۔ میں نے آپ کی سپاہیانہ شان کو خراجِ عقیدت پیش کیا تھا: آپ نے میرا دل توڑ دیا۔"

"آپ نے میری سپاہیانہ شان دیکھی ہی کب ہے؟"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "مجھے تو لڑنے کا موقعہ ملا ہی نہیں۔ میرا دستہ صحرا کے ایک ایسے حصے میں جا پھنسا جہاں پانی کی بوند نظر نہیں آتی تھی۔ تین چار دنوں میں صحرا نے میرے پیادوں، سواروں اور گھوڑوں کو ہڈیوں میں بدل دیا۔ سپاہی اور سوار زبانیں باہر نکالے پانی ڈھونڈنے لگے۔ آپ کے ایک دستے نے حملہ کر دیا اور ہم پکڑے گئے۔ ہمیں صحرا نے شکست دی ہے۔ آپ نے میری تلوار کے جوہر کہاں دیکھے ہیں کہ مجھے خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ بہادر ہیں"۔۔۔ سالار نے کہا۔

"سنی سنائی پر یقین نہ کریں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "کل صبح ایک تلوار مجھے دیں، ایک آپ لیں اور میرے مقابلے میں آئیں۔ مجھے امید ہے کہ میں آپ کی تلوار قبول کر لوں گا مگر اُس وقت آپ زندہ نہیں ہوں گے۔"

سالار کچھ اور کہنے لگا تھا کہ اسحاق نے کہا۔۔۔ "غور سے سُن لو محترم سالار! مجھے تم لوگ کل جو قید خانے میں ڈال دو گے، ابھی ڈال دو۔ میں اتنی خوبصورت قید سے مغلوب ہو کر اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔"

"قید خانے کی غلاظت کی بجائے آپ اس دل نشیں ماحول میں بہتر طریقے سے سوچ سکیں گے"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "میں اُمید رکھوں گا کہ آپ کے سامنے جو شرط پیش کی گئی ہے، اس پر آپ غور کریں گے۔ مجھے ایک سپاہی بھائی سمجھ کر میرا یہ مشورہ قبول کر لیں کہ اپنا مستقبل تاریک نہ کریں۔ خدا نے آپ کی قسمت میں بادشاہی لکھ دی ہے۔ اس پر لکیر نہ پھیریں۔"

"میرے خدا نے میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "اور

تمہارے خدا نے جو کچھ لکھا ہے میں اسے بھی جانتا ہوں۔۔۔ تم جاؤ مجھے سوچنے دو۔"

سالار چلا گیا تو کھانا آ گیا۔ کھانا لانے والی تین لڑکیاں تھیں۔ جوان اور بہت ہی خوبصورت۔ وہ نیم عریاں بھی تھیں۔ کھانے کی اقسام ایسی جو اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھیں۔ کھانے کے ساتھ خوشنما صراحیوں میں شراب بھی تھی۔ اسحاق نے ضرورت کے مطابق کھایا اور پانی پی لیا۔ دسترخوان سمیٹ لیا گیا اور ایک لڑکی اُس کے پاس آ گئی۔ اسحاق اُسے دیکھتا رہا اور اس کی ہنسی نکل گئی جس میں طنز تھی۔

"کیا آپ نے مجھے پسند نہیں کیا؟"۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔

"میں نے تم جیسی بدصورت لڑکی پہلی بار دیکھی ہے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔

لڑکی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ تو بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اسحاق نے اس کی حیرت بھانپتے ہوئے کہا۔۔۔ "حُسن جہاں میں نہ ہوتا ہے۔ عورت عریاں ہو جائے تو اس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ عریانی نے تمہارا طلسم توڑ دیا ہے۔ میں اب تمہارے قبضے میں نہیں آ سکوں گا۔"

"کیا آپ نے مجھے دیکھ کر بھی میری ضرورت محسوس نہیں کی؟"۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔

"میرے جسم کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میری رُوح کی ایک ضرورت ہے جو تم پوری نہیں کر سکو گی۔ تم جاؤ۔"

"لیکن میرے لیے حکم ہے کہ آپ کے پاس رہوں"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "اگر میں نے حکم کے خلاف کوئی کام کیا تو مجھے سزا کے طور پر وحشی حبشیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"دیکھو لڑکی!"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ کچھ اور ہے۔ میں تمہیں اس کمرے میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر تم اس کمرے میں رات بسر کرنے کا حکم لے کے آئی ہو تو یہیں رہو اور میں باہر سو جاؤں گا۔"

"یہ بھی میرا جرم ہو گا"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "آپ مجھے اس کمرے میں رہنے دیں۔ مجھ پر رحم کریں۔" لڑکی نے دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص پتھر ہے۔ اُس نے اسحاق کی منت سماجت شروع کر دی۔

"تمہارا کام کیا ہے؟"۔۔۔ اسحاق نے پوچھا۔۔۔ "کس مقصد کے لیے تمہیں میرے پاس بھیجا گیا ہے؟ مجھے اپنا مقصد بتا دو تو اس کمرے میں رہنے دوں گا۔"

"میرا کام یہ ہے کہ آپ جیسے مردوں کو موم کر دوں"۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ میں نے مذہب کے شیدائیوں کو اپنا گرویدہ بنایا اور انہیں سوڈان کے سانچے میں ڈھالا ہے۔"

لڑکی نے پوچھا۔۔۔ "کیا واقعی آپ نے مجھے بدصورت سمجھا ہے یا مذاق کیا تھا؟"

"تم جسے خوشبو کہتی ہو وہ میرے لیے بدبُو ہے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میری نظر میں تم واقعی بدصورت ہو۔۔۔ جہاں سونا چاہتی ہو سو جاؤ۔ پلنگ پر سو جاؤ، میں فرش پر سو جاؤں گا۔"

لڑکی فرش پر لیٹ گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟"۔۔۔ اسحاق نے پوچھا۔

"...شی:
"...تمہارا مذہب؟"
"میرا کوئی مذہب نہیں۔"
"تمہارے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟"
"معلوم نہیں۔" لڑکی نے کہا۔
اسحاق پر غنیمہ کا غلبہ ہونے لگا اور ذہن کی دھند میں اس کے خراٹے سنائی دینے لگے۔

☆

...شخص کے ساتھ آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔" اس لڑکی نے کہا جس نے رات اسحاق کو اپنا نام ...شی تایہ قلعہ ...ں کے سامنے سوڈانی فوج کے اعلیٰ افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ آشی نے کہا۔ "اس شخص کے اندر جذبات نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ جانتے ہیں میں نے کیسے کیسے ہتھ زوم کیے ہیں مگر اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

"معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی کوتاہی کی ہے۔" ایک افسر نے کہا۔

لڑکی نے پوری تفصیل سنائی کہ اس نے اسحاق کو کیسے کیسے طریقوں سے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی مگر وہ ...ش پتھر تھا۔ وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہتا تھا۔ ذرا بھی بدحواس نہ ہوتا تھا۔

چار پانچ دن سوڈانی حکام اسحاق کو اپنی بات پر لانے کی کوشش کرتے رہے۔ لالچوں کو اس پر بڑے بڑے حسین مستقبل کے جال پھینکے گئے مگر اسحاق نے بات یہیں پر ختم کی کہ میں مصر کی فوج کے ایک دستے کا ...ہوں جسے ...ں جیل نہ قیدی ہیں۔

تو اسے جیل سے نکال کر قید خانے میں لے گئے اور ایک تنگ سی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ سلاخوں والے دروازے پر تالہ چڑھا دیا گیا۔ کوٹھڑی میں ایسی بدبو تھی کہ دماغ پھٹا جاتا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ایک سپاہی دیا لے آیا جس نے سلاخوں میں سے اسحاق کو دے دیا۔ اسحاق نے دیا فرش پر رکھا تو اسے کوٹھڑی میں ایک لاش پڑی نظر آئی جو غریب مہدیہ تھی۔ لاش ...سڑا ہوا اور مکھیاں بھی بھنبھنا رہی تھیں۔ لاش سوج گئی تھی۔ اسحاق نے قید خانے کے سپاہی کو آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ یہ کس کی لاش ہے۔

"تمہارے ہی کوئی دوست ہوں گے۔" سپاہی نے جواب دیا۔ "کوئی مصری تھا۔ جنگ میں پکڑا گیا تھا۔ اسے بہت اذیتیں دی گئی تھیں۔ پانچ چھ دن ہوئے کوٹھڑی میں مر گیا۔"

"لاش یہاں کب تک پڑی رہے گی؟" اسحاق نے پوچھا۔

"تمہارے لیے۔" سپاہی نے طنزیہ کہا۔ "اسے اٹھایا تو تم اکیلے رہ جاؤ گے۔" سپاہی ہنستا ہوا چلا گیا۔

اسحاق نے دیا اوپر رکھ کے لاش کو دیکھنا شروع کر دیا۔ کپڑوں سے اس نے پہچان لیا کہ مصری فوج کا آدمی تھا۔ اسحاق نے کوٹھڑی میں جو بو محسوس کی تھی وہ غائب ہو گئی۔ اس نے سوجی ہوئی لاش کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "تمہارا جسم گل جائے گا، مٹ جائے گا، تم نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ تم مجھ سے بہتر ہو۔

تم زندہ ہو۔ زندہ رہو گے۔ سپاہی ٹھیک کہہ گیا ہے۔ تم ...ہوتے کہیں کا بادشاہ ہوتا۔"

وہ بہت دیر اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا اور روشن کے پاس بیٹ گیا۔ اس کی ...ں کو جگایا گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہی سوڈانی سالار کھڑا تھا جس نے اسے تو ...ش کی تھی۔ "...ی ضرورت ہو تو حاضر کروں۔"

"میں نے تمہارے بیٹے کو پہچان لیا ہے۔" اسحاق نے کہا۔ "میں ڈرا ہوا نہیں تم مجھے ...ف سکتے ہو۔ اگر تم واقعی میری کوئی ضرورت پوری کرنا چاہتے ہو تو میدان جنگ سے نہیں ...ے کے پرچم میں لپٹ ...ے۔ ایک پرچم لاؤ۔ میں اس لاش پر ڈالنا چاہتا ہوں۔"

سالار نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تمہارے پرچم کو ہم نے سینے سے لگا رکھا ہے؟ ہم نے مصر کے کسی جھنڈے کو ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کیا۔" اس نے سپاہی سے کہا۔ "اسے باہر نکالو اور نیچے سے چلو۔ روشن یہ ...ے۔"

اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں لے گئے۔ وہاں ایسی بدبو تھی جیسے بے شمار لاشیں پڑی ہوں۔ سوڈانی سالار آگے آگے تھا۔ ایک جگہ چھ سات مصری اُلٹے لٹکے ہوئے تھے اور ان کے بازوؤں کے ساتھ وزن بندھا ہوا تھا۔ آگے ایک آدمی کو بہت بڑی صلیب کے ساتھ اس طرح لٹکایا ہوا تھا کہ اس کی ہتھیلیوں میں ایک ایک کیل گڑھا ہوا تھا۔ خون ٹپک رہا تھا۔ ایک جگہ ایک چوڑا اور بہت بڑا پہیہ تھا۔ اس پر ایک آدمی بیٹھ کے بل اس طرح بندھا تھا کہ ٹخنوں سے زنجیریں بندھی تھیں جو فرش میں ٹھونکی ہوئی تھیں۔ بازو دو پہیے کے ساتھ بندھے تھے۔ ایک آدمی پہیے کو ذرا سا چلاتا تو اس آدمی کے بازو اور ٹانگیں اوپر اور نیچے کو کھینچی جاتی تھیں، وہ درد سے چیختا تھا۔

اسحاق کو تہہ خانے میں گھما پھرا کر دکھایا گیا کہ یہاں کس کس کو اذیتیں دی جا رہی ہیں۔ جگہ جگہ فرعون تھا۔ بعض قیدی تڑپ رہے تھے اور چند ایک بے ہوش پڑے تھے۔ اذیت کا ہر ایک طریقہ دکھا کر سوڈانی سالار نے اسحاق سے پوچھا۔ "آپ کو جو طریقہ پسند ہو وہ بتا دیں۔ ہم آپ کو وہاں لے چلتے ہیں۔ اگر آپ اس کے بغیر ہی ہماری بات مان جائیں تو آپ کا ہی بھلا ہوگا۔"

"جہاں جی چاہے لے چلو، تم سے غلامی نہیں کروں گا۔" اسحاق نے کہا۔

"میں ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ ہم تم سے کیا کروانا چاہتے ہیں۔" سالار نے کہا۔ "تمہیں کہا جائے گا کہ تمام مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں لے آؤ۔ اس کے عوض تمہیں رہا بھی کیا جائے گا اور مسلمان قبیلوں کے سردار کا امیر بنا دیا جائے گا۔ اب تم اپنا بہتر حق کھو بیٹھے ہو۔ اب ہماری شرط یہی ہے مگر تمہیں یہ انعام دیا جائے گا کہ کوئی اذیت نہیں دی جائے گی اور تمہیں سوڈانی فوج میں اچھا عہدہ دیا جائے گا۔"

"عہدے کی بجائے مجھے کسی بھی اذیت میں ڈال دو۔" اسحاق نے کہا۔

اسے اس طرح اُلٹا لٹکا دیا گیا کہ ٹخنوں سے زنجیریں ڈال کر چھت سے باندھ دیا گیا۔ سالار نے سپاہیوں سے کہا۔ "شام تک اسے یہیں رہنے دو۔ شام کے وقت اسے لاش والی کوٹھڑی میں پھینک دینا۔ مجھے ...ہے۔

اس کا دماغ سماں ہو جائے گا۔"

☆

شام تک وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ہوش میں آیا تو وہ لاش کے پاس پڑا تھا۔ ایک کونے میں تھوڑا سا پانی اور کچھ کھانا رکھا تھا۔ اُس نے پانی پیا اور کھانا کھا لیا۔ اُس نے لاش سے کہا۔ "میں تمہاری رُوح کے ساتھ دھوکا نہیں کروں گا۔ میں جلدی تمہارے پاس آ رہا ہوں"۔۔۔ باتیں کرتے کرتے اُس کی آنکھ لگ گئی۔

آدھی رات کے وقت اُسے پھر جگا لیا گیا اور پہلے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ سوڈانی سالار موجود تھا۔ اُس نے کہا۔ "ہزاروں مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ تم اسلام کے لئے قربانی دے رہے ہو لیکن صلاح الدین ایوبی اپنی بادشاہی کو آدھی دنیا پر پھیلانے کے لیے تم جیسے پاگلوں کو مروا رہا ہے۔ وہ بدبخت شراب بھی پیتا ہے اور اُس نے پہلوں جیسی لڑکیوں سے حرم بھر رکھا ہے اور تم ہو کہ اُس کے نام پر مرنے ہو۔"

"سالارِ محترم،" اسحاق نے کہا۔ "میں نہیں اپنے مذہب کے ہیرو اور سلطان کے خلاف جھوٹ بولنے سے رک نہیں سکتا، اور تم مجھے اپنے عقیدے پر جان قربان کرنے سے روک نہیں سکتے۔ میری قوم کے کسی بھی قبیلے کا کوئی ایک بھی مسلمان تمہاری فوج میں شامل نہیں ہوگا۔ مسلمان مسلمان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا۔"

"تم شاید نہیں جانتے کہ عرب میں مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔" سوڈانی سالار نے کہا۔ "صلیبی نہیں بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ تمام امیروں اور مسلمان حکمرانوں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔"

"انہوں نے کر دی ہوگی۔" اسحاق نے کہا۔ "میں نہیں کروں گا۔ جنہوں نے بغاوت کی ہے وہ اِس دنیا میں بھی سزا بھگتیں گے، اگلے جہان میں بھی۔۔۔۔ تم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کرو اور کسی دوسرے سوڈانی مسلمان کو پکڑو۔ شاید وہ تمہارا کام کر دے۔"

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم صرف اشارہ کر دو تو تمام مسلمان ہمارے ساتھ ہوں گے۔" سالار نے کہا۔ "ہم تم سے یہ کام مفت نہیں کرانا چاہتے۔ تمہاری قسمت بدل دیں گے۔"

"میں آخری بار کہتا ہوں کہ میں اپنی قوم کو دھوکا نہیں دوں گا"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔

وہ پہلے کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ نیچے کُھنے فرش کے ساتھ۔ اوپر کلائیاں پہیے کے ساتھ۔ تین چار حبشی اُس بے ڈھبے کے ساتھ کھڑے تھے جسے دھکیلنے سے پہیہ حرکت میں آتا تھا۔ سوڈانی سالار نے اشارہ کیا تو حبشیوں نے ڈھبے کو ایک قدم دھکیلا۔ زہٹ کی طرح پہیہ چلا۔ اسحاق کا جسم اوپر اور نیچے کو کھنچنے لگا۔ اُس کے بازو کندھوں سے اور ٹانگیں کولہوں سے الگ ہونے لگیں۔ اُس کے جسم سے پسینہ اس طرح پھوٹا جیسے کسی نے اُس پر پانی انڈیل دیا ہو۔

"اب سوچ کر جواب دو۔" اُس کے کانوں میں سوڈانی سالار کی آواز پڑی۔

"ایمان نہیں بیچوں گا۔" اسحاق نے کراہتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اُس کی کھال پھٹنے لگی۔

"اب اچھی طرح سوچ سکو گے؟"

"میری لاش بھی یہی جواب دے گی۔ اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔" اسحاق نے یہ الفاظ بڑی مشکل سے منہ سے نکالے۔

"اسے کچھ دیر یہیں رہنے دو۔" سالار نے حکم دیا۔ "آ جائے گا ہوش میں۔"

اسحاق نے قرآن کی آیات کا ورد شروع کر دیا۔ سالار چلا گیا۔ اسحاق کے جسم سے خون رِس رہا تھا۔ لعاب جیسے آتاری جا رہی تھی۔ اُس کا منہ آسمان کی طرف تھا۔ اُس نے تصور میں خدا کو اپنے سامنے دیکھا اور کہا۔ "خداوندِ دو عالم! میں گناہگار ہوں تو مجھے اور زیادہ سزا دو۔ میں آپ کی راہ میں تڑپتا ہوں تو مجھے سکون عطا کرو۔ میں آپ کے حضور شرمسار نہیں ہونا چاہتا"۔۔۔ اس نے آنکھیں بند کر کے آیات کا ورد شروع کر دیا۔

"تم چیختے کیوں نہیں؟" اُس کے پاس قید خانے کا جو سپاہی کھڑا تھا اُس نے کہا۔ "زور زور سے چیخو۔ اس سے تکلیف ذرا کم ہو جاتی ہے۔"

"میں تکلیف میں نہیں ہوں۔" اسحاق نے کہا۔ "پہیہ اور آگے کر دو۔"

قید خانے کے سپاہی درندے تھے۔ اس سپاہی نے حبشیوں سے کہا کہ پہیہ ذرا اور چلائیں۔ حبشیوں نے دھکہ لگایا تو پہیہ اور آگے چلا گیا۔ اسحاق کے جسم سے کڑاک کڑاک کی آوازیں نکلیں۔ ایک اور سپاہی دوڑتا آیا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "تمہیں کس نے کہا ہے کہ پہیہ چلاؤ۔ یہ مر جائے گا۔ اسے ابھی زندہ رکھنا ہے"۔۔۔ پہیہ ذرا نیچے کر دیا گیا۔

"یہ کہتا ہے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔" سپاہی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"تم ہوش میں ہو؟" سپاہی نے اسحاق سے پوچھا۔ "تم کیا بول رہے ہو؟"

"بے ہوشی میں بول رہا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "تم نے چکر جہاں تک پہنچا دیا تھا وہاں انسان مر جاتا ہے۔ یہ ہوش میں نہیں ہو سکتا۔"

"میں ہوش میں ہوں دوستو!" اسحاق کی نحیف آواز سنائی دی۔ "میں اپنے خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں۔"

دونوں سپاہیوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔ ایک نے کہا۔ "یہ اتنا طاقتور تو نہیں لگتا۔ اس حالت میں تو بھینسوں جیسے وحشی حبشی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی عالم ہوگا۔ اس کے پاس خدا کی طاقت ہے۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔" اسحاق نے کہا۔ "میرے پاس خدا کی طاقت ہے۔ میں خدا کا کلام پڑھ رہا ہوں۔ پہیے کو پورا چکر دے کر دیکھو۔ میرا جسم دو حصوں میں کٹ جائے گا۔ دونوں حصوں سے یہی آواز آئے گی جو تم سن رہے ہو۔"

وہ گنوار سپاہی تھے۔ توہم پرستی اُن کا مذہب تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھے۔ پیروں فقیروں اور مجذوبوں کو خدا سمجھتے تھے۔ بتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اس پہیے کو (جسے چکر شکنجہ کہتے تھے) وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے ساتھ بندھا ہوا انسان پہیے کی ذرا سی حرکت پر چیخ اٹھتا اور ہر بات مان لیتا تھا۔ ذرا مزید حرکت سے بے ہوش ہو جاتا اور کچھ دیر بعد مر جاتا تھا لیکن اسحاق پہیے کے آخری نشان تک زندہ ہی نہ رہا، ہوش میں رہا۔ سپاہی جان گئے کہ یہ آدمی عام قسم کا انسان نہیں۔

"تم آسمانوں کا حال جانتے ہو؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

"میرا خدا جانتا ہے۔" اسحاق نے جواب دیا۔

"تمہارا خدا کہاں ہے؟"

"میرے دل میں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "وہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتا۔"

"ہم غریب لوگ ہیں۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "یہاں تم جیسے انسانوں کی ہڈیاں توڑ کر بال بچوں کو روٹی کھلاتے ہیں۔ تم ہماری قسمت بدل سکتے ہو؟"

"باہر جا کر۔" اسحاق نے کہا۔ "میں جو کچھ پڑھ رہا ہوں وہ تمہیں بتا دوں گا۔ تمہاری قسمت بدل جائے گی۔"

"ہم پیٹیہ نیچے کر دیتے ہیں۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "سالار کو آتا دیکھیں گے تو اوپر کر دیں گے۔"

"نہیں!" اسحاق نے کہا۔ "میں تمہیں یہ بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ یہی میری طاقت ہے۔ اسے ہم ایمان کہتے ہیں۔"

"ہم تمہاری مدد کریں گے۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "جب کہو گے جو کہو گے ہم کریں گے۔ اگر ہو سکا تو تمہیں قید خانے سے نکال دیں گے۔"

☆

سالار آ گیا۔

"کیوں بھائی؟" اُس نے اسحاق سے پوچھا۔ "ہوش میں ہو؟"

"میرے اللہ نے مجھے بے ہوش نہیں ہونے دیا۔" اسحاق نے جواب دیا۔

سالار کے اشارے پر پیٹیہ اور آگے چلایا گیا۔ اسحاق نے صاف طور پر محسوس کیا کہ اُس کا جسم دو حصوں میں کٹ گیا ہے اور اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اُس نے کراہتی ہوئی آواز میں کلام پاک کا ورد اور زیادہ بلند آواز سے شروع کر دیا۔ پیٹیہ اور آگے چلایا گیا۔ اُس کے جسم سے ایسی آوازیں آئیں جیسے جوڑ ٹوٹ رہے ہوں۔

"خوش نہ ہو کہ ہم تمہیں جان سے مار دیں گے۔" سوڈانی سالار نے کہا۔ "تم زندہ رہو گے اور تمہارے ساتھ ہر روز یہی سلوک ہو گا۔ ہم تمہاری جان لے کر تمہیں اذیت سے آزاد نہیں کرنا چاہتے۔"

اسحاق نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے وِرد جاری رکھا۔

سالار کے اشارے پر پیٹیہ ذرا نیچے کر دیا گیا۔ سالار کے ساتھ فوج کا ایک اور افسر تھا۔ سالار اُسے الگ لے گیا اور کہا۔ "بہت سخت جان معلوم ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں یہ بے ہوش بھی نہیں ہوا۔ ہم نے زیادتی کی تو مر جائے گا۔ اُسے ابھی زندہ رکھنا ہے۔ میں نے ایک اور طریقہ سوچا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کی ایک بیٹی کی عمر چودہ پندرہ سال ہے اور اس کی بیوی بھی ہے۔ ان دونوں کو یہ دھوکہ دے کر یہاں بلایا جائے کہ یہ شخص قید خانے میں ہے اور مر رہا ہے۔ تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اسے دیکھ جاؤ، اور اگر یہ مر گیا تو اس کی لاش لے جاؤ۔"

"ہاں۔" دوسرے افسر نے کہا۔ "دھوکے سے ہی بلانا پڑے گا ورنہ وہاں کے مسلمان ہمارے کسی آدمی کو اپنے علاقے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔"

"ان دونوں کو بلا کر اس کے سامنے ننگا کر کے کھڑا کر دیں گے۔" سالار نے کہا۔ "پھر اسے کہیں گے کہ ہماری شرط مان لو ورنہ تمہاری کمسن بیٹی اور بیوی کو تمہارے سامنے بے آبرو کیا جائے گا۔"

دونوں سپاہی جو سالار کی غیر جانبداری میں اسحاق کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے قریب کھڑے سن رہے تھے۔ سالار نے انہی میں سے ایک کو بھیج کر فوج کے کمانڈر کو بلایا۔ اُسے اسحاق کے گاؤں کا راستہ بتا کر پیغام دیا اور یہ بھی بڑی اچھی طرح سمجھا دیا کہ مقصد کیا ہے۔ اُسے کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت ہی احترام سے بات کرے اور صلاح الدین ایوبی کی تعریفیں بھی کرے ورنہ مسلمان اُسے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔

کمانڈر اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ اسحاق کو چکر نشیب سے اٹھا کر اُسی کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا جس میں کسی مصری سپاہی کی لاش گل سڑ رہی تھی۔ اسحاق سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ سارے جسم سے درد کی بے رحم ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں مگر اُس نے دھیان خدا کی طرف لگا رکھا تھا۔ اتنے شدید درد کے باوجود وہ اپنے آپ میں سکون محسوس کر رہا تھا۔ اُس کی رُوح میں کوئی درد نہیں تھا۔ جسمانی درد کے احساس سے وہ بے نیاز ہو چکا تھا لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اُسے ایسی ذلت میں ڈالنے کا اہتمام ہو رہا ہے جو اُس کی روح کو لہولہان کر دے گا۔ اُس کی کمسن بیٹی اور جوان بیوی کو قید خانے میں لانے کے لیے ایک آدمی چلا گیا تھا۔

وہاں سے اُس کا گاؤں جو پہاڑی علاقے میں تھا گھوڑے پر پورے دن کی مسافت جتنا دُور تھا۔ صبح ابھی ابھی طلوع ہوئی۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی افسر کے ساتھ چلا گیا۔ قید خانے میں دونوں سپاہیوں کی ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی۔ دن بھر کے لیے دوسرے سپاہی آ رہے تھے۔ اِن دونوں سپاہیوں نے آپس میں بات کی اور ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ اسحاق کو برگزیدہ انسان سمجھ رہے تھے جس کا تعلق براہِ راست کسی غیبی قوت کے ساتھ تھا۔ یہ اُن کی برداشت سے باہر تھا کہ اس برگزیدہ شخص کی بیٹی اور بیوی کو قید خانے میں لا کر ذلیل کیا جائے۔ ایک سپاہی نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا کہ اس شخص کی بیٹی اور بیوی کی توہین کی گئی تو سب پر قہر نازل ہو گا۔ اِن دونوں کو یہ دلیل بھی تھا کہ باہر جا کر اسحاق اُن کی قسمت بدل دے گا۔

ایک سپاہی نے کہا کہ وہ اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو یہاں تک نہیں آنے دے گا۔

☆

شام ہو چکی تھی جب پیغام لے جانے والا سوڈانی کمانڈر مسلمانوں کے پہاڑی علاقے میں داخل ہُوا۔ پہلے گاؤں میں جا کر اُس نے پوچھا کہ اسحاق نام کے ایک سوڈانی مسلمان کا گاؤں کہاں ہے جو مصر کی فوج میں عہدیدار ہے۔ اسحاق کا تمام علاقے پر اثر و رسوخ تھا۔ اُسے ہر کوئی جانتا تھا۔ کمانڈر نے بتایا کہ وہ زخمی حالت میں جنگی قیدی ہُوا تھا۔ دوسرے قیدیوں کی طرح اُسے بھی قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اُس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ اُس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اُسے اُس کی بیٹی اور بیوی سے ملایا جائے۔ میں ان دونوں کو لینے آیا ہوں۔

ایک آدمی اُن کے ساتھ ہوگیا۔ وادیوں سے گذرتے، کچھ وقت بعد دونوں اسحاق کے گاؤں میں داخل ہوئے۔ پھر اُس کے گھر جا پہنچے۔ اُس کے بوڑھے باپ سے ملاقات ہوئی۔ سوڈانی کمانڈر نے جُھک کر مصافحہ کیا اور نہایت اچھے انداز سے کہا: "آپ کا بیٹا اتنا بہادر ہے کہ ہمارے سالار بھی اُسے سلام کرتے ہیں۔ وہ بہادری سے لڑا مگر ریگستان نے اُسے بیمار کر بے حال کر دیا۔ وہ زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ اُس کا علاج اس طرح کیا جا رہا ہے جس طرح سوڈانی سالاروں اور حکمرانوں کا کیا جاتا ہے۔ اتنے اچھے علاج کے باوجود وہ صحت یاب نہیں ہوا۔ اُسے بچانے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اُس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اپنی بیٹی کو اور اپنی بیوی کو آخری بار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم لوگ اُس کی اتنی زیادہ عزت کرتے ہو تو اُسے میرے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟" اسحاق کے باپ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ہمارے جرّاح اور طبیب اُسے ٹھیک کر لیں۔"

"فرمانروائے سوڈان نے کہا ہے کہ وہ ہمارا مہمان ہے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "مہمان کو بیماری کی حالت میں رخصت کرنا میزبان کی بے عزتی ہے۔ صحت یاب ہوتے ہی اُسے باعزّت طریقے سے رخصت کر دیا جائے گا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اُس کی بیٹی اور بیوی اُس کے پاس رہیں اور اُس کی تیمارداری کریں؟" بوڑھے باپ نے پوچھا۔

"اگر یہ دونوں وہاں رہنا چاہیں تو انہیں عزت سے رکھا جائے گا۔" کمانڈر نے کہا۔ "ہمارے ہاں بہادروں کی عزت کی جاتی ہے۔ ہمارے مذہب الگ ہیں لیکن ہم اور آپ سوڈانی ہیں۔ ہم زمین کا احترام کرتے ہیں۔ اگر اسحاق صلاح الدین ایوبی کا سپاہی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم بھائی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کو ہم بہت بڑا جنگجو مانتے ہیں۔ اُس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا دیا ہے۔"

"پھر تم اُسے دشمن کیوں سمجھتے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔ "تم صلیبیوں کو دوست کیوں سمجھتے ہو؟"

"محترم بزرگ!" کمانڈر نے کہا۔ "اگر میں باتیں کرنے بیٹھ گیا تو یہ میرے فرض میں کوتاہی ہوگی۔ مجھے آپ کی بیٹی اور آپ کی بہو کو صبح سے پہلے آپ کے بیٹے تک پہنچانا ہے۔ آپ کے بیٹے کی خواہش کی تکمیل ہمارا فرض ہے.... کیا آپ کی بیٹی اور بہو میرے ساتھ ابھی چلنے کو تیار ہیں؟"

پردے کے پیچھے سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "ہم تیار ہیں۔"

"کوئی مرد ساتھ نہیں جا سکتا؟" بوڑھے نے پوچھا۔ "میں بھی تو اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"سفر لمبا ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "آپ اتنی لمبی گھوڑ سواری برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مجھے جو حکم ملا ہے وہ بیٹی اور بیوی کو لانے کا ہے۔"

قید خانے کا سپاہی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر گیا۔ بہت جلدی میں اُس نے کپڑے بدلے۔ سر کو اس طرح لپیٹا کہ چہرہ بھی چھپ گیا۔ اُس نے گھوڑے کے لیے چارہ اور پانی گھوڑے کے ساتھ باندھا اور کسی کو بتائے

بغیر کہ کہاں جا رہا ہے روانہ ہوگیا۔ اُس نے وہ راستہ معلوم کر لیا تھا جو اسحاق کے گاؤں کو جاتا تھا۔ سالار جب پیغام لے جانے والے کمانڈر کو راستہ سمجھا رہا تھا تو یہ سپاہی پاس کھڑا سُن رہا تھا۔ اُس کے دل میں عقیدت تھی۔ آبادی سے نکل کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کمانڈر اُس سے بہت پہلے نکل گیا تھا اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اُس سے پہلے اسحاق کے گھر پہنچ جاتا۔ سورج بہت اُوپر آ چکا تھا۔

☆

اسحاق کے باپ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ اُس نے دونوں تیار کیے۔ اسحاق کی بیٹی اور بیوی جلدی میں تیار ہو کر سوار ہوگئیں۔ گاؤں کے کچھ اور لوگ بھی وہاں آ گئے تھے۔ سب سوڈانی کمانڈر کی باتوں میں آ گئے اور انہوں نے اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو کمانڈر کے ساتھ رخصت کر دیا۔ رات کا سفر تھا۔ راستے میں کہیں رُکنا نہیں تھا۔ دونوں مستورات کے دلوں میں اسحاق کے متعلق جو جذبات تھے ان سے اُن کی نیند اڑ گئی۔ اُن کے لیے گھوڑے کی سواری کوئی نئی یا مشکل بات نہیں تھی۔ یہاں کے مسلمان اپنے بچوں کو گھوڑ سواری اور تیر اندازی بچپن میں ہی سکھا دیا کرتے تھے۔

تینوں گھوڑے پہاڑی علاقے سے نکل گئے۔ کمانڈر خوش تھا کہ اُس نے کامیابی سے دونوں مستورات کو جال میں پھانس لیا تھا۔ اسحاق اُس کوٹھڑی میں بیٹھا تھا جس میں ایک سڑی لاش پڑی تھی۔ یہ لاش اُسے پریشان کرنے کے لیے وہاں رکھی گئی تھی لیکن اسحاق نے اپنے آپ کو جسمانی احساسات سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ لاش کے ساتھ اس طرح باتیں کرتا تھا جیسے وہ زندہ ہو۔ اُسے بدبُو کا ذرّہ بھر احساس نہیں تھا۔ وہ اب جسم نہیں رُوح بن گیا تھا۔ سالار دن کے کوٹھڑی سے باہر نہ نکالا گیا۔ شام کے بعد بھی اُسے کسی نے نہ چھیڑا۔ وہ حیران بھی ہوا کہ اُسے کیوں آرام دیا جا رہا ہے۔ شاید سوڈانی سالار اُس سے مایوس ہو گیا تھا؟

کمانڈر دونوں مستورات کے ساتھ پہاڑی علاقے سے نکل کر صحرا میں جا رہا تھا۔ وہ اِن دونوں کو اسحاق کی بہت اچھی اچھی باتیں سُنا رہا تھا۔ دونوں پوری دلچسپی سے سُن رہی تھیں۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔

"اپنی بیٹی اور بیوی کی بے عزتی کون برداشت کر سکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ کمانڈر ان دونوں کو لے آئے گا۔ میں اسحاق سے کہوں گا کہ جب تک تم مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر کے سوڈان کا وفادار نہیں بنا دیتے تمہاری بیٹی اور بیوی کو آزاد نہیں کیا جائے گا۔"

"صبح تک ہمارے کمانڈر کو آ جانا چاہیے۔" سالار کے ساتھی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ذرا پہلے آ جائے۔" سالار نے کہا۔ "آدمی ہوشیار ہے۔"

قید خانے کا جو سپاہی کمانڈر کے پیچھے روانہ ہوا تھا ریتلے ٹیلوں کے علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ اُس نے آدھے سے زیادہ راستہ طے کر لیا تھا۔ اُس رات چاند نہیں تھا۔ صحرا کی نضارات کو شفافت ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی بھی مسافروں کو راستہ دکھا دیتی ہے۔ سپاہی کو رات کی خاموشی میں کسی کی باتیں سنائی دیں۔ بولنے والا اُس کی طرف آ رہا تھا۔ ٹیلے گونج پیدا کر رہے تھے۔ سپاہی ایک ٹیلے کی اوٹ میں رُک گیا۔ باتیں بلند ہوتی گئیں اور گھوڑوں کے پاؤں کی آہٹیں بھی سنائی دینے لگیں۔ تھوڑی سی دیر بعد سپاہی نے ٹیلے کی اوٹ سے تین گھوڑے گذرتے

دیکھ۔ اُس نے تلوار نکال لی۔ اُس وقت بھی کمانڈر اسحاق کی باتیں کر رہا تھا۔ سپاہی کو یقین ہو گیا کہ یہ کمانڈر ہے اور اس کے ساتھ اسحاق کی بیٹی اور بیوی ہے۔

اُس نے گھوڑا باہر نکالا اور اُن کے پیچھے گیا۔ اُس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز نے کمانڈر کو چونکا دیا۔ وہ تلوار سونت کر پیچھے کو مُڑا لیکن سپاہی گھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا۔ اُس نے دوڑتے گھوڑے سے کمانڈر پر ایسا وار کیا کہ اُس کا ایک بازو مان کاٹ دیا۔ گھوڑا روک کر وہ پیچھے مُڑا۔ کمانڈ لڑنے کی حالت میں نہیں تھا۔ اُس نے رحم کے لیے پکارا لیکن سپاہی نے اُس کی گردن پر وار کر کے اُسے گھوڑے سے لڑھکا دیا۔

دونوں مستورات سُن ہو گئیں۔ اسحاق کی بیوی نے اپنی بیٹی سے کہا: "بھاگو۔ ڈاکو معلوم ہوتے ہیں۔"

انہوں نے گھوڑے موڑے۔ سپاہی نے اپنا گھوڑا اُن کے راستے میں کر لیا اور کہا: "یہاں کوئی ڈاکو نہیں ہے۔ مجھ سے نہ ڈرو۔ میں نے تمہیں ایک ڈاکو سے بچایا ہے۔ میرے ساتھ اپنے گاؤں چلو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا، تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ میں اکیلا ہوں۔"

وہ دونوں حیران و پریشان تھیں کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ سپاہی نے کمانڈر کے گھوڑے کی لگام اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دی اور گھوڑے کو بھی ساتھ لے چلا۔ راستے میں اُس نے دونوں کو بتایا کہ اسحاق قید خانے میں بند ہے۔ اُسے کہا جا رہا ہے کہ وہ مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر دے۔ اسحاق نہیں مان رہا۔ سپاہی نے ان دونوں کو یہ نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ تم دونوں کو اُس کے سامنے عریانی کی حالت میں کھڑا کر کے اور تم دونوں کی بے عزتی کی دھمکی دے کر اسحاق کو اپنی بات پر لانے کے لیے بلایا گیا ہے۔ "یہ آدمی جسے میں نے قتل کیا ہے تم دونوں کو اسی نیت سے لے جانے آیا تھا۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

"تم کون ہو؟" اسحاق کی بیوی نے پوچھا: "مسلمان ہو؟"

"میں قید خانے کا سپاہی ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔ "میں مسلمان نہیں ہوں۔"

"پھر تمہیں ہمارے ساتھ کیسے ہمدردی پیدا ہو گئی؟"

"میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر ہوتے ہیں۔" سپاہی نے کہا۔ "تمہارا خاوند پیغمبر معلوم ہوتا ہے۔"

اسحاق کی بیوی نے اُس سے پوچھا کہ وہ اُس کے خاوند کو کیوں پیغمبر سمجھتا ہے۔ سپاہی نے اصل بات نہ بتائی اور کہا۔ "اب تو میں اُسے سچا پیغمبر سمجھتا ہوں۔ وہ قید خانے میں قید ہے۔ مسلمان ہے۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اُسے معلوم ہی نہیں کہ اُس کی بیٹی اور بیوی کو بے عزت کرنے کا انتظام کر دیا ہے۔ میرے دل میں خیال آ گیا کہ میں تم دونوں کی عزت کی حفاظت کروں گا۔ میں نے ایسا کام کیا ہے جو میری ہمت سے باہر تھا۔ یہ اُسی کی نیبی قوت ہے۔ میں اُسے پیغمبر سمجھتا ہوں۔"

☆

سہ پہر کے وقت اسحاق کے گھر کے سامنے چار گھوڑے رُکے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اسحاق کا باپ

اسحاق کی بیوی اور بیٹی کو اُن کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اندر جا کر سپاہی نے اُسے تمام حالات اور واقعات سنا دیئے لیکن اُسے بھی نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اسحاق کے باپ نے اُسی وقت اپنے قبیلے کے لوگوں کو اطلاع دے دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ سپاہی نے انہیں بتایا کہ اسحاق کو اس شرط پر رہائی دینے کا وعدہ کیا جا رہا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو سوڈان کی فوج میں شامل کر دے اور تمام مسلمان سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ سپاہیوں نے بتایا کہ اسحاق کہتا ہے کہ مجھے جان سے مار دو میں اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔

تمام لوگ بھڑک اُٹھے۔ سوڈان کو بھلا بُرا کہنے لگے۔ کسی نے کہا — "یہاں صلاح الدین ایوبی آئے گا۔ یہ خدا کی زمین ہے۔"

"ہم قید خانے پر حملہ کر کے اسحاق کو رہا کرائیں گے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"تمہارے لیے یہ کام آسان نہیں۔" سپاہی نے کہا۔ "قید خانے میں سے تم کسی کو نہیں نکال سکتے۔"

"تم قید خانے کے سپاہی ہو۔" اسحاق کے باپ نے کہا۔ "تم ہماری مدد کر سکتے ہو۔"

"میں غریب اور ادنیٰ سپاہی ہوں۔" اُس نے کہا۔ "میں آپ کے بیٹے کو پیغمبر سمجھتا ہوں۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ میری قسمت بدل دو۔ اُس نے کہا تھا کہ باہر آ کر بدل دوں گا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے میں اُس کا مرید بنتا جا رہا ہوں۔ یہ سب لوگ اس پر جانیں قربان کرنے پر تیار ہیں۔ کیا میری زندگی بھی ایسی ہو سکتی ہے جیسی تمہاری ہے؟"

"مسلمان ہو جاؤ اور یہیں رہو۔" اسحاق کے باپ نے اُسے کہا۔ "ہم لوگ جنت میں رہتے ہیں۔ یہاں پانی کے چشمے ہیں اور ہرے بھرے درخت ہیں۔ یہاں کی زمین اتنا اناج دیتی ہے کہ جو کاشت کاری نہیں کرتا وہ بھی بھوکا نہیں رہتا۔ یہ ہمارے اللہ کی شان ہے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ اور اپنی قسمت بدل لو۔ ہم لوگ آزاد ہیں۔ یہ پہاڑیاں ہمارا قلعہ ہیں جو ہمارے اللہ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔"

سپاہی نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسحاق کے باپ نے اُسے حلقہ بگوش اسلام کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔

صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سوڈانی سالار بے تابی سے کمانڈر کا انتظار کر رہا تھا مگر اُس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ سورج اُوپر اٹھتا گیا اور سالار بے چین ہوتا گیا۔ وہ سمجھا کہ کمانڈر راستہ بھول گیا ہوگا۔ اُس نے ایک اور عہدیدار کو بلایا اور اُسے وہی باتیں بتا کر جو اُس نے پہلے کمانڈر کو بتائی تھیں روانہ کر دیا۔

اسحاق کوٹھڑی میں بند رہا۔ یہ دن بھی کوٹھڑی میں گزر گیا۔ اُس کی کوٹھڑی میں پڑی ہوئی لاش پھٹنے لگی تھی۔ قید خانے کے سنتری جو انسانوں کے جسم توڑنے اور قید خانے کی بدبو کے عادی تھے وہ بھی اسحاق کی کوٹھڑی کے قریب آنے سے گریز کرنے لگے۔ بڑی ہی بُری بدبو تھی۔ ایک سنتری نے ناک پر ہاتھ رکھ کر اسحاق سے پوچھا۔ "اوئے مردود! تم اس بدبو کو کس طرح برداشت کر رہے ہو؟ یہ لوگ جو کچھ تم سے منوانا چاہتے ہیں مان

جاؤ اور یہاں سے رہائی لو۔ اِس مُردار کی بدبُو سے پاگل ہو جاؤ گے۔"

"مجھے کوئی بدبُو محسوس نہیں ہو رہی۔" اسحاق نے کہا۔ "یہ مُردار نہیں شہید ہے۔ میں رات کو اس کے ساتھ لگ کر سوتا ہوں۔"

"تم پاگل ہو چکے ہو۔" سنتری نے کہا۔ "لاش کی بدبُو کا یہی اثر ہوتا ہے۔"

اسحاق کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور اُس نے لاش کے پاس بیٹھ کر قرآن کی ایک آیت کا ورد شروع کر دیا۔

☆

یہ رات بھی گذر گئی۔ صبح کے دھندلکے میں جس دوسرے کمانڈو کو سالار نے بھیجا تھا واپس آگیا۔ ایک تو مسلسل اتنے طویل سفر سے اُس کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ دیکھ آیا تھا اُسے بیان کرنے سے اُس کی زبان ہکلا رہی تھی۔ اُس نے سالار کو بتایا کہ راستے میں کچھ علاقہ ریتلے ٹیلوں اور گھاٹیوں کا ہے۔ ایک جگہ گدھ مُردار کھا رہے تھے۔ اُس نے ایک جگہ تلوار پڑی دیکھی۔ جُوتے اور کپڑے بھی دیکھے۔ اُس نے گدھوں کو اڑایا تو پتہ چلا کہ وہ کسی انسان کو کھا رہے تھے۔ چہرہ بھی خراب ہو چکا تھا۔ اُسے جو چیزیں مثلاً خنجر، چمڑے کا کمربند وغیرہ ملیں وہ اُٹھا کر لے گیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ سوڈانی کمانڈر کی لاش تھی۔

اُس نے آگے جا کر زمین دیکھی۔ گھوڑوں کے پاؤں کے نشان تھے۔ یہ کمانڈو پہاڑی علاقے تک گیا۔ گھوڑوں کے نشان وہاں تک گئے تھے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کمانڈو مستورات کو ساتھ لایا تھا یا نہیں اور اُسے کس نے قتل کیا ہے۔ سوڈانی سالار نے کہا کہ معلوم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے اس علاقے میں سوڈانیوں نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے جو انہی مسلمانوں میں سے تھے۔ اِن جاسوسوں کا وہاں اور کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ صرف خبری کرتے تھے۔ اسحاق کے متعلق انہی لوگوں نے بتایا تھا کہ اس علاقے پر اُسی کا اثر و رسوخ ہے۔

ہُوا بھی ایسے ہی۔ شام کے بعد دو جاسوس پہنچ گئے۔ انہوں نے سالار کو پوری خبر سنائی کہ کمانڈو اسحاق کی بیوی اور بیٹی کو لے گیا تھا اور قید خانے کے ایک سپاہی نے اُسے راستے میں قتل کر دیا اور مستورات کو واپس لے گیا ہے۔ انہوں نے سپاہی کا نام بھی بتایا۔ سالار نے یہ مسئلہ سوڈان کے حکمران کے آگے رکھا۔ اُس نے صلیبی مشیروں کو بتایا۔ اِن صلیبیوں نے مشورہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ مسلمانوں پر فوج کشی کی حماقت نہ کر بیٹھنا۔ انہیں کسی اچھے طریقے سے دوست بنانے کی کوشش کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کارروائی کرو کہ اس سپاہی کو خفیہ طریقے سے قتل کرا دو تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ ہمارے ہاتھ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر اسحاق تمہاری شرط تسلیم نہیں کرتا تو کسی اور سوڈانی مسلمان قیدی کو قائل کرو۔ اسحاق پر تشدد جاری رکھو۔

اسحاق کو ایک بار پھر تشدد کے شکنجے میں جکڑ لیا گیا۔ اب تو سالار اُس سے اپنے کمانڈر کے قتل کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ اُسے اتنی درندگی کا تختۂ مشق بنا دیا گیا جتنا انسانی تصور سے باہر تھا۔ رات کے وقت وہ بیہوش ہو گیا اور اُسے کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔ ہوش میں آیا تو کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔ باہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسحاق نے ہاتھ ایک طرف کیا تو ہاتھ کسی کے جسم پر لگا۔ اُسے یاد آگیا کہ یہ وہی لاش ہے جو پہلے دن سے اُس کے ساتھ پڑی ہے مگر اُسے ایسے لگا جیسے لاش سانس لے رہی ہو۔ یہ اُس کے دماغ کی خرابی ہی ہو سکتی تھی۔ اُس کے جسم کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

لاش نے حرکت کی۔ اسحاق نے چونک کر دیکھا۔ چہرے پر نظر ڈالی۔ یہ لاش نہیں تھی۔ کوئی زندہ انسان تھا اور یہ کوٹھڑی کوئی اور تھی۔ دوسرا آدمی بھی شاید بے ہوش تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آیا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسحاق بڑی مشکل سے اٹھا اور پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"عمرو درویش۔" اُس آدمی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ.... عمرو درویش؟" اسحاق نے حیران ہو کر کہا۔ "میں اسحاق ہوں۔"

وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ عمرو درویش بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ بھی انہی مسلمان قبیلوں میں سے تھا جو سوڈانی ہوتے ہوئے سوڈان کی فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے۔ عمرو درویش بھی جنگی قیدی ہو گیا تھا۔ اسحاق کا نام سُن کر اٹھ بیٹھا۔

"تمہیں کیا کہتے ہیں؟" اسحاق نے پوچھا۔

"کہتے ہیں کہ عالم کے روپ میں اپنے علاقے میں جاؤ۔" عمرو درویش نے جواب دیا۔ "اور لوگوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف دشمنی پیدا کرو۔ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں طریقے بتائیں گے اور تمہیں شہزادوں کی طرح رکھیں گے اور جس لڑکی کو پسند کرو گے وہ تمہارے ساتھ رہے گی۔" عمرو نے پوچھا۔ "تم سے کیا منوانا چاہتے ہیں؟"

"کہتے ہیں اپنے تمام قبیلوں کو سوڈان کا وفادار بنا دو۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "اس کے عوض مجھے مسلمانوں کے علاقے کا امیر بنانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی الگ فوج بنانا چاہتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تمہیں بہت تکلیفیں دے رہے ہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "معلوم نہیں ہمیں ایک ہی کوٹھڑی میں کیوں بند کر دیا ہے.... شاید اس میں کوئی بہتری ہو گی۔ میں چاہتا تھا کہ تم مجھے مل جاؤ۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے میں تم سے اجازت لینا چاہتا تھا۔ اچھا ہُوا تم مل گئے۔"

"کیا طریقہ سوچا ہے؟"

"تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ لوگ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ہم اذیتیں کب تک برداشت کریں گے۔ آج نہیں تو کل مر جائیں گے۔ یہاں اور کئی سوڈانی مسلمان قید ہیں۔ کوئی نہ کوئی اُن کے جال میں آجائے گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ ہمارے چند ایک ساتھیوں کو یہ ورغلا کر ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیں گے۔ ایک صورت یہ ہے کہ تم اِن کی شرط مان لو۔ اِس بہانے آزاد ہو جاؤ اور اپنے علاقے میں جا کر کچھ بھی نہ کرو۔ رات کے اندھیرے میں موقع کو نکل جاؤ۔ تمہیں زندہ رہنا چاہیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میں ان کی بات مان لوں۔ یہ مجھے جو سبق پڑھانا چاہتے ہیں وہ پڑھ لوں۔ اُن کا بتایا ہوا بہروپ دھار لوں اور اپنے تمام قبیلوں کو خبردار کر دوں کہ وہ سوڈانیوں کے کسی چکر میں نہ آجائیں۔ اگر میں ان کا ساتھی بن گیا تو میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سوڈانی ہمارے علاقے پر حملہ کر دیں۔" اسحاق نے کہا۔ "ہمارے لوگ اتنی جلدی ہتھیار

ڈالنے والے تو نہیں لیکن فوج کی طاقت اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی. فوج آخر فوج ہے۔"

"یہیں قربانی دینی پڑے گی۔" عمرو درویش نے کہا: "ہم صرف چھاپہ ماروں کی مدد حاصل کر سکتے ہیں. فی الحال ضرورت یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک آدمی باہر نکل جائے۔ اگر ہم دونوں اکٹھے ان کی شرط مان کر نکل جائیں تو اور زیادہ بہتر ہے۔"

"میں یہیں رہوں گا۔" اسحاق نے کہا: "تم انہیں دھوکہ دو۔ اگر ہم نے اکٹھے ان کی بات مان لی تو انہیں شک ہوگا۔ یہ سمجھ جائیں گے کہ ہم نے رات ایک کوٹھڑی میں رہ کر کوئی منصوبہ تیار کیا ہے۔ میں سختیاں برداشت کرتا رہوں گا. تم نکل جاؤ۔"

☆

صبح طلوع ہوتے ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ ایک سپاہی نے اسحاق کو برچھی چبھوئی اور اُسے اُٹھا کر دھکے دیتا اپنے ساتھ لے گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ پھر بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد سوڈانی فوج کا ایک عہدیدار آیا۔ اُس نے سلاخوں میں سے عمرو درویش سے پوچھا: "اگر تم نے آج انکار کیا تو تصور نہیں کر سکتے کہ تمہارے جسم کا کیا حال ہوگا۔ ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے. تم اس دُنیا میں دوزخ دیکھ لو گے۔ ہر روز مرو گے اور ہر روز جیو گے۔"

"مجھے کسی اچھی جگہ لے چلو۔" عمرو درویش نے کہا: "میرے جسم کو ذرا سا سکون آنے دو۔ یہاں میں کچھ بھی نہیں سوچ سکتا۔"

"میں تمہیں جنت میں بٹھا سکتا ہوں۔" سوڈانی عہدیدار نے کہا: "تمہیں جنت کی پریوں میں بٹھا دوں گا اور اگر وہاں بھی تم نے انکار کیا تو جتنے دن زندہ رہو گے پچھتاتے رہو گے۔ ہمیں رو رو کر کہو گے کہ میں نے تمہاری شرط مان لی ہے تو بھی ہم تم پر اعتبار نہیں کریں گے۔"

وہ کراہ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں پوری طرح کھلتی نہیں تھیں۔ اُس نے سرگوشی سی کی: "ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے کہیں لے چلو اور بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

اُسے اُسی وقت لے گئے اور ویسے ہی خوشنما کمرے میں سجا رکھا جیسا اسحاق کو دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک طبیب آگیا۔ اُس نے اُس کے جسم کا معائنہ کر کے اُسے دوائیں پلائیں۔ اُسے اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا گیا۔ اس دوران اُسی سوڈانی سالار نے جو اسحاق کا جسم توڑتا رہتا تھا عمرو درویش سے پوچھا: "کیا تم نے ہماری ہر بات ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

عمرو درویش نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا۔ کھانا کھاتے ہی وہ لیٹا اور گہری نیند سو گیا۔ اُس کی جب آنکھ کھلی تو رات بھی گذر چکی تھی اور اگلا دن آدھا گذر گیا تھا۔ وہ بہت دنوں سے قید خانے کے تہہ خانے میں اذیتیں برداشت کر رہا تھا۔ جسم بہت مدت تک سوکھ گیا تھا۔ ہڈیاں دُکھ رہی تھیں۔ اتنے نرم و گداز بستر پر اتنی لمبی نیند سے اُس کے جسم میں صحت کے آثار نظر آنے لگے۔ اُسے دوائیاں دی گئیں اور اُسے بادشاہوں والا کھانا کھلایا گیا تھا۔ اُس کی آنکھ کھلی تو اُس کے سامنے ایک لڑکی کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اُس کے بال ریشمی تھے اور کھلے ہوئے۔ اُس کے کندھے، بازو اور سینے کا کچھ حصہ عریاں تھا۔ عمرو درویش فوجی تھا۔ جنگلوں میں پیدا ہُوا اور فوج میں

اُس کی عمر میدانِ جنگ میں گذر رہی تھی۔ اس لڑکی کو اُس نے خواب سمجھا لیکن لڑکی نے آگے ہو کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اُسے یقین آیا کہ یہ خواب نہیں۔

لڑکی باہر چلی گئی اور طبیب کو بلا لائی۔ طبیب نے اُسے دیکھا اور دوائی پلا کر چلا گیا۔ فوراً بعد دو صلیبی آگئے۔ وہ سوڈانی زبان روانی سے بولتے تھے۔ تخریب کاری کے ماہر معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو اس مہم کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے علاقے میں جا کر یہ نہیں بتائے گا کہ وہ قید میں رہا ہے بلکہ یہ بتائے گا کہ میدانِ جنگ میں اُسے ایک بزرگ ملے تھے جنہوں نے اُسے کہا تھا کہ مصری فوج کا سوڈان پر حملہ مصر کے لیے مہنگا ثابت ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ سوڈان کا ساتھ دیں ورنہ تباہ ہو جائیں گے.... صلیبیوں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ مجذوب عالم کے بھیس میں مسلمانوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی اور مصر کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرے گا۔

عمرو درویش خندہ پیشانی سے رضامند ہو گیا۔ اُسی وقت اُس کی ٹریننگ اور ریہرسل شروع ہو گئی۔ شام کے بعد اُس کے آگے لڑکیوں نے کھانا چُنا۔ شراب بھی رکھی گئی جو اُس نے قبول نہ کی۔ کھانے کے بعد جب لڑکیاں دسترخوان سمیٹ کر لے گئیں تو ایک اور لڑکی شب خوابی کے لباس میں آگئی۔ اُس کا جسم نیم عریاں اور چال ڈھال اشتعال انگیز تھی۔

"تم کیوں آئی ہو؟" عمرو درویش نے لڑکی سے پوچھا۔

"آپ کے لیے۔" لڑکی نے جواب دیا: "میں آپ کے پاس رہوں گی۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"آشی!" لڑکی نے جواب دیا اور اُس کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"آشی!" عمرو درویش نے کہا: "مجھے تمہاری ضرورت نہیں. تم چلی جاؤ۔"

"میں حکم لے کر آئی ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔"

"مجھ سے یہ لوگ جو بات منوانا چاہتے تھے وہ میں نے مان لی ہے۔" عمرو درویش نے کہا: "اب مجھے تم جیسے حسین فریب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔"

"میں جانتی ہوں۔" آشی نے کہا: "آپ کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ میں انعام کے لالچ پر آئی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے۔ سپاہی جب میدانِ جنگ سے آتے ہیں تو اُن کی روح عورت کی طلب گار ہوتی ہے۔"

"میں ہارا ہُوا سپاہی ہوں۔" عمرو درویش نے کہا: "میری روح مر گئی ہے۔ مجھے اپنے جسم سے نفرت ہو گئی ہے مجھے اس کی کسی بھی ضرورت کا احساس نہیں رہا۔ قید خانے میں اُبلے ہوئے پتے کھاتا رہا تو بھی مطمئن رہا۔ یہاں اتنے اچھے کھانے کھائے ہیں تو بھی مطمئن ہوں لیکن خوش نہیں ہوں۔ میں شکست خوردہ ہوں۔"

لڑکی ہنس پڑی جیسے کسی نے جل ترنگ چھیڑ دیا ہو۔ "شراب کے دو چار گھونٹ آپ کو مسرتوں سے مالا

ال کردیں گے۔" لڑکی نے کہا۔ "حق سے اُتر جائیے تو مجھے دیکھنا۔ پھر میں آپ کو پھولوں کا حسن نظر آئے گا۔"

"میری مجبوری یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ہم عصمتوں سے کھیلا نہیں کرتے، عصمتوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔"

"صرف مسلمان لڑکیوں کی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہوگے۔" لڑکی نے کہا۔ "میں مسلمان نہیں۔"

"اور تم عصمت والی بھی نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "پھر بھی میرا فرض ہے کہ تمہاری عصمت کا خیال رکھوں۔ لڑکی مسلمان ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتی ہو، اپنی قوم کی ہو یا اپنے دشمن کی، مسلمان اگر ایمان کا پکا ہے تو اُس کی عصمت کی حفاظت کرے گا۔ تم تمام رات میرے پاس بیٹھی رہو، صبح سب کو بتاتی پھرو گی کہ رات ایک پتھر کے پاس بیٹھ کر گذری ہے۔"

"کیا میں خوبصورت نہیں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"تم جیسی بھی ہو میرے کسی کام کی نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "میں تمہارے کام آسکتا ہوں۔ اگر تم اس ذلیل زندگی سے آزاد ہونا چاہو تو میں تمہیں جان پر کھیل کر یہاں سے نکال لے جاؤں گا اور کسی شریف گھرانے میں آباد کردوں گا۔"

"آپ سے پہلے بھی ایک یہاں آیا تھا۔" آشی نے کہا۔ "وہ بھی آپ کی طرح باتیں کرتا تھا۔ وہ بھی سوڈانی مسلمان تھا۔ میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی کہ چونکہ آپ مسلمان ہیں اس لیے آپ عورت میں دلچسپی نہیں لیتے۔ میں نے مصر کے کئی مسلمان دیکھے ہیں۔ وہ عورت کو دیکھ کر بھوکے درندے بن جاتے ہیں۔ میں تین ایسے مصری مسلمان بنا سکتی ہوں جنہیں میں نے اور شراب کی اس صراحی نے غدار بنایا ہے۔ وہ کیسے مسلمان ہیں؟"

"وہ ایمان فروش ہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تم باتیں کر رہی ہو تو میں تمہارے چہرے پر اور تمہاری آنکھوں میں تمہاری ماں اور تمہارے باپ کی جھلک دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ کہاں ہیں؟ زندہ ہیں؟"

"معلوم نہیں۔" آشی نے کہا۔ "آپ سے پہلے جو یہاں آیا تھا اُس نے بھی یہی پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔" وہ اسماق کی بات کر رہی تھی۔ اسماق کو جب اس کمرے میں لایا گیا تھا تو اسی لڑکی کو اُس کے کمرے میں بھیجا گیا تھا۔ اُس نے عمرو درویش سے کہا۔ "اُس سوڈانی مسلمان نے مجھ سے میرے ماں باپ کے متعلق پوچھ کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ایسا سوال مجھ سے کبھی کسی نے نہیں پوچھا تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے پوچھا تو میں رات بھر سوچتی رہی کہ میرے ماں باپ کون تھے اور کیسے تھے۔ تھے ضرور۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا اور ذہن کے اندھیرے میں غائب ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اُن کی یاد سے دور رکھنے کی کوشش شروع کر دی مگر میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ آج آپ نے اُن کی یاد پھر تازہ کر دی ہے۔ میں جب محسوس ہی نہیں کرتی تھی کہ میرے بھی ماں باپ ہوں گے تو میں خوش رہتی تھی۔ آپ سے پہلے آنے والے سوڈانی مسلمان نے میرے اندر ایسے جذبات بیدار کر دیئے ہیں کہ میری خوشی پر اب اداسی کا آسیب سوار رہنے لگا ہے۔"

"تمہارا کوئی بھائی بھی نہیں تھا؟"

"کچھ بھی یاد نہیں۔" آشی نے کہا۔ "میں خون کے رشتوں کو سمجھتی ہی نہیں کہ کیا ہوتے ہیں۔"

"تمہیں نیند آرہی ہو تو سو جاؤ۔" عمرو درویش نے کہا۔

"آپ کو نیند آرہی ہو تو میں خاموش ہو جاتی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "جی چاہتا ہے کہ آپ میرے ساتھ باتیں کرتے رہیں۔ مجھے آپ جیسے آدمی اچھے لگتے ہیں۔ میں جس آدمی کے ساتھ کچھ وقت گذارتی ہوں اُس سے مجھے نفرت سی ہو جاتی ہے۔ مجھے سکرانا پڑتا ہے۔ وہ سوڈانی مسلمان جو آپ سے پہلے یہاں آیا تھا، مجھے ساری عمر یاد رہے گا۔ مجھے اس کمرے میں لایا گیا تھا۔ آپ دوسرے آدمی ہیں جن کی میں ہمیشہ قدر کروں گی۔ آپ نے میرے اندر روح اور جذبات کو بیدار کر دیا ہے۔ آپ مجھے شاید روح کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے مجھے جسم کی بھوکی نظروں سے دیکھتے ہیں۔"

"میں تمہیں آبرو باختہ لڑکی سمجھتا تھا لیکن تم عقل اور فراست کی باتیں کرتی ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔

"میں حسین اور میٹھا زہر ہوں۔" آشی نے کہا۔ "پتھروں کو موم کرنے کی مجھے تربیت دی گئی ہے۔ میں کوئی سیدھی سادی لڑکی نہیں۔ جابر حکمران کی تلوار اپنے قدموں میں رکھوا سکتی ہوں اور عالموں کے سر جھکا سکتی ہوں مگر اپنے آپ کو وہ موم سمجھنے لگی ہوں جو ذرا سی حرارت سے پگھل جاتا ہے کسی پتھر کو نہیں پگھلا سکتا۔"

"یہ میری باتوں کا اثر نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "یہ میرے ایمان کی حرارت ہے جس نے تمہیں پگھلایا ہے۔ میں نے تمہارے اندر خون کے رشتے بیدار کر دیئے ہیں۔ تم انسان ہو۔ تم کسی کی بیٹی ہو۔ تم کسی کی بہن ہو۔ تم کسی قوم کی آبرو ہو۔ میں تمہیں ہر رنگ میں دیکھ رہا ہوں۔"

رات گذرتی جا رہی تھی۔ نیند کا خمار اور عمرو درویش کی باتیں آشی پر غالب آتی جا رہی تھیں۔ نیند سے اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں لڑھک گئی۔۔۔۔ اُس کی جب آنکھ کھلی تو اُس نے اپنے آپ کو پلنگ پر اور عمرو درویش کو فرش پر سوتے دیکھا۔ اُس نے عمرو درویش کو جگایا نہیں۔ اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے سینے میں ہلچل بپا ہو گئی۔ اُس نے اپنے گالوں پر اپنے آنسوؤں کی نمی محسوس کی اور حیران ہوئی کہ اُس کے جسم میں آنسو بھی ہیں۔ اُس کے آنسو کبھی نہیں نکلے تھے۔ اُس نے عمرو درویش کے پاس جا کر اُس کا ہاتھ اٹھایا اور آنکھوں سے لگایا۔

عمرو درویش کی آنکھ کھل گئی۔ آشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئی۔ اُس نے اُسے یہ بھی نہ کہا کہ تمہیں فرش پر نہیں سونا چاہیئے تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ واپس آئی تو اُس کے ہاتھ میں پانی تھا جس سے عمرو درویش نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ آشی کمرے سے چلی گئی۔

☆

ناشتے کے بعد سوڈانی سالار دو سپاہیوں کے ساتھ آگیا۔

"میری ایک بات غور سے سن لیں۔" عمرو درویش نے سالار سے کہا۔ "مجھے کسی بھی وقت اسماق کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ آپ اُسے پریشان کرنا چھوڑ دیں۔ اُسے کسی کھلی اور آرام دہ کوٹھڑی میں رکھیں۔ اُسے تہہ خانے سے نکال کر اوپر لے آئیں۔ وہ میرا دوست ہے۔ مجھے جب اُس کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں اُسے منگوا لوں گا۔ اُسے دھوکہ بھی دے لوں گا۔ اگر وہ نہ مانا تو آپ اس کے ساتھ جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔"

سوڈانی سالار نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ صلیبی مشیروں نے عمرو درویش کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔ اُس نے خوبی سے نقل کی۔ انہوں نے اُسے جو باتیں بتائیں وہ بھی اُس نے زبانی یاد کرنی شروع کر دیں.... چار پانچ روز اُس کی تربیت ہوتی رہی۔ دن کے دوران صلیبی اُس کے ساتھ ہوتے تھے اور رات کو آشی اُس کے پاس ہوتی تھی۔ یہ لڑکی اُس کی مربّہ بن گئی تھی۔ اس کمرے میں جا کر وہ اپنے آپ کو پاکیزہ لڑکی سمجھنے لگتی تھی۔

چھٹے ساتویں روز عمرو درویش ایک درویش کے روپ میں اپنے علاقے میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اُسے درویشوں اور مجذوب عالموں کے کپڑے پہنائے گئے۔ آشی نے اُسے کہا تھا کہ وہ جب اپنی مہم پر روانہ ہو تو اُسے بھی ساتھ لیتا چلے۔ اُس کی خواہش پر عمرو درویش نے سوڈانی سالار سے کہا کہ وہ اس لڑکی کو انعام کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ لڑکی اُسے دے دی گئی۔ اُسے مستور کرنے کے لیے لڑکی کو پردہ نما لبادہ دے دیا گیا۔ تین اونٹ دیے گئے۔ ایک پر عمرو درویش سوار ہوا، دوسرے پر آشی اور تیسرے پر ایک خیمہ اور کھانے پینے کا سامان لاد دیا گیا۔ سوڈانی سالار نے عمرو درویش کو دو باتیں بتائیں۔ ایک یہ کہ اسحاق کو تہہ خانے سے نکال کر اُوپر کھلے کمرے میں بھجوا دیا گیا ہے، اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کے علاقے میں اپنے آدمی موجود ہیں جو اُسے خود ہی ملیں گے اور اُس کی مدد کریں گے۔

عمرو درویش آشی کو ساتھ لے کر ایک خطرناک مہم پر روانہ ہو گیا۔

سوڈانی سالار اُس کے روانہ ہوتے ہی اپنے کمرے میں گیا۔ وہاں چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب سوڈانی مسلمان تھے اور مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کے رہنے والے تھے۔ انہیں سوڈان کی حکومت سے بہت انعام و اکرام ملتا تھا۔ اپنے عقیدے میں وہ پکے مسلمان بنے رہتے تھے۔

"وہ جا چکا ہے۔" سالار نے انہیں کہا۔ "تم دوسرے راستے سے روانہ ہو جاؤ۔ اکیلے اکیلے جانا۔ اپنے علاقے میں پہنچ جاؤ اور اس پر نظر رکھو۔ جہاں تمہیں شک ہو کہ یہ شخص دھوکہ دے رہا ہے۔ اسے ایسے طریقے سے قتل کر دو جس سے کسی کو پتہ نہ چلے۔ میں اور آدمی بھیج رہا ہوں۔ انہیں اپنے گھروں میں رکھ لینا۔"

یہ سب ایک دوسرے کے بعد روانہ ہو گئے۔ سوڈانی سالار نے دو اور آدمی بلائے۔ وہ عرب سوڈانی تھے۔ مسلمان نہیں تھے۔ ان سے سالار نے کہا۔ "ان مسلمانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اپنے علاقے میں جا کر سب ایکا نہ کر لیں۔ یہ چھ آدمی ہمارے ہی ہیں لیکن یہ نہ بھولنا کہ مسلمان ہیں۔ وہاں جا کر ان کی نیت بدل سکتی ہے۔ اگر عمرو درویش ٹھیک رہا تو تمہیں آتش گیر مادے کی ضرورت ہوگی۔ یہ ان آدمیوں نے گھروں میں چھپا رکھا ہے۔ تم جانتے ہو کہ اسے کب اور کہاں استعمال کرنا ہے۔"

یہ دونوں بھی روانہ ہو گئے۔

وہ سپاہی جس نے اسحاق کی بیٹی اور اُس کی بیوی کو بچایا اور کمانڈر کو قتل کیا تھا اسحاق کے گھر رہتا تھا جس روز عمرو درویش روانہ ہوا اُس روز سپاہی کہیں باہر گھوم پھر رہا تھا۔ ایک تیر آیا جو اُس کے جسم کو چھوتا ہوا ایک درخت میں جا لگا۔ سپاہی دوڑ پڑا اور اسحاق کے گھر جا پہنچا۔ اُس نے اسحاق کے باپ کو بتایا کہ اُس پر کسی نے تیر پھینکا ہے۔

کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ تیر کس نے چلایا ہے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ سوڈانیوں نے اُسے قتل کرنے کی پہلی کوشش کی ہے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے محکمۂ جاسوسی و سراغرسانی (انٹیلی جنس) کا سربراہ علی بن سفیان قاہرہ میں تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی صلیبیوں کے دوست مسلمان امراء سیف الدین اور گمشتگین کو اور الملک الصالح کی فوج کو شکست دے کر ان مخالفین کے مرکزی شہر حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کے یہ مسلمان مخالفین ایسی انتہا پسندی اور بوکھلاہٹ میں بھاگے تھے کہ کہیں بھی قدم جما نہ سکے۔ راستے میں تین چار اہم مقام تھے جہاں وہ رُک جاتے اور اپنی بکھری ہوئی فوج کو اکٹھا کر لیتے تو صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے پسپائی کے ایسے راستے اختیار کیے جو جنگی لحاظ سے اُن کے لیے مزید نقصان کا باعث بنے۔ سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی اور ان اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اُس کی منزل حلب تھی۔

اُسے کچھ علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات کیسی کیسی کروٹیں لے رہے ہیں۔ قاصد اُسے رپورٹیں دیتے رہتے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ طرح طرح کی سازشیں سر اُٹھا رہی ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں کبھی پریشان نہیں ہوا تھا، سازشیں اسے پریشان کر دیا کرتی تھیں، اور یہ حقیقت اس کے لیے زہر کی طرح تلخ تھی کہ ان سازشوں اور تخریب کاری کے ہدایت کار صلیبی اور آلۂ کار مسلمان تھے۔ علی بن سفیان اُس کا دستِ راست تھا بلکہ اُس کی آنکھیں اور کان تھا۔ اُسے سلطان ایوبی نے مصر سے غیر حاضری کے دوران مصر میں ہی رہنے دیا تھا اور اپنے ساتھ اُس کے معاون حسن بن عبداللہ کو رکھا۔ مصر کی حکومت سلطان ایوبی کے بھائی العادل کے حوالے تھی۔ اپنے بھائی کی غیر حاضری میں العادل راتوں کو سوتا بھی کم تھا۔ علی بن سفیان کو وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس طرح مصر کا امن و امان اور اس خطے میں اسلام کی آبرو کا تحفظ ان دونوں کی ذمہ داری تھی۔

انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر میں تخریب کاری بڑھ رہی ہے۔ اس کے علاوہ سوڈان کی طرف سے خطرہ تھا۔ دو چار ماہ پہلے العادل نے سوڈانیوں کے ایک عجیب و غریب اور بڑے ہی خطرناک حملے کو غیر معمولی کامیابی سے تباہ کر دیا تھا لیکن سوڈانیوں کے عزائم میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، کیونکہ اُن کا یہ حملہ جو ناکام ہوا تھا باقاعدہ فوج کا حملہ نہیں تھا۔ سوڈان کی باقاعدہ فوج نقصان کے بغیر تیار کھڑی تھی۔ اس فوج کو صلیبی تربیت دے رہے تھے اور بعض دستوں کی کمان بھی صلیبیوں کے ہاتھ تھی۔

سوڈان کے خطرے کی پیش بندی یوں کی گئی تھی کہ سرحد پر سرحدی دستوں کی نفری میں اضافہ کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ علی بن سفیان نے اپنے شعبے کے بے شمار آدمیوں کو سرحد پر پھیلا دیا تھا۔ یہ سب جاسوس اور مخبر تھے۔ وہ صحرائی مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بھیس میں سرحد پر گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ان کا رابطہ سرحدی چوکیوں کے ساتھ تھا۔ ان چوکیوں پر اُن کے لیے گھوڑے تیار رہتے تھے۔ سرحدی دستوں کے گشتی سنتری بھی اُن کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ ایک انتظام اور بھی تھا۔ علی بن سفیان کے چند ایک ماہر جاسوس تاجروں کے بہروپ میں سوڈان کے ساتھ غیر قانونی تجارت کرتے تھے جسے آج کل سمگلنگ کہا جاتا ہے۔ انہیں مال دے کر سرحد پار کرا دی جاتی

تھی۔ یہ لوگ سوڈان جاکر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مصر کے سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آئے ہیں۔
سوڈان میں مختلف اجناس کی نفت تھی جس میں اناج خاص طور پر قابلِ ذکر تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہدایت کے تحت مصر میں زیادہ اناج اگایا جاتا تھا جس کا کچھ حصہ جاسوسی کے سلسلے کی سمگلنگ کے لیے الگ کر لیا جاتا تھا۔
سوڈان کے جو تاجر "مصری" تاجروں کے ساتھ کاروبار کرتے تھے ان میں زیادہ تر جاسوس تھے جو مصر کے لیے کام کرتے تھے۔ انہیں جاسوس مصری جاسوسوں (تاجروں کے روپ میں) نے بنایا تھا۔ جاسوسی کا یہ طریقہ کامیاب ہُوا تو سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ سوڈان کو اناج اور زیادہ سستا دو تاکہ یہ سلسلہ سارے سوڈان میں جال کی طرح پھیل جائے۔ چنانچہ جال پھیلا دیا گیا اور سوڈانی فوج اور حکومت کی ہر ایک نقل و حرکت قاہرہ میں نظر آنے لگی۔
علی بن سفیان نے سرحد کے ساتھ اپنے دو تین ہنگامی مرکز بنا دیئے تھے۔ جونہی کوئی خبر اُدھر سے آتی سرحد کے کسی مرکز کو دے دی جاتی جہاں سے برق رفتار گھوڑوں کے ذریعے قاہرہ پہنچا دی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے جو سوار رکھے گئے تھے وہ مسلسل تمام دن اور رات بغیر آرام کیے سواری کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔
سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم تھا کہ سوڈان میں ایک وسیع پہاڑی علاقہ ہے جس میں صرف مسلمان آباد ہیں اور ان مسلمانوں کی زیادہ تر تعداد مصری فوج میں ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ مسلمان سوڈانی فوج میں بھرتی ہونا پسند نہیں کرتے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دورِ امارت سے کچھ پہلے مصری فوج میں سوڈانی حبشی سوڈانی مسلمان ہُوا کرتے تھے۔ اِن کا کمانڈر بھی سوڈانی تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ اس کمانڈر کا نام ناجی تھا۔ "داستان ایمان فروشوں کی" کے اس سلسلے کی پہلی کہانی میں اسی فوج اور اس کے سالارِ اعلیٰ ناجی کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی سے پہلے ناجی مصر کا مختارِ کُل تھا حالانکہ یہاں خلافت کی گدی بھی تھی اور یہ باقاعدہ امارت تھی۔ کیا خلیفہ اور کیا امیر سبھی سنوں میں بادشاہ تھے۔ صلیبیوں نے مصر کو سلطنتِ اسلامیہ سے کاٹنے کے لیے یہاں تخریب کاری اور سازشوں کے اڈے قائم کر لیے تھے۔ ناجی ان کا اتحادی بن گیا تھا۔ اُس نے مصر کی سوڈانی فوج کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی۔
سلطان ایوبی نے مصر کی امارت سنبھالی تو اُس کی پہلی ٹکر ناجی سے ہوئی۔ سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی مرحوم سے منتخب اور جانباز دستوں کی کمک منگوا کر مصر کی پچاس ہزار سوڈانی فوج توڑ دی۔ اس کے بعض سالاروں کو قید میں ڈال دیا اور نئی فوج تیار کر لی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ سوڈان کی اس معزول فوج کے جو لوگ حلفِ وفاداری کے ساتھ خلوصِ نیت سے مصری فوج میں شامل ہونا چاہیں انہیں بھرتی کر لیا جائے۔ سوڈان کے وہ تمام مسلمان جو اس فوج میں تھے واپس آ گئے۔ وہ جان گئے تھے کہ انہیں غیر مسلم سازش کا آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے جب صلیبیوں کے خلاف دو تین معرکے لڑے اور سلطان ایوبی کو انہوں نے قریب سے دیکھا تو اُن کا ایمان تازہ ہو گیا۔ فوجی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں دین و ایمان اور ملی وقار کے وعظ بھی سنائے جاتے اور انہیں بتایا جاتا تھا کہ اُن کا دشمن، اُن کے مذہب کا دشمن ہے جس کی نظر میں اسلام کی بیٹیوں کی کوئی عزت اور عصمت نہیں۔ اب سلطان ایوبی کی جو فوج عرب میں لڑ رہی تھی اُس

میں خاصی نفری سوڈانی مسلمانوں کی تھی۔
قاہرہ کی انٹیلی جنس اس صورتِ حال سے بے خبر نہیں تھی کہ سوڈان کی حکومت وہاں کے مسلمانوں کو کئی ایک طریقوں سے قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ مصری فوج میں جانے کی بجائے سوڈان کی فوج میں بھرتی ہوں۔ سوڈانیوں نے مسلمانوں پر تشدد کر کے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے نتیجے میں سوڈان کا ایک اعلیٰ فوجی افسر خفیہ طریقے سے قتل ہو گیا تھا۔ سوڈان نے اس علاقے میں باقاعدہ فوج بھیجی تھی۔ مسلمانوں نے اُسے پہاڑیوں اور وادیوں میں گھیر کر مار ڈالا یا بھگا دیا تھا۔ مسلمانوں کو ملانے کا فائدہ حاصل تھا۔ چٹانیں اور پہاڑیاں انہیں آڑ مہیا کرتی اور تحفظ دیتی تھیں۔ یہ مسلمان جنگجو بھی تھے۔
سلطان ایوبی نے اُن کے ساتھ علی بن سفیان کے شعبے کی وساطت سے رابطہ قائم رکھا ہُوا تھا۔ "مصری تاجروں" کے قافلوں کے ذریعے ان مسلمانوں کو اتنا اسلحہ دے دیا تھا جس سے وہ سال بھر کے محاصرے میں لڑ سکتے تھے۔ انہیں چھوٹی منجنیقیں اور آتش گیر مادہ بھی پہنچا دیا گیا تھا جو لوگوں نے گھروں میں چھپا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کے منصوبے میں یہ شامل تھا کہ جنگی کارروائی سے یا دیگر ذرائع سے اس علاقے کو مصر میں شامل کرنا ہے تاکہ یہ مسلمان صحیح معنوں میں آزاد ہو جائیں۔ یہ علاقہ سرحد سے آدھے دن کی مسافت پر تھا۔ علی بن سفیان نے وہاں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے جو محض مخبر نہیں تھے تجربہ کار لڑاکے اور چھاپہ مار (کمانڈو) تھے۔
یہ مسلمان عسکری نوعیت کا خزانہ اور بڑی کارآمد جنگی قوت تھے حالانکہ اُن کی تعداد بمشکل اڑھائی ہزار تھی۔ انہیں چھوڑ کر سوڈان کے پاس حبشی رہ جاتے تھے جن کے ہاں کوئی عسکری تاریخ اور جنگی روایت نہیں تھی۔ وہ ملازموں کی حیثیت سے لڑتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اُن کا رویہ یہ ہوتا تھا کہ اُن کے دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگیں تو شیر ہو جاتے تھے اور اگر دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو محتاط ہو کر لڑتے اور پیچھے ہٹنے لگتے تھے۔ اُن کی ٹریننگ کے لیے صلیبی پہنچ گئے تھے یا مصری فوج کے دو تین غدار سالار زر و جواہرات کے لالچ میں سوڈان چلے گئے تھے۔ صلیبیوں اور اُن کے مصری سالاروں کی بدولت سوڈان کی فوج میں کچھ اہلیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سوڈانی حکومت مصر پر کھلا حملہ کرنے سے گھبراتی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اپنی فوج میں شامل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ صلیبی مشیر جانتے تھے کہ پچاس ہزار حبشیوں کی نسبت پانچ ہزار مسلمان کافی ہیں۔

☆

علی بن سفیان کو اطلاع ملی کہ سرحدوں کے سوڈانی علاقے میں یہ واقعہ ہُوا ہے کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے کمانڈر کو قتل کر دیا اور مسلمانوں کے علاقے میں پناہ لے لی ہے۔ یہ خبر لانے والے جاسوس نے علی بن سفیان کو پورا واقعہ سنایا۔ اُس نے اس سپاہی سے تصدیق کر لی تھی۔ سپاہی سے اُس نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ اسحاق نام کا کمانڈر قید خانے میں زندہ ہے اور اُسے اس مقصد کے لیے تیار کرنے کے لیے قید خانے کے عہدہ داروں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا دے۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ اس علاقے پر اسحاق کا اثر و رسوخ ہے۔

"یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسماق کو قید خانے سے رہا کرایا جائے۔" علی بن سفیان نے جاسوس سے پوری رپورٹ لے کر مصر کے قائم مقام امیر العادل سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ قید خانوں میں کیسا کیسا تشدد کیا جاتا ہے۔ ہم بھی تشدد کرتے ہیں۔ پتھر بھی بول پڑتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسماق سوڈانیوں کے رنگ میں رنگا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دو تین اور مسلمان کماندار قید خانے میں ہیں۔ سب پر تشدد کیا جا رہا ہے۔ میں تو یہاں تک مشورہ دینے کو تیار ہوں کہ اپنے کچھ چھاپہ مار مسلمانوں کے علاقے میں بھیج دیئے جائیں۔ میں یہ خدشہ دیکھ رہا ہوں کہ اپنے کماندار کے قتل کا انتقام لینے کے لیے سوڈانی فوج مسلمانوں پر حملہ کر دے گی۔"

"دوسرے ملک میں چھاپہ مار بھیجنے کے لیے ہمیں ہر پہلو پر غور کرنا پڑے گا۔" العادل نے کہا۔ "اس کا نتیجہ کھلی جنگ بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے پاس غور کرنے کے لیے وقت نہیں۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "ہمیں فوری طور پر دو کارروائیاں کرنی پڑیں گی۔ کسی ذہین قاصد کو پیغام دے کر محترم سلطان کی طرف بھیجا جائے اور ان سے حکم لیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ میں خود سوڈان میں داخل ہو کر مسلمانوں کے علاقے میں چلا جاؤں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ صحیح خبر صرف میری آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں فوج حملہ نہ کرے۔ وہاں صلیبی موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کو توہم پرستی میں مبتلا کر کے ان کے نقریات اور عقیدوں کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ مسجدوں میں اپنے مولوی بھیج کر لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسی چالیں مصر کے اندر آ کر بھی کر چکے ہیں۔ مجھے یہی ڈر ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے اور ملی جذبے پر حملہ ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری قوم میں یہ خامی ہے کہ دشمن کی جذباتی اور ہیجانی باتوں میں جلدی آ جاتی ہے۔ دشمن دیکھ چکا ہے کہ مسلمان کو میدان جنگ میں مارنا آسان نہیں۔ جاسوسوں اور نظریوں کی معرکہ آرائی میں دشمن ایسے ہتھیار استعمال کرتا ہے کہ مسلمان ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں چلا جاؤں اور آپ ابھی ایک قاصد سلطان محترم کی طرف روانہ کر دیں۔"

"آپ کی غیر حاضری میں آپ کی ذمہ داریاں کون سنبھالے گا؟"

"خیانت البیس۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "اس کے ساتھ میرا ایک معاون نائب بن رہے گا۔ آپ کو میری غیر حاضری محسوس نہیں ہو گی۔"

"بہت بڑی کمی محسوس ہو گی۔" العادل نے کہا۔ "آپ دشمن کے ملک میں جا رہے ہیں۔ اگر واپس نہ آ سکے تو صحرا، جھاڑ اور بہروپ ہو جائے گا۔"

"میں نہ ہوا تو قوم مر نہیں جائے گی۔" علی بن سفیان نے مسکرا کر کہا۔ "افراد قوموں کی خاطر مرتے رہیں تو قومیں زندہ رہتی ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی یہ سوچ لیں کہ وہ مارے گئے تو قوم تباہ ہو جائے گی تو وہ گھر بیٹھ جائیں اور سلطنت اسلامیہ پر صلیبی ہاتھ صاف کر جائیں۔ مجھے سلطان کا یہ اصول بہت پسند ہے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ دشمن کا انتظار گھر بیٹھ کر نہ کرو۔ اس پر نظر رکھو۔ وہ تیاری کی حالت میں ہو تو اس کے پہلو یا عقب میں چلے جاؤ۔ میں اسی اصول پر جا رہا ہوں۔ دشمن نے مسلمانوں کے علاقے میں کامیابی حاصل کر لی تو ہم اپنے کون سے کارنامے

پر فخر کریں گے؟"

"آپ چلے جائیں۔" العادل نے کہا۔ "یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ احتیاط لازمی ہے۔ میں سلطان کے نام پیغام لکھ کر بھیج دیتا ہوں۔"

علی بن سفیان سوڈان میں داخل ہونے کی تیاری کرنے چلا گیا۔ العادل نے کاتب کو بلایا اور سلطان ایوبی کے نام پیغام لکھوانے لگا۔ اس نے سوڈان سے مسلمانوں کے علاقے کی اطلاع تفصیل سے لکھوائی۔ یہ بھی لکھوایا کہ یہ پیغام آپ تک پہنچنے سے پہلے علی بن سفیان سوڈان میں جا چکا ہو گا۔ العادل نے علی بن سفیان کے مشورے بھی لکھوائے اور سلطان صلاح الدین ایوبی سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے۔

قاصد کو پیغام دے کر العادل نے اسے کہا کہ اسے ہر چوکی سے گھوڑا بدلنا ہے اور گھوڑے کی رفتار کسی بھی حالت میں سست نہیں ہونی چاہیے۔ کھانا پینا دوڑتے گھوڑے پر ہو گا۔ اگر راستے میں دشمن کے چھاپہ ماروں کا خطرہ ہوا تو قاصد پیغام ضائع کر دے گا۔ ان ہدایات کے ساتھ قاصد کو روانہ کر دیا گیا۔

☆

عمرو درویش شہر سے بہت دور نکل گیا تھا۔ اس کے ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ عمرو رات کے قیام کے لیے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا تھا۔ دور اسے درخت نظر آئے جہاں پانی بھی ہو سکتا تھا لیکن اس کے پاس پانی کا ذخیرہ موجود تھا۔ اونٹوں کو پانی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نخلستان سے دور قیام کرنا چاہتا تھا تاکہ صحرائی ڈاکوؤں سے بچا رہے۔ اس کے ساتھ آشی تھی جو سیاہ برقعے میں ملبوس تھی۔ یہ قیمتی لڑکی تھی کسی ڈاکو کی نظر پڑ جانے سے اس کا بچنا ناممکن تھا۔۔۔۔ اسے ایک جگہ نظر آ گئی۔ اس نے اونٹ روکے اور وہیں خیمہ گاڑ دیا۔

اسے دو شتر سوار اپنی طرف آتے نظر آئے۔ آشی کو اس نے خیمے میں بھیج کر پردے گرا دیئے اور خود باہر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چغے میں تلوار چھپی ہوئی تھی۔ خنجر بھی تھا اور خیمے میں دو کمانیں اور بہت سے تیر بھی تھے۔ شتر سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سوچنے لگا کہ یہ ڈاکو ہوئے تو کیا وہ ان کا مقابلہ کر سکے گا۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ آشی صرف دل بہلانے والی لڑکی نہیں، وہ لڑ بھی سکتی ہے۔ تیر اندازی کی بھی اسے تربیت حاصل تھی۔ وہ صلیبیوں کی تیار کی ہوئی تخریب کار لڑکی تھی۔ شتر سوار آ رہے تھے۔ عمرو درویش نے سر اٹھنی کی طرف رکھا اور آشی سے کہا۔

"کمان میں تیر ڈال لو۔ اگر یہ ڈاکو نکلے تو پردے کے پیچھے سے تیر چلا دینا۔"

شتر سوار خیمے کے قریب آ کر رکے۔ ایک نے اونٹ کی پیٹھ سے ہی پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟"

عمرو درویش نے ہاتھ آسمان کی طرف کر کے جھومتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جس کے سینے میں آسمان کا پیغام ہو اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ میں کون ہوں؟۔۔۔۔ مجھے بھی معلوم نہیں۔ کبھی کبھی ہوا کرتا تھا۔ آسمان سے ایک پیغام آیا۔ میرے سینے میں اتر گیا۔ ذہن سے یہ نکل گیا کہ میں کون ہوں۔ میں کہاں جا رہا ہوں؟۔۔۔۔ میرے سینے میں جو روشنی اتر آئی ہے، وہ بتا سکتی ہے۔ اس میں میرے ارادوں کا کوئی دخل نہیں۔ میں آگے جا رہا تھا۔ صبح کو شاید تمہارے کو چل پڑوں۔"

دونوں اونٹوں سے اُتر آئے۔ ایک نے کہا۔ "آپ نوکرئی پیر پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ کیا آپ غیب کی خبر دے سکتے ہیں؟ ہم گناہگاروں کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں؟"

"میں بھی مسلمان ہوں۔" عمرو درویش نے دھیمی سی کیفیت میں کہا۔ "تم بھی مسلمان ہو مجھے تمہاری نیت ٹھیک نظر آرہی ہے۔ میں بھی تمہاری طرح پوچھتا پھرتا تھا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ خون میں ڈوبی ہوئی لاشوں میں مجھے سبز رنگ کا ایک جُبّہ اور اس میں سفید داڑھی والا ایک انسان کھڑا نظر آیا۔ اُس نے مجھے لاشوں سے اٹھایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ پھر وہ لاشوں کے خون میں غائب ہوگیا.... تم پہاڑیوں میں رہتے ہو تو صحراؤں میں چلے جاؤ۔ مصر کا نام دل سے اتار دو۔ وہ فرعونوں کا ملک ہے۔ وہاں جو بادشاہ آتا ہے اُسے مصر کی مٹی اور وہاں کی ہوا فرعون بنا دیتی ہے۔"

"اب تو وہاں کا بادشاہ صلاح الدین ایوبی ہے۔" ایک شتر سوار نے کہا۔ "وہ پکا مسلمان ہے۔"

"اس کا نام مسلمانوں جیسا ہے۔" عمرو درویش نے ایسے لہجے میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔ "وہی تمہاری تباہی لا رہا ہے۔ تم جس مٹی سے پیدا ہوئے ہو اُس کی عزت پر خون بہاؤ تم سوڈان کے بیٹے ہو۔"

"مگر سوڈان کا بادشاہ کافر ہے۔" شتر سوار نے کہا۔

"وہ مسلمان ہو جائے گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اُس کی فوج کافروں کی فوج ہے اس لیے وہ اسلام کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ۔ تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ اُسے بتاؤ کہ تم اُس کے محافظ ہو۔ تم سوڈان کے محافظ ہو۔"

اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "جاؤ۔ اُٹھو یہاں سے چلے جاؤ۔"

دونوں اونٹوں پر سوار ہوتے اور چلے گئے۔ کچھ دُور جا کر ایک سوار نے دوسرے سے کہا۔ "دھوکہ نہیں دے گا میرا بھی یہی خیال ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "پکا معلوم ہوتا ہے۔ سبق بھولا نہیں۔"

"آؤ بیسا خوبصورت انعام نہیں مل جائے تو ہم اپنے ماں باپ کے بھی نافرمان ہو جائیں۔" شتر سوار نے کہا۔

"واپس چلتے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔ "بتائیں گے کہ سب ٹھیک ہے.... لڑکی شاید خیمے میں ہوگی۔"

"آدمی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے لڑکی کو چھپا دیا تھا۔" اُس نے کہا۔ "میرا خیال ہے انہیں ... مداخلت کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں ہونی چاہئے۔" دوسرے نے کہا۔ "سپاہی ہے اس کے پاس ہتھیار بھی ہیں۔ تیر کمان ہے ... بھی ہوشیار ہے۔"

وہ دونوں سوڈانی جاسوس تھے جنہیں یہ معلوم کرنے کے لیے عمرو درویش کے پیچھے بھیجا گیا تھا کہ وہ ... سلیم کے مطابق کر رہا ہے یا نہیں۔ عمرو درویش نے بڑی اچھی اداکاری کی تھی جس سے یہ دونوں مطمئن ہو کر چلے گئے۔

"وہ ڈاکو نہیں تھے۔" عمرو درویش نے خیمے میں جا کر آشی سے کہا۔ "چلے گئے ہیں۔"

"یہ ڈاکوؤں سے زیادہ خطرناک تھے۔" آشی نے کہا۔ "تم نے انہیں بڑے اچھے طریقے سے ٹالا ہے۔" پھر بولی۔ "جنہوں نے تمہیں ادھر بھیجا ہے ان کے جاسوس تھے۔" آشی نے کہا۔ "یہ نہیں دیکھے آنے تھے کہ تم انہیں دھوکہ تو نہیں دے رہے۔"

"تم انہیں جانتی ہو؟"

"میں انہی کے درخت کی ایک ٹہنی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "ان سے کٹ کر گری تو سوکھ جاؤں گی۔"

"مجھے تم سے بھی محتاط رہنا پڑے گا۔"

لڑکی ہنس پڑی اور بولی۔ "تم نے خود ہی مجھے انعام کے لالچ پر مانگا تھا۔"

☆

رات وہ خیمے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ آشی کی آنکھ کھل گئی۔ باہر بھیڑیے غرا رہے تھے۔ اونٹ ڈر کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور عجیب طریقے سے بولنے لگے۔ آشی نے عمرو درویش کو جگایا اور اُسے بتایا کہ وہ خوف کے مارے مر رہا ہے۔ عمرو درویش نے باہر کی آوازیں سنیں تو آشی سے کہا۔ "یہ بھیڑیے ہیں۔ قریب نہیں آئیں گے۔ اونٹ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ڈر نہیں۔ بھیڑیے ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔"

اچانک بھیڑیے آپس میں لڑ پڑے۔ ایسی خوفناک آوازیں تھیں کہ آشی چیخ مار کر عمرو درویش پر جا پڑی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے آشی کو اس طرح اپنی آغوش اور بازوؤں کی پناہ میں لے لیا جس طرح ماں ڈرے ہوئے بچے کو چھپا لیا کرتی ہے۔ لڑکی کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ اُس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ بھیڑیے لڑتے لڑتے دُور چلے گئے تھے۔

عمرو درویش لڑکی کو پرے کرنے لگا اور کہا۔ "وہ چلے گئے ہیں۔ سو جاؤ۔"

"نہیں۔" آشی نے اس کی آغوش سے سر نہ اٹھایا۔ دھیمی سی آواز میں بولی۔ "ذرا دیر اور یہیں پڑے رہنے دو۔"

عمرو درویش کو یہ صورت پسند نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ اُسے اپنے حسین جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اور زیادہ پتھر بن گیا۔ لڑکی کا جسم بڑا ہی گداز اور بال بہت ہی ملائم تھے۔ اُس نے اتنی حسین لڑکی کو کبھی چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اب محسوس کرنے لگا کہ لڑکی اسی طرح اُس کی آغوش میں پڑی رہی تو وہ اس انگیخت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ وہ آخر انسان تھا اور تنومند مرد تھا۔ اس نے اپنے نفس کا مقابلہ شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے سر اٹھایا۔ تاریکی میں اُس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آرہے تھے۔ اُس نے ہاتھوں سے عمرو درویش کا چہرہ ٹٹول کر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور کہا۔ "تم نے ایک رات مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ کون ہیں اور کہاں ہیں۔ یہی سوال تمہارے دوسرے ساتھی نے جو تم سے پہلے اُس کمرے میں آیا تھا مجھ سے پوچھا تھا۔ مجھے اُن کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا مگر یہ سوال مجھے پریشان کرتا رہا اور بہت ہی پرانی یادیں بیدار کرتا رہا۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا لیکن ذہن کے اندھیرے میں گم ہو جاتا تھا۔ آج یاد آگیا ہے۔ تم نے مجھے اپنے بازوؤں میں

لے کر مجھے اپنی آغوش میں چھپا لیا تو میرے ذہن میں روشنی سی چمکی۔ اس نے مجھے بہت ہی پرانا وقت دکھا دیا۔ میں اُس وقت بہت چھوٹی تھی۔ مجھے باپ نے اسی طرح سینے سے لگا کر مجھے اپنے بازوؤں میں چھپا لیا تھا۔"

وہ چپ ہو گئی۔ وہ یادوں کی کڑیاں ملانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اچانک بچوں کی سی شوخی سے بولی

"ہاں وہ میرا باپ تھا۔ ایسا ہی رگیستان تھا معلوم نہیں رات تھی یا دن تھا۔ ہم ایک قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔ بہت سے گھوڑ سوار آئے اور قافلے پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کے پاس تلواریں اور برچھیاں تھیں۔ یہ ڈراؤنا سا خواب ہے جو آج تمہاری آغوش اور بازوؤں کی گرمی سے ذہن میں زندہ ہو گیا ہے۔ مجھے باپ نے تمہاری طرح پناہ میں لے لیا تھا.... یہ بھی یاد آ گیا ہے۔ میرے باپ کے بازو ڈھیلے پڑ گئے تھے اور وہ پیچھے کو گر پڑا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر مجھے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ماں بھی یاد آ گئی ہے۔ وہ میرے اُوپر گری تھی۔ شاید مجھے بچانے کے لیے گری تھی.... پھر یاد آتا ہے کہ وہ ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ مجھے خون بھی یاد آتا ہے۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر اُٹھا لیا تھا اور کسی نے کہا تھا

"خالص ہیرا ہے۔ جوان ہوئی تو دیکھنا۔" مجھے اپنی چیخیں بھی یاد آ گئی ہیں۔ میں آج رات کی طرح چیخی تھی۔"

"دماغ پر زیادہ زور نہ دو۔" عمر درویش نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "میں ساری کہانی بُوجھ گیا ہوں۔ تم مسلمان کی اولاد ہو۔ تم عرب یا فلسطین کی رہنے والی ہو۔ صلیبی مسلمانوں کے قافلوں کو لُوٹ لیا کرتے تھے۔ اب بھی جو علاقے اُن کے قبضے میں ہیں وہاں وہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ وہ زر و جواہرات اور تم جیسی خوبصورت بچیوں کو لے جاتے ہیں۔ میں جان گیا ہوں تم یہاں تک کیسے پہنچی ہو۔"

"میں جب کچھ سوچنے سمجھنے لگی تو میں نے اپنے جیسی بہت سی بچیوں کو دیکھا۔" آشی نے کہا۔ "ہمیں بہت اچھا کھانا اور بہت خوبصورت کپڑے پہنائے جاتے تھے۔ گورے گورے آدمی اور عورتیں ہم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ انہوں نے میرے ذہن سے ساری یادیں مٹا دی تھیں۔ میں وہیں بڑی ہوئی تھی۔ وہ یروشلم تھا۔ لڑکپن سے ہمیں بے حیائی کے سبق ملنے لگے۔ شراب بھی پلائی جاتی تھی۔ عربی زبان سکھائی گئی، پھر سوڈانی زبان سکھائی گئی۔ میں جب جوان ہوئی تو مجھے اس استعمال میں لایا جانے لگا جس میں تم نے مجھے دیکھا ہے۔ تیغ زنی اور تیر اندازی کی تربیت بہت مشق کرائی گئی تھی.... آج تم نے مجھے خوفزدگی کی حالت میں پناہ میں لیا تو مجھے اچانک اپنا باپ یاد آ گیا۔ میرے متعلق اس کے جذبات پاک تھے اور تمہارے جذبات بھی پاک ہیں۔ اسی لیے میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے کچھ دیر اور اپنی آغوش میں پڑا رہنے دو۔ مجھے اپنے باپ کی آغوش کا لُطف آ رہا تھا۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہاری غلام رہوں گی۔ میں اب سوڈانیوں اور صلیبیوں کے کام نہیں آ سکوں گی۔ یہ تمہاری پاکیزہ خیالی اور نیک نیتی کا کرشمہ ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ تم نے میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون گرما دیا ہے۔ اب میں تمہیں یہ کام نہیں کرنے دوں گی جس کے لیے تم جا رہے ہو۔ تم نے میرے اندر ایمان کی قندیل روشن کر دی ہے۔"

"چند دن مجھے یہ کام کرنا پڑے گا۔" عمر درویش نے کہا۔ "میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں۔"

"اور میں تمہاری مدد کروں گی۔"

☆ ☆

طُور کا جلوہ

عمرو درویش جب خیمہ اکھاڑ کر سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کو روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا تو وہ اس حسین و جمیل لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جو اُس کی ہمسفر تھی۔ لڑکی مسلمان تھی۔ اس حیثیت کی وجہ سے عمرو درویش اُسے صلیبیوں کا آلۂ کار بنے رہنے سے باز رکھنا چاہتا تھا مگر وہ چار پانچ سال کی عمر میں صلیبیوں کے ہاتھ لگی تھی۔ انہوں نے بیس سال کا عرصہ صرف کر کے اُس پر ہو رنگ چڑھا دیا تھا وہ اتارنا آسان نہیں تھا۔ بیشک لڑکی نے اپنے ذہن میں اس حقیقت کو خود ہی دریافت کر لیا تھا کہ وہ مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہے اور اُس نے اپنے دل میں صلیبی آقاؤں کے خلاف نفرت پیدا کر کے عمرو درویش سے کہا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گی مگر عمرو درویش سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی پر اعتبار کرے یا نہ کرے۔

رات ایک ہی خیمے میں گزار کر صبح لڑکی نے عمرو درویش سے پوچھا — "مجھے شک ہے کہ تم مجھے ابھی تک اپنا دشمن سمجھ رہے ہو"

"حوریت کے جال میں اُلجھ کر مسلمان قوم نے بہت نقصان اٹھایا ہے آشی!" — عمرو درویش نے جواب دیا — "تم بہت ہی خوبصورت ہو۔ تمہاری تربیت ایسی کی گئی ہے کہ تمہاری چال ڈھال بول چال اور انداز انسان کے اندر حیوان کو بیدار کر دیتا ہے۔ میں جوان ہوں۔ کئی سال میدانِ جنگ میں اور کچھ عرصہ سوڈان کے قید خانے میں جنگی قیدی کی حیثیت سے گزارا ہے۔ اتنی لمبی مدت گھر کی چار دیواری نہیں دیکھی۔ رات خیمے میں تم میرے ساتھ تنہا تھیں۔ میں رات بھر خدائے ذوالجلال سے مدد مانگتا رہا ہوں کہ میں حیوانیت کا مقابلہ کر سکوں۔ میں کامیاب رہا۔ خداوند دو عالم نے میری بہت مدد کی۔ پھر میں یہ سوچتا رہا کہ تمہیں اپنا دشمن سمجھوں یا دوست۔ میں اب بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ میں ابھی تمہارا یہ شک رفع نہیں کر سکتا کہ میں تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ تمہیں ثابت کرنا ہے کہ تم قابلِ اعتماد ہو"

"میں تمہیں ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تم نے میرے سینے میں ایمان کی شمع روشن کر دی ہے" — آشی نے کہا — "اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم اگر اس مہم میں جس پر تمہیں سوڈانیوں نے بھیجا ہے، سوڈانیوں کو دھوکہ

دینا پار ہو گئے تو میں تمہارا ساتھ دوں گی. میری جان بھی چلی جائے تو پیچھے نہیں ہٹوں گی. یہ میں نے ہی نہیں بتایا تھا کہ یہ جو دو آدمی تمہارے مربی بن کر گئے ہیں دراصل سوڈانیوں کے جاسوس ہیں۔"

"مجھے سوچنے دو آشی!"۔۔۔ عمرو درویش نے کہا۔۔۔ "میں جان گیا ہوں۔ میرے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ میں تمہیں بھی اس جال کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔ تم ابھی اسی طرح کرنا جس طرح تمہیں بتایا گیا ہے۔ میں بھی اسی سبق اور ہدایت پر عمل کروں گا جو مجھے دی گئی ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں مگر میں اس مہم سے انحراف بھی نہیں کر سکتا۔ میں انحراف کا نتیجہ جانتا ہوں کیا ہوگا۔ دو تین تیروں کے رخ ہر لمحہ میری طرف رہتے ہیں۔ میں انہیں اُس وقت دیکھ سکوں گا جب یہ میرے سینے میں اُتر جائیں گے۔"

"میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی"۔۔۔ آشی نے کہا۔۔۔ "میں ثابت کروں گی کہ میری رگوں میں سلمان باپ کا خون ہے۔"

وہ اونٹوں پر سوار مسلمانوں کے علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ تیسرے اونٹ پر اُن کا خیمہ اور دیگر سامان تھا۔ آشی جو یتیم عریاں رہتی تھی، سیاہ کپڑوں میں ملبوس اور اُس کا چہرہ مستور تھا۔ دیکھنے والا کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ نوخیز لڑکی صلیبیوں کا ایک خوبصورت تیر ہے جو پتھر جیسے انسان کے دل میں اُتر جائے تو وہ موم ہو کر صلیبیوں کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ دور ایک گھوڑ سوار اسی سمت جا رہا تھا جدھر یہ دونوں جا رہے تھے۔ عمرو درویش نے اس سوار کو کئی بار دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سوڈانیوں کے اُن جاسوسوں میں سے ہی ہوگا جو اس کے ساتھ سائے کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ یہ شک اُسے پریشان کر رہا تھا کہ یہ صحرائی رہزنوں کا کوئی آدمی ہوا تو وہ کیا کریگا۔

"آشی!"۔۔۔ اُس نے اپنی ہمسفر سے کہا۔۔۔ "اس سوار کو دیکھ رہی ہو جو اُفق پر جا رہا ہے؟"

"بہت دیر سے دیکھ رہی ہوں۔"

"اگر یہ رہزنوں کے گروہ کا ہوا تو کیا ہم مقابلہ کر سکیں گے؟"

"ہمارے پاس ہتھیار ہیں"۔۔۔ آشی نے دلیرانہ جواب دیا۔۔۔ "رات کو سوتے میں ہم پر آ پڑے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ دن کے وقت ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ تمہارے ساتھ میں ہی ایک دولت ہوں۔ وہ مجھے زندہ نہیں لے جا سکیں گے۔"

صحرائے ان خطروں میں وہ چلتے گئے۔ سورج اُوپر آ کر مغرب کی طرف نیچے جاتا رہا اور انہیں پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ بلند پہاڑیاں تو دُور تھیں، یہ علاقہ جہاں سے شروع ہوتا تھا وہ بھی دُور نہیں تھی۔ اونٹ چلتے گئے اور وہ خطہ آ گیا جہاں عمرو درویش کو اپنی مہم کا آغاز کرنا تھا۔ مسلمانوں کا پہلا گاؤں تھوڑی ہی دُور رہتا تھا۔ عمرو درویش خود بھی اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ گھوڑ سوار جو دُور دُور رہا تھا، رُخ بدل کر ادھر آ گیا اور ان سے آن ملا۔

"تمہارا قیام اس جگہ ہوگا"۔۔۔ گھوڑ سوار نے عمرو درویش سے کہا۔۔۔ "تم مجھے نہیں جانتے، میں تمہیں جانتا ہوں"۔۔۔ اُسے دیکھ کر آشی نے چہرے سے نقاب اُٹھا دیا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔ سوار نے اس سے پوچھا۔۔۔ "سفر اچھا گزرا؟"

"بہت اچھا"۔۔۔ آشی نے بیباک مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"تم دونوں گھبرانا نہیں"۔۔۔ سوار نے انہیں کہا۔۔۔ "تمہارے سفر کے دوران تمہاری حفاظت کا ایسا انتظام ساتھ ساتھ رہا ہے جسے تم دونوں دیکھ نہیں سکے، ورنہ اتنی خوبصورت لڑکی یہاں تک نہ پہنچ سکتی۔"

"تم کون ہو؟"۔۔۔ عمرو درویش نے اس سے پوچھا۔

"سوڈانی مسلمان"۔۔۔ سوار نے جواب دیا۔ اُس نے کہا۔۔۔ "اب یہ نہ سوچو کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں۔ تم بھی میری طرح اسی علاقے کے مسلمان ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہاں ذرا سی بھی غلطی ہو گئی تو یہاں کے مسلمان ہماری بوٹیاں اڑا دیں گے"۔۔۔ سوار نے آگے ہو کر رازداری سے کہا۔۔۔ "اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم نے اپنے کام میں کوئی گڑبڑ کی تو بغیر اللہ تعالیٰ قتل ہو جاؤ گے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے یہاں تمہیں کیا کرنا ہے۔ آج رات تم آرام کرو گے۔ کل تمہارے پاس یہاں کے لوگ آنے لگیں گے۔ آشی کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔"

عمرو درویش کو سب کچھ معلوم تھا۔ اُسے اس علاقے کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت پھیلانی تھی اور مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا کر انہیں اُس سوڈانی فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تیار کرنا تھا جسے مصر پر حملہ اور قبضہ کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ وہ اس وقت بن بر سرِ پیکار تھا۔ صلیبیوں کا یہ منصوبہ تھا کہ سوڈانی فوج کو تیار کر کے مصر پر حملہ کیا جائے مگر سوڈانی مسلمانوں کے جنگجو قبیلے سوڈان کے باشندے ہونے کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبی کے معتقد اور مُرید تھے۔ عمرو درویش ان کے عقیدوں کو تہس نہس کرنے آیا تھا۔

سورج غروب ہو گیا تھا جب عمرو درویش نے اس سوار کی مدد سے خیمہ گاڑ لیا۔ سوار نے جانے سے پہلے کہا۔۔۔ "کل شاید مجھے تمہارے ساتھ الگ بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ لوگ صبح سویرے یہاں آ جائیں گے"۔۔۔ اُس نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔۔۔ "شام کو دُھندلاہٹ میں بھی وہ اوپر تمہیں چھاتے کی طرح درخت نظر آئے گا۔ اُسے یاد رکھنا۔ کل رات تمہیں اُدھر مشعل کا اشارہ کرنا ہے۔ کل جو کپڑا تمہیں استعمال کرنا ہے اُسے صبح تیار کر لینا۔۔۔ میں جا رہا ہوں۔ اب ذرا ذرا سی حرکت میں بھی احتیاط کرنا۔"

وہ لڑکی کو اشارے سے باہر لے گیا اور اُسے کہا۔۔۔ "تمہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہاں کے سنان وحشی ہیں۔ ہم تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں لیکن تمہیں اپنی حفاظت خود زیادہ کرنی ہوگی۔ اس آدمی کو اپنے قبضے میں رکھنا۔" اُس نے لڑکی کے شانوں پر بکھرے ہوئے بالوں کو چھیڑا اور ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لا کر کہا۔

"ان حسین زنجیروں میں تو تم شیر کو بھی جکڑ سکتی ہو۔"

"تم بھی تو ہمیں کے مسلمان ہو"۔۔۔ آشی نے لرز کر کہا۔۔۔ "تم وحشی نہیں ہو؟"

"تمہیں دیکھ کر کون وحشی نہیں ہو جاتا"۔۔۔ اُس نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شام کے گہرے ہوتے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

☆

یہ سوار ان مسلمانوں میں سے تھا جنہوں نے ایمان بیچ ڈالا تھا۔ اور دشمن کے اس زمین دوز حملے کی قیادت کر رہا تھا جو سیدھے سادھے مسلمانوں کے عقیدے پر کیا جا رہا تھا۔ وہ اسی علاقے کے کسی گوشے کا رہنے والا تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ قوم کی آستین کا سانپ ہے۔ اس حملے میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ یہ آٹھ دس مسلمانوں کا گروہ تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ایک گاؤں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک اور آدمی مل گیا۔ وہ اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" — اس نے سوار سے پوچھا۔

"ہے تو سب ٹھیک" — سوار نے جواب دیا — "کسی بھی وقت معاملہ چوپٹ ہو سکتا ہے۔ اگر صلیبیوں نے بچے کھچے سبق پڑھائے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ لڑکی کے تیور بدلے ہوئے لگتے ہیں۔ وہ کچھ سہمی سہمی اور خاموش خاموش نظر آتی ہے۔"

"آشی تو کہتے ہیں بہت ہوشیار اور تیز لڑکی ہے۔"

"شاید سفر کی تھکن سے نیند ماند پڑ گئی ہو" — سوار نے کہا — "عمرو درویش بھی تو وحشی ہے؟"

وہ باتیں کرتے گاؤں میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سوار اور ساتھی اُن کے پاس رک گئے۔ بتایا کہ وہ سفر میں ہیں اور اپنے گاؤں کو جا رہے ہیں۔ اپنے گاؤں کا نام بھی بتایا اور حیرت زدہ لہجے میں کہا — "یہاں سے تھوڑی دور ایک بزرگ اترا ہوا ہے۔ صرف خدا کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ دن کے وقت بھی دائیں اور بائیں دو مشعلیں جلا کر رکھتا ہے۔ ہم اسے دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ زبانی پڑھتا ہے۔ اس نے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ ہم نے اسے بلایا۔ وہ نہیں بولا۔ اس کے خیمے کے قریب سے زمین سے دھوئیں کا بادل اٹھا، بادل اوپر جا کر غائب ہو گیا اور اس میں سے ایک لڑکی نکلی جس کے حسن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہم ڈر گئے کیونکہ لڑکی انسان نہیں جن معلوم ہوتی تھی ان نے بزرگ کے آگے سجدہ کیا۔ سجدہ سے اٹھ کر کان بزرگ کے منہ سے ساتھ لگایا۔ بزرگ کے ہونٹ ہلے۔ لڑکی ہمارے سامنے آن کھڑی ہوئی....

"ہم ڈر کر بھاگنے لگے لیکن زمین نے ہمیں پکڑ لیا۔ شاید لڑکی کی آنکھوں نے ہمیں جکڑ لیا۔ اس نے ہمیں کہا — یہ خدا کا ایلچی ہے۔ تم سب کے لیے پیغام لایا ہے۔ اسے پریشان نہ کرو۔ یہ اس وقت خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ کل آؤ۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو تم سب کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔ میں ابھی ابھی کوہ طور سے آئی ہوں۔ اس نے بلایا تھا۔ اس نے میرے کان میں کہا ہے کہ ان سے کہو کہ تمہاری تقدیر بدل دوں گا۔ بے صبر ہو جاؤ گے تو کہیں اور چلا جاؤں گا، — ہم لڑکی کے ساتھ بات نہیں کر سکے۔ ہمارے جسم پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ ہم کچھ بھی نہیں بول سکے بزرگ کی طرف دیکھا تو اس کے سر پر نور کا ہالہ تھا۔ ہم وہاں سے چلے آئے۔"

اُن کا لہجہ سنسنی خیز تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اُن پر حیرت اور خوف طاری ہے۔ انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ حیرت انگیز بات جذبات کو ہلا دیتی ہے۔ سنسنی سرور دیتی ہے۔ یہی حال ان دو سننے والوں کا ہوا۔ انہوں نے دو گھروں کے دروازوں پر دستک دے کر دو تین آدمیوں کو بلا لیا اور جو انہوں نے سنا تھا وہ انہیں سنا

دیا۔ سوار اور اس کے ساتھی نے دل پسند اور لذیذ سے اضافے بھی کر دیئے۔ لڑکی کا حسن اپنے الفاظ میں بیان کیا کہ سننے والے خدا اور قرآن کی بجائے اس بزرگ کی بجائے اپنے دماغوں پر لڑکی کو سوار کرنے لگے۔ ان آدمیوں نے سوار اور اس کے ساتھی کو مہمان ٹھہرا لیا۔ دوسرے گھروں کے آدمی بھی آ گئے۔

☆

ابھی سورج نہیں نکلا تھا جب اس گاؤں کے تمام آدمی سوار اور اس کے ساتھی کی راہنمائی میں اس جگہ کو روانہ ہو گئے جہاں عمرو درویش اور آشی نے خیمہ لگا رکھا تھا۔ خیمے کے سامنے چھوٹے سے قالین پر عمرو درویش آلتی پالتی مارے بیٹھا، آنکھیں بند کیے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ ایک ڈنڈا اس کے دائیں طرف اور ایک بائیں طرف زمین میں گڑھا ہوا تھا۔ ان کے اوپر والے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپٹے ہوئے تھے جو جل رہے تھے۔ یہ مشعلیں تھیں۔ جب گاؤں والے وہاں پہنچے تو عمرو درویش سے آٹھ دس قدم دور تین آدمی کھڑے تھے۔ گاؤں کے لوگ آئے تو ان تینوں کے پاس رک گئے۔

ان تین میں سے ایک نے کہا — "میں آگے جا کر بزرگ سے بات کرتا ہوں" — وہ تین چار قدم آگے گیا تو یوں پیچھے کو پیٹھ کے بل گرا جیسے آگے سے اسے کسی نے دھکا دیا ہو۔ وہ اٹھ کر لوگوں میں جا کھڑا ہوا۔ خوف سے وہ کانپ رہا تھا۔ اس نے خوفزدہ آواز میں کہا — "آگے نہ جانا۔ مجھے کسی نے آگے سے دھکا دیا ہے۔ یہ کوئی جن تھا جو مجھے نظر نہیں آیا۔"

دوسرے دو نے کہا — "ہم آگے جاتے ہیں۔ تم ڈر کر گر پڑے تھے" — وہ دونوں اکٹھے آگے گئے۔ تین چار قدم گئے تو دونوں پہلے آدمی کی طرح پیٹھ کے بل گرے۔ جلدی سے اٹھے۔ لوگ ڈر گئے۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اس بزرگ نے پہرے پر جنات کھڑے کر رکھے ہیں جو کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔

خیمے سے ایک لڑکی نکلی۔ یہ آشی تھی۔ اس نے سیاہ ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ ٹھوڑی اور منہ باریک پردے میں تھے۔ آنکھیں ننگی تھیں۔ سر سیاہ کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بال شانوں سے ہوتے ہوئے سینے پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ تھی مستور لیکن لباس ایسا تھا کہ نیم عریاں لگتی تھی۔ اس پہاڑی علاقے کے لوگوں نے اس قسم کی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اُسے جنات میں سے سمجھ رہے تھے۔ اس کی چال بھی غزالی اور دلکش تھی۔ آشی نے عمرو درویش کے آگے سجدہ کیا۔ سجدے سے اٹھ کر کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ اس کے ہونٹ ہلے۔ آشی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم لوگ وہیں کھڑے رہو" — آشی نے لوگوں سے کہا — "کوئی آدمی آگے آنے کی جرأت نہ کرے۔ خدا کے ایلچی نے پوچھا ہے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ تم وہیں کھڑے کھڑے بات کر سکتے ہو۔"

ان تین آدمیوں میں سے جو آگے گئے اور گر پڑے تھے، ایک آدمی بلند آواز سے بولا۔ "ہم خدا کی طرف سے آنے والے اکیلا تو آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے؟"

"پوچھ کیا پوچھتا ہے؟" — عمرو درویش نے گھمبیر سی آواز میں کہا۔

"کیا ہم اس خطّے کو اسلام کی ریاست بنا سکیں گے جو سوڈان کی غلام نہ ہو؟" — اس آدمی نے پوچھا۔

عمرو درویش نے طشتے سے زمین پر ہاتھ مارا۔ آشی دوڑ کر اُس کے پاس جا بیٹھی اور کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ عمرو درویش کے ہونٹ ہلے۔ آشی اُٹھ کر لوگوں سے مخاطب ہوئی۔

"خدا کے دیوتا نے کہا ہے کہ پانی کو آگ لگ جائے تو اس خطّے کو تم اسلامی ریاست بنا لو گے جو سوڈان کی غلام نہیں ہو گی" — آشی نے کہا — "کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر انڈیل دو"

عمرو درویش سے ذرا پرے ایک کپڑا اس طرح پڑا تھا جس طرح کسی نے لباس اُتار کر گٹھڑی کی صورت رکھ دیا ہو۔ انہی تین آدمیوں میں سے جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے، ایک آگے بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا چھوٹا سا مشکیزہ تھا۔ اس نے کہا — "میرے پاس پانی ہے۔ میں سفر میں ہوں اس لیے پانی ساتھ رکھا ہے" — اُس نے آگے جا کر مشکیزے کا منہ کھولا اور کپڑے پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا۔

آشی نے زمین سے مشعل اٹھا کر عمرو درویش کے ہاتھ میں دے دی۔ عمرو درویش نے آسمان کی طرف منہ کر کے ہونٹ ہلائے جیسے سرگوشی کی ہو، پھر اُس نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے ساتھ لگا دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ پانی سے بھیگا ہوا کپڑا جل اُٹھے گا مگر ہوا یوں کہ جوں ہی مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب گیا تو کپڑا بھڑک اُٹھا اور تمام تر کپڑا ایک شعلہ بن گیا۔ کئی ایک آدمیوں کے منہ سے حیرت زدہ آوازیں نکلیں — "اللہ" — اُن کی نظروں کے سامنے پانی جل رہا تھا۔

"خدا کے اشارے کو سمجھ لو" — عمرو درویش نے کہا — "اور مجھے غور سے دیکھو میں کون ہوں۔ میں تم میں سے ہوں" — اُس نے اپنے گاؤں کا نام لے کر کہا — "میں اسی علاقے کا رہنے والا ہاشم درویش کا بیٹا ہوں۔ میں نبی نہیں۔ میں پیغمبر نہیں۔ خدا اپنا آخری نبی بھیج چکا ہے" — اُس نے اپنی انگلیاں چُوم کر اور آنکھوں سے لگا کر کہا — "میں بھی تمہاری طرح خدا کے آخری رسولؐ کا پیروکار ہوں۔ مجھے خدا نے روشنی دکھائی اور حکم دیا ہے کہ یہ روشنی اُن کے پاس لے جاؤ جو اندھیرے میں ہیں"

وہ ایسے لہجے میں بول رہا تھا جیسے اُس پر وجد کی کیفیت طاری ہو۔ اُس نے کہا — "میرے گاؤں میں جا کر پوچھو۔ میں صلاح الدین ایوبیؒ کا کمانڈر ہوں۔ میں اُس فوج کے ساتھ تھا جس نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔ اس فوج کا حملہ ناکام ہوا۔ ہم سب کو افسوس ہوا۔ تم سب کو افسوس ہوا ہو گا لیکن خدا نے ذوالجلال نے مجھے مصر کی فوج کی لاشوں سے اٹھایا اور مجھے اشارہ دیا کہ صلاح الدین ایوبیؒ کی فوج کو کیوں شکست ہوئی۔ میرا افسوس خوشی میں بدل گیا۔ میں نے ایک درخت کی شاخوں میں خدا کا نور دیکھا۔ یہ ایک روشنی تھی جیسے ایک ستارا آسمان سے اُتر کر درخت کی شاخوں میں اٹک گیا ہو۔ اس ستارے میں سے آواز آئی — 'آگے دیکھ، پیچھے دیکھ، دائیں دیکھ، بائیں دیکھ'....

"میں نے ہر طرف دیکھا۔ آواز آئی — 'کوئی انسان تجھے زندہ نظر آتا ہے؟' — مجھے ہر طرف لاشیں نظر آئیں۔ یہ سب میرے ساتھیوں کی لاشیں تھیں۔ حالت سب کی بہت بُری تھی۔ زخمی بہت کم تھے۔ زیادہ سپاہی پیاس سے مرے تھے۔ یہ سب لٹ تھے۔ ستارے کی روشنی سے آواز آئی — 'کیا تو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہاری تلواریں کُند

ہو گئی تھیں؟.... کیا تُو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے تیروں کی کوئی رفتار ہی نہیں تھی؟ کیا تُو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے؟'....

"تب مجھے یاد آیا کہ میرے نے سب کچھ دیکھا تھا جو روشنی کی مدد نے مجھے بتایا تھا۔ میری تلوار کی کاٹ اتنی بھی نہیں رہی تھی کہ خراش بھی ڈال سکتی۔ میں نے اپنے تیر دیکھے تھے جو ہوا میں یوں جاتے تھے جیسے ہوا کے جھونکوں سے گھاس کے خشک تنکے اُڑ رہے ہوں۔ ہمارے گھوڑے چلتے نہیں تھے۔ ریگزار نے سورج کی ساری آگ لے لی اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو جھلس کر دیا۔ میں بھی جلی ہوئی لاش تھا۔ ستارے سے ایک تارہ آیا۔ میری آنکھوں میں اُترا اور میرے وجود میں اُتر گیا۔ آواز آئی — 'ہم نے تجھے دوسری زندگی عطا کی۔ ہم سے پوچھ ہم نے یہ کرم کیوں کیا؟' — میں نے پوچھا۔ آواز نے جواب دیا — 'ہمیں مسلمانوں سے محبت ہے۔ مسلمان میرے رسولؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارے حضورؐ کو وسیلہ کرتے ہیں۔ جن کی یہ لاشیں ہیں، انہیں ہم نے عبرت کا سامان بنایا ہے کہ یہ بھٹک گئے تھے، اور جو بھٹک رہے ہیں انہیں ہم سیدھا راستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہم نے تجھے منتخب کیا ہے کہ تو ہر صبح قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ جا ہم نے تجھے روشنی دی ہے۔ جا میرے مسلمان بندوں کو دکھا'....

"میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ میں نے کہا — 'اے میرے رب کے نور! مجھے پوری بات بتا اور بتا کہ میری بات کون مانے گا۔ کس طرح مانے گا۔ مجھے بتا کہ ہماری تلواریں کُند کیوں ہو گئی تھیں؟ تیروں کی رفتار کہاں گئی تھی؟' روشنی کی آواز نے کہا — 'وہ تلوار کُند ہو جاتی ہے جس کا وار اپنی ماں پر کیا جاتا ہے۔ وہ تیر کھجور کا سوکھا پتا بن جاتا ہے جو اپنی ماں کے سینے پر چلایا جاتا ہے۔ تُو نہیں جانتا کہ ماں کون ہے۔ وہ سرزمین جس نے تجھے جنم دیا ہے اور جس کی مٹی میں تُو کھیل کر جوان ہُوا ہے تیری ماں ہے۔ جا سوڈان کے مسلمانوں سے کہہ کہ سوڈان کی زمین تمہاری ماں ہے۔ اس سے محبت کرو۔ اس کی مٹی میں جنت ہے۔ اس جنت کو فتح کرنے کے لیے باہر جا کوئی مسلمان بھی آئے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ تُو نے دوزخ دیکھ لیا ہے۔ جا، اپنے کنبہ کو سوڈانی بھائیوں کو بتا کہ تمہاری ماں، تمہاری جنت اور تمہارا کعبہ سوڈان ہے'

"اسے برگزیدہ ہستی کہ جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے'".... ایک آدمی نے کہا — "کیا تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم سوڈان کے اس بادشاہ کے وفادار ہو جائیں جو ہمارے رسولؐ کو نہیں مانتا؟" — یہ آدمی اُن تینوں میں سے ایک تھا جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے۔

"خدا کی آواز نے کہا ہے کہ یہ بادشاہ جو کافر ہے مسلمان ہو جائے گا" — عمرو درویش نے جھومتی ہوئی آواز میں کہا — "وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اس کی فوج کافروں کی ہے اس لیے وہ خدا اور رسولؐ کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ، تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ مت بتانا کہ تم اُس کے محافظ ہو۔ تم سوڈان کے بیٹے ہو.... میں نے خدا سے کہا کہ میری زبان سے یہ بات کوئی نہیں ملنے گا۔ میرے مسلمان بھائی مجھے قتل کر دیں گے۔ خدا کی آواز جو درخت کے پتوں میں اٹکی ہوئی روشنی سے ابھری تھی

نے کہا۔" ہمارے سوا پانی کو کون آگ لگا سکتا ہے۔ جا، ہم نے یہ طاقت تجھے اس شہادت کے لیے دے دی کہ لوگ تیری آواز کو ہماری آواز سمجھیں۔ کوئی انسان پانی کو آگ نہیں لگا سکتا۔'... پھر روشنی سے آواز آئی ۔۔۔ 'اگر تیری آواز کو لوگ پھر بھی باطل جانیں تو انہیں رات کو اپنے پاس بلا۔ میں انہیں وہی جلوہ دکھاؤں گا جو موسیٰ کو طور پر دکھایا تھا'...

"کیا تم طور کا جلوہ دیکھ کر حق کی آواز کو مانو گے؟"۔۔۔ عمرو درویش نے پوچھا۔

"ہاں، اے خدا کے ایلچی!"۔۔۔ ان تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔" اگر تو ہمیں طور کا جلوہ دکھا دے تو ہم تیری آواز کو خدا کی آواز مان لیں گے۔"

"جاؤ"۔۔۔ عمرو درویش نے زمین پر غصے سے ہاتھ مار کر کہا۔۔۔"چلے جاؤ۔ اُس وقت آنا جب سورج اپنے شعلے پہاڑوں کے پیچھے لے جائے گا اور آسمان پر ستاروں کی قندیلیں روشن ہو جائیں گی۔ جاؤ۔"

☆

لوگ جب واپس گئے تو ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں تھا۔ جاتے جاتے وہ چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں ہو گئے۔ انسانی فطرت کی کمزوریاں اُبھر آئیں۔ عقیدے دب گئے۔ جذبے سرد ہو گئے۔ جذبات بھڑک اُٹھے۔ یہ سیدھے سادے پسماندہ لوگ تھے۔ سنسنی خیزی نے اُن کی عقل کا رُخ پھیر دیا۔ عمرو درویش کے الفاظ میں کچھ اثر تھا یا نہیں، لوگوں نے اُس اثر کو قبول کیا جو اُس کی آواز میں اور اُس کے بولنے کے انداز میں تھا۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی نے شک کا اظہار کیا تو کسی نہ کسی نے کہہ دیا۔۔۔"کیا تم پانی کو آگ لگا سکتے ہو؟"۔۔۔ ابھی رات کو طور کا جلوہ دیکھنا باقی تھا۔ یہ لوگ آشتی کو جبن سمجھ رہے تھے جس کا انہوں نے صاف الفاظ میں اظہار کیا۔

یہ وہ مسلمان تھے جنہوں نے سوڈان کی غیر مسلم شہنشاہی کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔ سوڈان کی فوجوں کو انہوں نے اس پہاڑی خطے میں لے بس کر کے پسپا کر دیا تھا۔ وہ خدا اور رسولؐ کے پرستار اور صلاح الدین ایوبی کے شیدائی تھے۔ سوڈان کے باشندے ہوتے ہوئے وہ اپنے کو ہستانی خطے کو آزاد اسلامی ریاست کہتے تھے، مگر الفاظ کی سنسنی، اور جانثاری اور وجد آفرینی نے انہیں راہ سے بے راہ کر دیا اور اُن کی سوچیں بھٹکنے لگیں۔ جنہوں نے فوجوں کو پسپا کیا تھا اُن کے عقیدے پر صرف ایک انسان نے دلکش وار کیا تو اُن کے ہتھیار گر پڑے۔ یہ لوگ جدھر گئے افواہیں پھیلاتے گئے۔ انہوں نے جو دیکھا اور جو سنا تھا اسے اور زیادہ دلنشیں بنانے کے لیے اضافے کرتے گئے۔

"مجھے یہ خدشہ پریشان کر رہا ہے کہ سوڈانی مسلمان سنسنی خیز توہمات کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے"۔۔۔ یہ آواز سلطان صلاح الدین ایوبی کی تھی جو سوڈان سے دُور، بہت ہی دُور فلسطین کی دہلیز پر ایک چٹان کے دامن میں اپنے مشیروں اور سالاروں کے درمیان بیٹھا تھا۔ العادل کا بھیجا ہُوا قاصد اُس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اُس نے العادل کا پیغام پڑھ لیا تھا۔ مصر کی انٹیلی جنس (شعبۂ جاسوسی اور سراغرسانی) نے سوڈانی مسلمانوں کے متعلق پوری اطلاع مصر کے قائم مقام امیر العادل کو دی تھی جو العادل نے سلطان ایوبی کے نام ایک پیغام میں لکھ بھیجی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ علی بن سفیان تاجروں کے بھیس میں سوڈان جا رہا ہے۔ پیغام میں العادل

نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی خطے میں اپنے چھاپہ مار بھیجے جائیں یا نہیں۔ اُس نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا تھا کہ ہم چھاپہ مار چوری چھپے بھیجیں گے۔ اگر سوڈانی حکومت کو پتہ چل گیا تو کھلی جنگ ہو سکتی ہے جب کہ ہماری زیادہ تر فوج عرب میں لڑ رہی ہے۔ پیغام میں تفصیل سے کہا گیا تھا کہ سوڈانی حکومت مسلمانوں کو اپنا وفادار بنانے کے لیے ہمارے جنگی قیدیوں کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھ کر اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں اور مشیروں کو سنایا اور کہا۔" سوڈان کے یہ مسلمان سوڈان کی فوج کے لیے قہرِ الٰہی ہیں۔ تم سب دیکھ رہے ہو کہ ان میں سے جتنے ہماری فوج میں ہیں، وہ کس بے جگری اور جذبے سے لڑتے ہیں مگر دشمن جب انہیں طلسماتی الفاظ میں اُلجھاتا اور ذہن کو خیالی عیاشی کی طرف مائل کرتا ہے تو وہ ریت کے بُت بن جاتے ہیں۔ العادل نے لکھا تو نہیں کہ صلیبی سوڈان کے سلطان علاقے میں کردار کُشی اور ذہنی تخریب کاری کر رہے ہیں لیکن تم سب صلیبیوں کو جانتے ہو۔ وہ اِس فن کے ماہر ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر موجود ہیں۔ وہ ذہنی تخریب کاری ضرور کریں گے۔"

سلطان ایوبی نے العادل کے قاصد کو کھانے اور آرام کے لیے بھیج دیا اور کاتب کو بلا کر پیغام کا جواب لکھوانے لگا۔ اُس نے لکھوایا:

"میرے عزیز بھائی۔ العادل!

خدائے عزوجل تمہارا حامی و ناصر ہو۔ تمہارے پیغام نے سوڈان کے مسلمانوں کے متعلق صورتِ حال واضح کر دی ہے۔ تمہیں حیران نہیں ہونا چاہیے۔ تم جانتے ہو کہ کفار اسلام کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ وہ ہر حربہ اور ہر ہتھکنڈہ استعمال کر رہے ہیں۔ میں اس اقدام کی تعریف کرتا ہوں کہ علی بن سفیان سوڈان چلا گیا ہے اور تم نے اُسے جانے کی اجازت دی ہے۔ اللہ علی بن سفیان کی مدد کرے۔ وہ نہایت ہوشیار اور مستعد سراغرساں ہے۔ پتھروں کے اندر سے بھید بھی نکال لاتا ہے۔ وہ واپس آ کر تمہیں بتائے گا کہ وہاں کی صورتِ حال کیا ہے اور اس کے مطابق کیا کارروائی کرنی چاہیے....

"تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سوڈان کے مسلمانوں کو چھاپہ ماروں کی مدد دی جائے یا نہیں۔ تم نے اِس خطرے کا بھی اظہار کیا ہے کہ چھاپہ مار بھیجے تو سوڈانی جوابی کارروائی کریں گے جو کھلی جنگ کی بھی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ تم نے اچھا کیا ہے کہ میری اجازت ضروری سمجھی ہے، لیکن میں تمہیں خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کبھی حالات ہنگامی ہو جائیں تو میری اجازت لینے میں وقت ضائع نہ کرنا۔ تمہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سوڈان کے قیدخانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر کے مسلمانوں کے ہاں پناہ لی اور اسلام قبول کر لیا ہے، اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سوڈانی ہمارے قیدیوں کو ہمارے خلاف تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور ہمارے اسحاق نامی ایک کماندار کی بیوی اور بیٹی تک کو انہوں نے دھوکے سے اغوا کرنے کی کوشش کی ہے تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا کہ سوڈانی مسلمانوں میں کچھ غدار بھی ہیں۔ ان حالات میں تمہیں فوری طور پر چھاپہ ماروں

کی کچھ نفری تاجروں اور مسافروں کے بھیس میں سوڈانی سرحد میں داخل کر دینی چاہیئے تھی۔ تاہم علی بن سفیان کا چلے جانا قابلِ تعریف ہے....

"میرے عزیز بھائی! یہ ایک مسئلہ ہے کہ ہمارے پاس فوج تھوڑی ہے اور ہم دوسرا محاذ کھولنے کے قابل نہیں۔ قرآن کے اس فرمان سے گریز نہ کرو کہ کسی بھی خطے میں مسلمانوں پر کفار ظلم و تشدد کر رہے ہوں یا انہیں لالچ سے یا دھوکے سے عقیدوں سے گمراہ کر رہے ہوں اور اُن کا قومی وقار اور دین و ایمان خطرے میں ڈال دیا گیا ہو تو تمام دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ اسلام کے تحفظ کے لیے ہم کسی بھی ملک کی سرحد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہم نے سوڈانی مسلمانوں کو اپنے چھاپہ مار دے رکھے ہیں جو اُن کے ساتھ کاشتکاروں کے رُوپ میں رہتے ہیں۔ ہم سوڈانی مسلمانوں کو جنگی سامان بھی دے چکے ہیں۔ اگر تم ضرورت محسوس کرو تو انہیں اور زیادہ مدد دو....

"اگر سوڈانی اپنی سرحد بند کرنے کے لیے مصر پر فوج کشی کریں تو گھبرانا نہ۔ تم تھوڑی سی فوج سے کئی گنا فوج کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ تم اُن کا ایک حملہ تباہ کر چکے ہو۔ دوسرا بھی تباہ کر لو گے۔ سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ دشمن کو وہاں گھسیٹ لینا جہاں تم کم تعداد سے زیادہ نقصان کر سکو۔ چھاپہ ماروں کا استعمال زیادہ کرنا اور دشمن کی رسد کاٹنے کا انتظام کرنا۔ تمہاری آدھی جنگ علی بن سفیان کے جاسوس جیت لیں گے۔ لیکن مجھے توقع نہیں کہ سوڈانی حملے کی طاقت کم کریں گے۔ اگر ان کے صلیبی مشیروں نے عقل سے کام لیا تو وہ حملے کی بجائے اپنے پہاڑی علاقے کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے۔ اگر مسلمان اُن کے وفادار ہو گئے اور اُنکی فوج میں شامل ہو گئے تو وہ ہر خطرہ مول لے سکتے ہیں، اس لیے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ مسلمان اُنکی ذہنی تخریب کاری کا شکار نہ ہوں....

"میں وہی بات دہراؤں گا جو سو بار کہہ چکا ہوں۔ مسلمان میدانِ جنگ میں شکست دیا کرتا ہے، شکست کھایا نہیں کرتا، مگر اس کے جذبات میں جب حیوانی جذبہ بیدار کر دیا جاتا ہے تو وہ تلوار آتار پھینکتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کو جب بھی زوال آیا اسی جذبے کی بدولت آئے گا۔ ہمارا دشمن ہماری قوم میں یہی آگ بھڑکا رہا ہے۔ اس طرح ہم بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں۔ ایک زمین کے اُوپر ہے دوسرا زمین کے نیچے۔ ہمارا دشمن ہمیں زہر میں بجھے ہوئے تیروں سے نہیں مارے گا، وہ اب ہمیں زبان کی مٹھاس اور الفاظ کے جادو سے بیکار اور مفلوج کر رہا ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک محاذ ہے۔ ہوشیار رہنا میرے عزیز بھائی!....

"یہاں کے حالات سازگار ہیں۔ دشمن بُری طرح بکھرا ہوا ہے۔ میں اُسے مرکزیت اور اجتماع کی مہلت نہیں دوں گا۔ اللہ کی مدد ملتی رہی تو میں حلب لے لوں گا۔ مقابلہ شاید اب بھی سخت ہو لیکن میں نے کچھ اور انتظامات کر لیے ہیں۔ صلیبی ابھی سامنے نہیں آئے۔ شاید ابھی سامنے آئیں گے بھی نہیں۔ وہ بھائیوں کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اگر اُن کا دشمن آپس میں ہی لڑ لڑ کر مر جائے تو انہیں سامنے آنے کی کیا ضرورت ہے....

"اللہ تمہاری مدد کرے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم گھبراؤ گے نہیں۔ خدا حافظ!"

جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ پیغام قاصد کو دے کر روانہ کیا اُس وقت عمرو درویش کے خیمے میں وہ تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو لوگوں کے ہجوم میں آگے ہو کر عمرو درویش کی طرف بڑھے تھے مگر اس طرح پیچھے کو گر پڑے تھے جیسے کسی نے انہیں آگے سے دھکا دیا ہو۔ لوگ چلے گئے۔ عمرو درویش باہر سے اُٹھ کر خیمے کے اندر چلا گیا تھا اور یہ تین آدمی کچھ دُور تک لوگوں کے ساتھ گئے اور اُن کی نظر بچا کر ایک ایک کر کے واپس آئے اور عمرو درویش کے خیمے میں چلے گئے تھے۔ یہ اُسی کے گروہ کے آدمی تھے اور وہ اسی علاقے کے مسلمان تھے۔ سوڈانی حکومت سے انہیں بہت انعام ملتا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ کپڑا نہیں جلے گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اس کے نیچے آتش گیر سیال کم رکھا گیا ہو گا اور اوپر پانی زیادہ انڈیل دیا گیا تھا۔"

"تمہیں ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ یہ تیل پانی پر ڈال دیا جائے تو بھی جل اٹھتا ہے۔" اُس آدمی نے کہا جس نے کپڑے پر مشکیزے سے پانی چھڑکا تھا۔ "ہم پہلے آزما چکے تھے۔"

"لوگوں پر اس کا اثر کیا ہوا ہے؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"ہم کچھ دُور تک اُن کے ساتھ گئے تھے۔" ایک نے جواب دیا۔ "وہ پانی کو آگ لگانے کو تمہارا معجزہ سمجھتے ہیں۔ کوئی یقین نہیں کرتا کہ دنیا کا کوئی انسان پانی کو آگ لگا سکتا ہے۔ تم نے جس انداز سے باتیں کی ہیں وہ اُن کے دلوں میں اُتر گیا ہے۔ خدا کی قسم!...."

"نہ دوست!" عمرو درویش نے اُسے ٹوک دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "خدا کی قسم نہ کھاؤ۔ ہم اس حق سے محروم ہو گئے ہیں کہ اُس سچے خدا کی قسم کھائیں جس کے احکام کی ہم خلاف ورزی کر رہے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے ابھی تمہارے دل میں سچا خدا موجود ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔ "عمرو درویش! تم اپنا خدا اور اپنا ایمان فروخت کر آئے ہو۔"

دوسرے آدمی نے پاس بیٹھی ہوئی آشی کی ران پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "اور قیمت دیکھو کیسی ملی ہے۔ یہ صلیب کے بادشاہوں کا ہیرا ہے جو سوڈان کے حاکموں نے تمہیں دے دیا ہے۔"

عمرو درویش نے آشی کی طرف دیکھا تو آشی نے اُسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے آنکھیں سکیڑیں۔ اُس کے ماتھے پر شکن بھی پیدا ہوئے۔ عمرو درویش اس اشارے کو سمجھ گیا اور ہنس کر بولا۔ "مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ میں اتنی زیادہ قیمت کے قابل نہیں تھا.... جانے دو ان باتوں کو۔ آنے والی رات کی باتیں کرو۔"

"سب انتظام تیار ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔ "تم نے ہمارا کمال دیکھ لیا ہے۔ دیکھا ہم کس طرح پیچھے کو گرے تھے؟ اور تم اس کی بھی تعریف کرو کہ ہم نے کسی اور کو بولنے نہیں دیا۔"

"رات کو تم طور کا جلوہ دکھاؤ گے۔" ایک اور آدمی نے کہا۔ "یاد کرو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ ہمارے آدمی تیار ہیں۔"

"ہمیں چلے جانا چاہیئے۔" تیسرے آدمی نے کہا۔ "اب خیمے سے باہر نہ نکلنا۔"

وہ تینوں چلے گئے۔

☆

سورج غروب ہوتے ہی لوگ آنا شروع ہو گئے۔ دن کے وقت جو لوگ عمرو درویش کی باتیں سُن گئے اور پانی کو آگ لگنے کا معجزہ دیکھ گئے تھے انہوں نے جہاں تک وہ پہنچ سکے "خدا کے ایلچی" کی تشہیر کر دی تھی کہ آج رات کو عمرو درویش کو وہ جلوہ دکھائے گا جو خدا نے حضرت موسیٰ کو دکھایا تھا۔ سوڈان کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے افواہیں پھیلانے کا کام جانفشانی سے کیا۔ اس کے نتیجے میں شام کے بعد عمرو درویش کے خیمے کے سامنے لوگوں کا ہجوم دن کی نسبت زیادہ تھا۔ خیمے کے عقب میں اور دائیں بائیں کسی کو کھڑا ہونے کی اجازت نہ تھی۔

عمرو درویش ابھی خیمے میں تھا۔ باہر دو مشعلیں جل رہی تھیں جن کے ڈنڈے زمین میں گڑھے ہوئے تھے۔ لوگ "خدا کے ایلچی" کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ خیمے کے پردے کو جنبش ہوئی۔ آشی سامنے آئی۔ اس کا لباس سیاہ تھا۔ یہ ایک فراک سا تھا جو کندھوں سے پاؤں تک تھا۔ اس پر ابریق کے ذرّے چپکے ہوئے تھے جو مشعلوں کی روشنی میں ستاروں کی طرح ٹمٹماتے اور چمکتے تھے۔ آشی کے سر پر ریشم کا باریک رومال تھا۔ اُس کے بال اسی ریشم جیسے تھے جو شانوں پر اس انداز سے پڑے ہوئے تھے کہ عریاں شانوں کی سپیدی ان میں ستاروں کی مرح نظر آتی تھی۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی، اس کا بناؤ سنگھار اور تیج دھج ایسی تھی جس میں طلسماتی سا تاثر تھا اور جو حیوانی جذبے کو اکساتی تھی۔

پہاڑیوں اور جنگلوں میں رہنے والے ان لوگوں کے لیے یہ لڑکی، اُس کی چال اور اس کا لباس عجوبے سے کم نہ تھا۔ اُن کی نظریں گرفتار ہو گئیں اور ان پر سحر طاری ہو گیا۔ آشی کے ایک ہاتھ میں گز ڈیڑھ گز لمبے اور اس سے آدھے چوڑے قالین کا ایک ٹکڑا تھا جو اُس نے دونوں مشعلوں کے درمیان بچھا دیا۔ اُس نے دونوں بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھا۔ خیمے کا پردہ ہٹا اور عمرو درویش مستانہ چال چلتا قالین پر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے بھی آشی کی طرح بازو دائیں بائیں پھیلائے، آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ بڑبڑانے لگا۔

"اے خدا کی برگزیدہ ہستی جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے، ہم تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں۔" یہ اُن تین آدمیوں سے ایک تھا جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ اُس نے کہا۔ "تیری دن کی باتیں ہمارے دلوں میں اتر گئی ہیں مگر ایک شک ہے۔ ہمیں کوہِ طور کا جلوہ دکھا جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔"

"وہ فرعونوں کا ملک ہے۔" عمرو درویش نے بلند آواز سے کہا۔ "فرعون مر گئے مگر خدا نے مصر کی بادشاہی جس کو بھی دی وہ فرعون بنا۔ یہ مصر کی زمین کی، مصر کے پانی کی اور مصر کی ہوا کی تاثیر ہے۔ جو کلمۂ رسولؐ پڑھتے تھے وہ بھی فرعون بنے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعونوں کی 'خدائی' کو لکاکا اور نیل کے پانی کو کاٹ کر دکھا دیا۔ اب مصر ایک بار پھر فرعونوں کے قبضے میں آ گیا ہے۔ وہاں شراب کی نہریں بہتی ہیں اور پردہ نشین کنواریوں کی عصمتوں سے کھیلا جاتا ہے۔ خدائے ذوالجلال نے ہمارے اس خطے کو یہ سعادت بخشی ہے کہ مصر کو فرعون سے آزاد کراؤ۔ خداوندِ دو عالم نے

تمہیں کوہِ طور کا جلوہ بخشا ہے۔"

عمرو درویش نے بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر بشبی آواز میں کہا۔ "اپنے ٹھکانے پر جا کر اپنا وہی نور دیکھو جو تو نے موسیٰ کو دکھایا تھا۔"

اُس نے پلک کر ایک مشعل زمین سے اکھاڑی۔ رات تاریک ہو گئی تھی۔ پہاڑ چھا گیا۔ اندھیرے کی سیاہی میں روپوش ہو گئے تھے۔ روشنی صرف ان دو مشعلوں کے شعلوں کی تھی جس میں عمرو درویش اور آشی نظر آ رہے تھے۔ عمرو درویش نے مشعل اُوپر کی اور ایک سمت اشارہ کر کے کہا۔ "اُدھر دیکھو۔ اُدھر ایک پہاڑی ہے۔ تم اُس پہاڑی کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا جلوہ دیکھو۔"

اُس نے مشعل اور زیادہ اُوپر کر کے دائیں بائیں لہرائی۔ اس کے ساتھ ہی سامنے پہاڑی سے ایک شعلہ اُٹھا اور ذرا سی دیر میں کم ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔ لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ حیرت زدگی نے اُن کی زبانیں گنگ کر دیں۔

"اگر تم نے خدا کے اس جلوے کو بھی اپنے دلوں میں نہ اتارا تو یہ شعلہ جو تم نے دیکھا ہے تمام اس سرسبز علاقے کو ریگزار بنا دے گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "میں اُسے روک نہیں سکوں گا۔ اُسے تم نے دعوت دی ہے۔"

عمرو درویش اپنے خیمے میں چلا گیا۔ آشی نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ چلے جائیں۔ لوگ وہاں سے جانے لگے تو ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہوئے بھی گھبراتے تھے۔ ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ وہ جب خیمے سے دور نکل گئے تو ایک آدمی جو اُن کے ساتھ تھا، دوڑ کر آگے ہوا اور سب کی طرف منہ کیے رک گیا۔ سب نے دیکھا۔ وہ ایک گاؤں کی مسجد کا پیش امام تھا۔

"ذرا رک جاؤ۔" امام نے بازو پھیلا کر کہا۔ سب رک گئے تو اُس نے کہا۔ "اپنے ایمان کو قابو میں رکھو، مسلمانو! یہ جادوگری ہے۔ جو تم دیکھ آئے ہو یہ شعبدہ بازی ہے۔ رسولِ خدا کے بعد نہ کوئی پیغمبر آیا ہے، نہ آئے گا۔ خدا ایسے گناہگاروں کو جلوے اور نور نہیں دکھایا کرتا جو اپنے ساتھ بے حیا لڑکیاں لیے پھرتے ہیں۔"

"یہ لڑکی نہیں جن ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"جنات انسانوں کے روپ میں نہیں آ سکتے۔" امام نے کہا۔ "جنات کسی انسان کے غلام نہیں ہو سکتے۔ مسلمانو! اپنے عقیدے کی حفاظت کرو۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ فرعون نہیں، وہ خدا کا سچا بندہ ہے۔ اُس نے پیغمبری کا دعویٰ نہیں کیا۔ وہ تمہارے مذہب کا پاسبان اور صلیب کا دشمن ہے۔"

"محترم امام!" ایک آدمی نے کہا۔ "کیا آپ پانی کو آگ لگا سکتے ہیں؟"

"اس کی نہ سنو۔" ایک اور نے کہا۔ "یہ اپنی امامت قائم رکھنا چاہتا ہے۔"

"ہم نے جو دیکھا ہے وہ آپ دکھا دیں۔" ایک اور نے کہا۔ "پھر ہم آپ کی اطاعت قبول کریں گے۔"

"میرے ساتھ اُس پہاڑی پر چلو جہاں سے شعلہ اُٹھا تھا۔" امام نے کہا۔ "میں تمہیں دکھاؤں گا کہ یہ کیا شعبدہ ہے۔ اگر میں غلط ہوا تو مجھے اُسی جگہ قتل کر دینا جہاں شعلہ بھڑکا تھا۔"

"ہم خدا کے کاموں میں دخل دینے کی جرأت نہیں کریں گے۔" ایک آدمی نے کہا۔

دو تین آدمی بیک وقت بول پڑے۔ وہ بھی امام کے خلاف بول رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ایسا اشتعال دلایا کہ سب چل پڑے اور امام کو دھکے دیتے آگے چلے گئے۔ امام اکیلا کھڑا رہا۔

☆

کچھ دیر وہاں کھڑے رہ کر امام اُس پہاڑی کی طرف چل پڑا جس پر شعلہ اُٹھا تھا۔ وہ بہت ہی تیز چلا جا رہا تھا۔ ایک پتھریلے ویرانے سے گزر کر چٹان کے دامن میں پہنچا تو دو آدمی اُس سے کچھ دُور پیچھے چلے جا رہے تھے۔ امام چٹان کے راستے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ پیچھے جانے والے دونوں آدمی اور تیز ہو گئے۔ اُن کی قدموں کی آہٹیں سُن کر امام رُک گیا۔ وہ دونوں اُس کے قریب آ رُکے۔ اُن کے چہرے کپڑوں میں چھُپے ہوئے تھے۔ امام نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُن میں سے ایک امام کے پیچھے چلا گیا۔ امام اُس کی طرف مُڑا تو دوسرے نے امام کی گردن کے گرد اپنا بازو لپیٹ لیا۔ امام نے کمربند سے خنجر نکالا مگر اُس کا خنجر والا ہاتھ ایک آدمی کے ہاتھ کے شکنجے میں آ گیا۔ اُس کی گردن دوسرے آدمی کے بازو کے شکنجے میں تھی جو اتنا تنگ اور سخت ہو گیا تھا کہ اُس کا سانس رُک رہا تھا۔

اُس نے آزاد ہونے کی آخری کوشش کی۔ وہ پوری طاقت سے اُچھلا۔ دونوں پاؤں جوڑ کر سامنے والے کے پیٹ میں مارے۔ اُسے پیچھے سے ایک آدمی نے جکڑ رکھا تھا۔ سامنے والا امام کی لاتوں سے پیچھے کو گرا اور اُس کے پیچھے والا دھکا برداشت نہ کر سکا۔ وہ بھی پیچھے کو گرا اور امام کی گردن پر اُس کے بازو کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ امام نے ایک اور جھٹکا دیا اور آزاد ہو گیا۔ وہ اب ایک خونریز لڑائی کے لیے تیار ہو کر اُٹھا لیکن وہ دونوں آدمی بھاگ گئے۔ اُن کے بھاگنے کی وجہ صرف یہ ہو سکتی تھی کہ وہ دونوں اُسی علاقے کے مسلمان تھے۔ انہیں پہچانے جانے کا خطرہ تھا۔ امام نے انہیں پکارا، للکارا لیکن وہ غائب ہو گئے تھے۔ امام نے آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے واپس چلا گیا۔

عمرو درویش کے خیمے میں وہی تین آدمی بیٹھے تھے جو دن کے وقت بھی اُس کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو بتایا کہ لوگ وہی تاثر لے کر گئے ہیں جو اُن پر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ انہوں نے اُسے یہ بھی بتایا کہ کل رات اُسے آگے ایک اور گاؤں کے قریب جانا ہے اور "طور کا جلوہ" ایک اور پہاڑی پر دکھانا ہے۔ تینوں چلے گئے۔ آشی عمرو درویش کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔

"کیا تم اپنی کامیابی پر خوش ہو؟" آشی نے پوچھا۔

"آشی!" عمرو درویش نے آہ لے کر کہا۔ "میں تمہیں اس قسم کے سوالوں کا جواب دینے سے ڈرتا ہوں۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں سلیبیوں اور سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہوں؟" آشی نے کہا۔ "تم نے میرے اندر ایمان پیدا کیا ہے اور اب تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔"

"میں اعتبار تمہارے عمل پر کروں گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تمہارے الفاظ پر نہیں۔"

"مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟" آشی نے کہا۔ "جو کہو گے کروں گی۔"

"ابھی یہی کرتی رہو جو کر رہی ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔ "وقت آنے پر تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہیں یہ بتانے کا وقت ہی نہ ملے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" آشی نے کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جہاں تم نے ذرا سی مشکوک حرکت کی یہ جاسوس تمہیں غائب یا قتل کر دیں گے اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دو کہ تمہارا ارادہ کیا ہے تو میں تمہیں بروقت خبردار کر سکوں گی۔ مجھے تو وہ بہرحال اپنے گروہ کا فرد سمجھتے ہیں۔"

آشی کے انداز میں کچھ ایسی سادگی اور خلوص تھا جس سے عمرو درویش قائل ہو گیا کہ یہ لڑکی اُسے دھوکہ نہیں دے گی۔ اُس نے کہا۔ "تمہارے کمالات دیکھتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ تم مجھے دھوکہ دو گی۔"

"کمالات میں تو تم بھی کم نہیں ہو۔" آشی نے کہا۔ "اسی لیے تو میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم نے اپنی قوم کو دھوکہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔"

"میں تمہیں اپنا ارادہ بتا دیتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اور یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور مجھے فریب دیا تو تم زندہ نہیں رہو گی۔ میں قتل ہو جانے سے نہیں ڈرتا اور قتل کرنے سے بھی نہیں ڈروں گا۔ میں نے راستے میں تمہیں بتایا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے اُمید تھی کہ میں یہاں اپنے علاقے میں آ کر اپنے خفیہ مقصد میں آسانی سے کامیاب ہو جاؤں گا مگر یہاں آ کر دیکھا ہے کہ سوڈانیوں نے مجھے جاسوسوں کے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ مجھے دوسرا غم یہ ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی قوم کی پیٹھ میں خنجر اتار دیا ہے۔ میں اپنے اصل مقصد کی خاطر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ رہا ہوں مگر میری کارستانی جسے تم میرا کمال کہتی ہو میری قوم کے مذہبی عقیدے کو زہر کی طرح مار رہی ہے۔ میں نے اگر یہ سوانگ جاری رکھا تو یہ مسلمان سوڈانیوں کی غلامی کی زنجیروں میں بندھتے جائیں گے اور اُن کا قومی وقار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" آشی نے پوچھا۔

"میں اسحاق کے گاؤں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تم اسحاق کو جانتی ہو نا۔ وہی کاروان جو جنگی قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں پڑا ہے۔ اُسے اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے تمہیں بھی ایک رات اُس کے پاس بھیجا گیا تھا۔"

"اس شخص کو تو میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گی۔" آشی نے کہا۔ "اُس کی بھی اتنی ہی عمر ہو جتنی تمہاری ہوں۔"

"میں اُس کے گھر تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "پھر میں اپنے گاؤں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ یہاں آ کر غائب ہو جاؤں گا اور یہاں کے لوگوں کو بتاؤں گا کہ وہ سوڈانیوں کے ہتھکنڈوں سے بچیں۔"

"معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں بنایا تھا۔" آشی نے کہا۔ "تمہیں جس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے اس کا تمہیں بڑا واضح منصوبہ دیا جاتا ہے۔"

"میں قید خانے میں ظالمانہ اذیتیں سہہ سہہ کر نکلا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اتنی سی عقل رہ گئی تھی

کر قید خانے سے نکلنے کا یہ طریقہ سوچ لیا تھا۔ یہاں آکر حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ اپنے مقصد کی کامیابی ناممکن نظر آتی ہے۔"

"اب مجھے بھی سوچنے دو۔" آشی نے کہا۔ "اگر ہم خدا کی راہ میں ثابت قدم رہے تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ کل ہم آگے جا رہے ہیں۔ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

ضرورت یہ ہے کہ ہمیں یہاں کے کسی عقل مند آدمی کے ساتھ ملاقات کا موقع مل جائے۔"

اسی علاقے میں عمرو درویش کے خیمے سے دو اڑھائی میل دور مصری تاجروں کا ایک قافلہ آیا۔ چار آدمی اور چھ اونٹ تھے۔ قافلے کا سردار لمبی داڑھی والا ایک بزرگ سیرت انسان تھا جس نے ایک آنکھ پر سبز رنگ کے کپڑے کا ٹکڑا باندھ رکھا تھا جیسے اس کی یہ آنکھ خراب ہو۔ یہ قافلہ درانیں پہلے سوڈان کی سرحد میں داخل ہوا تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے مصر سے سوڈان میں اناج سمگل کرنے کی دو پردہ اجازت دے رکھی تھی۔ دوسری اجناس بھی سمگل کی جاتی تھیں۔ سوڈان میں ان اشیاء کی قلت تھی۔ مصر کے یہ سمگلر دراصل سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے آدمی تھے۔ انہیں مصر کے سرحدی دستے نہیں روکتے تھے اور سوڈان کی سرحد کے پہرہ دار بھی انہیں نظر انداز کر دیتے تھے۔

یہ قافلہ بھی بلا روک ٹوک سرحد پار کر کے سوڈان میں داخل ہو گیا لیکن رات کی تاریکی کی وجہ سے سوڈان کے سرحدی پہرہ دار یہ نہ دیکھ سکے کہ چار تاجروں اور چھ اونٹوں کا یہ قافلہ سوڈان کے کسی شہر کی طرف جانے کی بجائے اُس پہاڑی علاقے کی سمت چلا گیا ہے جہاں مسلمان آباد تھے۔ اُدھر تاجروں کے کسی قافلے کو جانے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ سوڈان کی حکومت مسلمانوں کو اناج اور دیگر اجناس سے اور تجارت سے محروم رکھنا چاہتی تھی۔ یہ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو اونٹوں کو ٹیلوں کے علاقے میں چھپا دیا گیا۔ سرحد دور پیچھے رہ گئی تھی۔ ان لوگوں نے سارا دن وہیں چھپ کر گزارا۔

رات تاریک ہوئی تو قافلہ پھر چل پڑا، اور آدھی رات کے وقت پہاڑی علاقے میں داخل ہو گیا۔ یہی قافلے کی منزل تھی۔ سحر کے وقت قافلہ ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ میر کارواں ایک مکان کے سامنے رکا اور دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایک آدمی ہاتھ میں دیا لیے باہر آیا۔ میر کارواں نے اُس کے کان میں کچھ کہا۔ دروازہ کھولنے والے نے کہا۔ "خوش آمدید... تم سب فوراً اندر چلو۔ اونٹوں کو ہم سنبھال لیں گے۔"

چاروں تاجر اندر چلے گئے۔ میزبان نے اپنے گھر والوں کو اور پڑوس کے دو تین آدمیوں کو جگایا۔ سب نے اونٹوں کو مختلف گھروں کے اونٹوں میں بانٹ کر باندھ دیا۔ سامان اتار کر میزبان کے گھر میں رکھ دیا گیا۔ میر کارواں نے کہا کہ سامان فوراً کھولو اور غائب کر دو۔ سب نے سامان کھولا تو اس میں اناج کی بجائے تیروں کا ذخیرہ تھا۔ کمانیں، ترکشیں اور خنجر تھے اور تین چار بدیوں میں آتش گیر مادے سے بھری ہوئی ہانڈیاں تھیں۔ یہ سامان غائب کر دیا گیا۔

"کیا میں اپنے آپ میں آ جاؤں؟" میر کارواں نے پوچھا۔ "تنگ آ گیا ہوں۔"

"کوئی خطرہ نہیں۔" میزبان نے کہا۔ "سب اپنے لوگ ہیں۔"

میر کارواں نے لمبی داڑھی اتار دی اور آنکھ سے سبز کپڑا بھی اتار دیا۔ یہ داڑھی نقلی تھی۔ اُس کی اصلی داڑھی چھوٹی تھی اور سلیقے سے تراشی ہوئی۔ سامان اِدھر اُدھر چھپا کر جب آدمی مہمانوں کے پاس آئے تو ایک آدمی میر کارواں کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ میر کارواں مسکرایا اور پوچھا۔ "پہچانا نہیں تھا مجھے؟"

"اوہ میرے دوست علی بن سفیان!" اس آدمی نے کہا۔ "خدا کی قسم میں نے نہیں پہچانا تھا۔" اُس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ خود آ گئے ہیں۔ یہاں کے حالات ٹھیک نہیں۔"

"مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر دیا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اور مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ سوڈانی ہمارے جنگی قیدیوں کو ہلاکت خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

لمبی داڑھی اور آنکھ پر سبز پٹی اور تاجروں کے بھیس میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ماہر جاسوس اور سراغرساں علی بن سفیان تھا جو یہاں کے حالات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ اُسے جاسوسوں نے قاہرہ جا کر جو خبریں دی تھیں وہ اُن کی روشنی میں باتیں کر رہا تھا، اور وہ جس گھر میں بیٹھا تھا، وہ اُس کے بھیجے ہوئے جاسوسوں کا مرکز تھا۔ اُس کا میزبان سوڈانی باشندہ تھا۔ یہ سب لوگ سلطان ایوبی کے پرستار تھے۔ ان لوگوں نے علی بن سفیان کو ایک نئی بات سنائی۔

"افواہ پھیل رہی ہے کہ خدا کا کوئی اپنی آیا ہے جو پانی کو آگ لگاتا ہے۔" میزبان نے علی بن سفیان کو بتایا۔ "اور وہ لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرتا ہے کہ خدا نے مجھے یہ پیغام دے کر یہودیوں میں سے اٹھایا ہے کہ مسلمانوں کو برباد کر۔ سوڈان کے وفادار بن جاؤ کیونکہ یہ دین تمہاری ماں ہے۔" اس نے عمرو درویش کے متعلق ساری باتیں سنا دیں لیکن اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش رات کو معجزہ کا جلوہ دکھا کر لوگوں کے دلوں میں بے حد خطرناک شکوک پیدا کر چکا ہے۔

"مجھے یہی ڈر تھا کہ دشمن عقیدوں پر حملہ کرے گا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اسی لیے میں خود آیا ہوں۔ صلیبی تخریب کاری کے ماہر ہیں اور ہماری قوم جذباتی ہے۔ صلیبی الفاظ کا بڑا ہی دلفریب جامہ تن دیتے ہیں۔ ہمارے بھائی کھچے ہوئے اس کے حسین تاروں میں اُلجھ جاتے ہیں.... مجھے فوری طور پر اس فتنے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات لینی چاہئیں۔ میرا خیال ہے کہ عمرو درویش کو میں جانتا ہوں۔ ہماری فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔"

اس علاقے میں مصری جاسوس چھاپہ مار بھی تھے۔ علی بن سفیان نے میزبان سے کہا کہ وہ چند ایک آدمیوں کو بلانے کا انتظام کرے تاکہ اس تخریب کاری پر جوابی حملہ کیا جا سکے۔

☆

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ جاسوسوں کو بلانے کے لیے آدمی دوڑا دیئے گئے۔ وہ گئے ہی تھے کہ ایک گھوڑ سوار سرپٹ دوڑتا آ رہا تھا۔ اس مکان کے سامنے آ کر گھوڑا روکا۔ سوار اُتر کر اندر آیا تو سب احترام کے لیے اٹھے۔ یہ امام تھا، مذہبی امام تھا جس نے عمرو درویش کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ لوگ اُسے دھکے دیتے چلے گئے تھے، پھر رات کو اس پر وہ مسلم

آدمیوں نے قافلے پر حملہ کیا تھا۔ امام وہیں سے واپس آگیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں نے اس گاؤں اور اس گھر کو جاسوسی اور دیگر سرگرمیوں کا خفیہ مرکز بنا رکھا ہے۔ امام اپنے گھر گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ یہ امام اس پر یقین رکھتا تھا کہ عمرو درویش شعبدہ باز ہے۔ وہ اس گاؤں میں رپورٹ دینے اور شعبدہ بازی کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے مدد لینے آیا تھا۔ آگے علی بن سفیان بیٹھا تھا۔

امام علی بن سفیان سے واقف نہیں تھا۔ تعارف کرایا گیا تو امام نے تفصیل سے سنایا کہ عمرو درویش نے کیا شعبدہ دکھایا ہے اور مسلمان تماشائیوں نے اس کا کس طرح اثر قبول کیا ہے۔

"اگر ہم نے یہ سلسلہ نہ روکا تو مسلمان اپنے عقیدوں سے منحرف ہو جائیں گے۔" امام نے کہا۔ "یہ شخص جو اپنا نام عمرو درویش بتاتا ہے آج رات اگلے گاؤں کو جا رہا ہے اور یہی شعبدہ دکھائے گا۔"

انہوں نے تھوڑی دیر اس مسئلے پر غور کیا۔ ایک طریقہ یہ سوچا گیا کہ عمرو درویش کو قتل کر دیا جائے۔ علی بن سفیان نے اتفاق نہ کیا۔ اس نے اس قسم کا اظہار کیا کہ اسے یقین ہے کہ عمرو درویش کو قتل کیے بغیر راہِ راست پر لایا جا سکے گا اور اسی کی زبان سے کہلوایا جائے گا کہ اس نے جو معجزے دکھائے ہیں وہ شعبدہ بازی تھی۔ قتل کے خلاف دلائل دیتے ہوئے اس نے کہا کہ اس طرح لوگ اسے اور زیادہ برحق ماننے لگیں گے۔

علی بن سفیان کے ساتھ تاجروں کے بھیس میں جو تین آدمی آئے تھے وہ مصری فوج کے بغیر معمولی لوگوں پر ذہین، اپنے فن کے ماہر اور تجربہ کار لڑاکا جاسوس تھے۔ علی بن سفیان نے انہیں تاجروں کے بھیس میں ساتھ لیا۔ خود لمبی داڑھی اور ایک آنکھ پر سبز پٹی کا بہروپ چڑھایا۔ گھوڑے منگوائے۔ چند اور آدمیوں سے کہا کہ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ اس نے سب کو ہدایات دیں اور امام کے ساتھ اس سمت روانہ ہو گیا جہاں عمرو درویش کو خیمہ زن ہونا تھا۔

عمرو درویش صبح طلوع ہوتے ہی اگلے مقام کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھی اس علاقے کے لوگوں کے لباس میں اس کی حفاظت کے لیے جا رہے تھے۔ اس کی تشہیر دُور دُور تک ہو گئی تھی.... وہ ایک اور گاؤں سے کچھ دُور رک گیا اور خیمہ گاڑ دیا۔ تھوڑی سی دیر میں وہ اور آتشی تیار ہو گئے۔ خیمے کے سامنے دو مشعلیں جلا کر گاڑ دی گئیں۔ اس کے ساتھیوں نے گاؤں والوں کو جا بتایا کہ انہوں نے خدا کے جس ایلچی کے معجزے سنے ہیں وہ ان کے گاؤں کے باہر خیمہ زن ہے۔ لوگ دوڑے گئے۔ جن لوگوں نے ایک روز پہلے عمرو درویش کو دیکھا تھا۔ وہ بھی دُگنا تگنا کا فاصلہ طے کر کے آ گئے۔

عمرو درویش دونوں مشعلوں کے درمیان چبوترے سے قالین پر بیٹھ گیا۔ آتشی اپنے اسی بھڑکیلے لباس اور طلسماتی بناؤ سنگھار سے آراستہ تھی۔ عمرو درویش کے سامنے کپڑا لپٹا پڑا تھا۔ اس نے وہی اداکاری شروع کر دی جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک آدمی نے وہی سوال پوچھا جو پہلے پوچھا گیا تھا۔ عمرو درویش نے وہی باتیں اسی انداز سے دُہرا کر کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر ڈالا جائے۔ علی بن سفیان اپنی پارٹی کے ساتھ پہنچ چکا تھا اور اس نے عمرو درویش کو پہچان لیا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ شخص مصری فوج کے ایک دستے کا کمانڈر ہے۔

علی بن سفیان کو بتا دیا گیا تھا کہ عمرو درویش پانی کو آگ لگاتا ہے۔ علی بن سفیان کو ایک شک تھا۔ یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پانی کو آگ لگ سکتی ہے۔ اس کے دماغ میں جو شک پیدا ہوا تھا، اس کے مطابق وہ نہایت سے مشکیزے میں پانی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ جوں ہی عمرو درویش نے کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر ڈالے تو ایک آدمی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے پاس مشکیزہ تھا۔ اس نے کچھ پانی کپڑے پر انڈیل دیا۔

علی بن سفیان آگے بڑھا اور مشعل زمین سے اکھاڑ کر لوگوں سے کہا۔ "تم میں سے کوئی آدمی آگے آئے۔" ایک آدمی جو علی بن سفیان کے ساتھ آیا تھا آگے گیا۔ علی بن سفیان نے مشعل اس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "اس کپڑے پر شعلہ رکھو۔" وہ آدمی ہچکچایا۔ علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا۔ "تم میں سے کوئی بھی آدمی اس پانی کو آگ لگا سکتا ہے۔"

اُس آدمی نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑے سے شعلہ بھڑک کر اٹھا۔ ایک آدمی جو عمرو درویش کا ساتھی تھا۔ بولا۔ "تم کوئی شعبدہ باز ہو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ تم پر خدا کی برگزیدہ شخصیت کا قہر نازل ہو گا۔"

عمرو درویش خاموشی سے اور حیرت سے علی بن سفیان کو دیکھ رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا لمبا بندھا ہوا چغہ عمرو درویش کے آگے رکھ دیا اور اس پر پانی انڈیل دیا۔ "اے مردِ خدا! اگر تیرا ہوتا اس اپنے کپڑے کو آگ لگا دے۔" اس نے مشعل عمرو درویش کے آگے کر دی مگر عمرو درویش اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ خاموش بیٹھا رہا۔

لوگوں نے آپس میں کھسر پھسر شروع کر دی۔ علی بن سفیان کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں نے عمرو درویش کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ امام کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔ عمرو درویش کے آدمیوں نے اس کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف سے بولنے والے جاسوس تھے۔ یہ بھی حسنِ اتفاق تھا۔ علی بن سفیان نے لوگوں کو اُدھر اُلجھا ہوا دیکھا تو عمرو درویش کے سامنے جا بیٹھا۔

"عمرو درویش!" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ایمان کی کتنی قیمت ہے؟"

"تم کون ہو؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"بہت دُور سے آیا ہوں۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "تمہاری شہرت سرحد پار تک تھی اور تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔" عمرو درویش نے بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پوچھا۔ "میں تم پر کیسے اعتبار کر لوں؟"

"میری داڑھی پر ہاتھ پھیرو۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "مصنوعی ہے۔ ایمان دار شخصیت رکھتا ہوں کی ہے اُس سے دُگنی دوں گا۔ یہ شعبدہ بازی ختم کرو۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔"

"میں قانون کے گھیرے میں ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔

"میری نہیں مانو گے تو بھی قتل ہو جاؤ گے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ یہاں تمہارے ساتھ بہت سے آدمی موجود ہیں.... تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" عمرو درویش نے کہا اور پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"بتا نہیں سکتا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں جو پوچھتا ہوں وہ بتاؤ.... قانون کا جلوہ یہ ہے:....

بتاؤ۔ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟"

"جب اُسوہ"۔ نوجوان نے کہا۔ "عمرو درویش نے کہا۔ "اور کبھی پہاڑی کوا کیسے ایک اونچی چٹان ہے۔ ایک بہت بڑا درخت ہے۔ شام سے ذرا پہلے وہاں اپنے آدمی چھپا دینا۔ جس طرح پانی کو آگ لگنے کا بھید جان گئے ہو، اسی کا بھید بھی جان جاؤ گے۔ مجھے موقعہ دو کہ یہ فاصلہ کھا لوں۔ تم وہاں سے شعلہ نہ اُٹھنے دینا۔ میرے نور کا اور میری سفالت کا فرض تم پورا کرو گے۔ میری شعبدہ بازی یہی ہوگی کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ مجھے اسحاق کو قید خانے سے آزاد کرانا ہے۔ اُٹھو اور اعلان کرو کہ رات کو نور کا جلوہ دکھاؤں گا۔"

علی بن سفیان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو عمرو درویش کی یہ دھورق سی بات نہ سمجھ سکتا۔ علی بن سفیان اسی میدان کا کھلاڑی تھا۔ وہ اشارے سے سمجھ گیا تھا۔ اس نے اُٹھ کر اعلان کیا۔ "خدا کا یہ برگزیدہ انسان رات کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔ میں نے اس کی بات تحمل سے سنی ہے۔ تم سب چلے جاؤ۔ شام کے بعد آنا۔"

علی بن سفیان اُٹھ کر چلا گیا۔ لوگوں نے آپس میں کھسر پھسر کی اور پوچھا کہ عمرو درویش کے ساتھ اُس کی کیا باتیں ہوئی ہیں۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "اس برگزیدہ ہستی کے پیغام اور ایک راز سے۔ میں نے اپنا شک رفع کر لیا ہے۔ رات کو اس کا معجزہ دیکھنا۔"

عمرو درویش کے آدمی اس کے پاس جا بیٹھے اور پوچھا کہ اس آدمی کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں۔ عمرو درویش نے جواب دیا۔ "میں نے اُسے قائل کر لیا ہے۔"

"لیکن یہ ہے کون؟" ایک آدمی نے کہا۔ "ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ کپڑے میں آتش گیر سیال ہے جو جل اٹھتا ہے۔"

"تم کیوں فکر کرتے ہو؟" عمرو درویش نے مسکرا کر کہا۔ "میں آج رات اس کے شکوک رفع کر دوں گا۔"

"اگر یہ رات کو زندہ اسے ہم قتل کر دیں گے۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تمہیں ابھی ہوا کا بنایا کیمیل بگڑ جائے۔ اگر یہ رات کو میرے پاس آیا تو میں اس خیمے میں بٹھا لوں گا۔ تم اسے باندھ کر اُٹھا لے جانا۔"

"ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں۔" تیسرے آدمی نے کہا۔ "اسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔"

دو آدمی اُٹھے اور اُن لوگوں سے جو واپس جا رہے تھے۔ ان دونوں نے علی بن سفیان کو دیکھا۔ مگر وہ ان میں نہیں تھا۔ انہوں نے پوچھا تو کسی نے بھی نہ بتایا کہ وہ آدمی کہاں ہے جس کی داڑھی نہیں اور ایک آنکھ پر سبز پٹی بندھی تھی۔

علی بن سفیان گھوڑے پر سوار ہو کر دور نکل گیا تھا۔

☆

عمرو درویش خیمے میں آشی کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو آشی نے اس سے پوچھا۔ "یہ آدمی کون تھا؟ اس نے تمہارے ساتھ اس طرح باتیں کی ہیں جیسے تم اسے اور تمہارا بہروپ سے واقف ہے۔"

"سنو آشی!" عمرو درویش نے کہا۔ "آج رات کچھ ہونے والا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ کیا ہوگا۔ اس آدمی کو میں پہچان نہیں سکا۔ اس نے بتایا بھی نہیں کہ وہ کون ہے لیکن یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ مجھے اُمید نہیں کہ آج رات ہم فرار ہو سکیں، اور یہ توقع بھی ہے کہ میں قتل ہو جاؤں گا۔ آج رات تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تمہاری رگوں میں سامان باپ کا خون ہے۔ اگر تم نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو تم میرے ہاتھوں قتل ہو گی۔"

"اگر تم مجھے کچھ اور بھی بتا دو کہ کیا ہوگا اور مجھے کیا کرنا ہے تو شاید میں زیادہ اچھے طریقے سے تمہاری مدد کر سکوں گی۔" آشی نے کہا۔ "میں تمہاری خاطر قتل ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن اس سے تمہارا مقصد پورا نہ ہوا تو میری جان بلا وجہ گئی جائے گی۔"

"تمہیں یہ کرنا ہے۔" عمرو درویش نے کہا۔ "کہ اپنے آدمیوں کی باتوں میں نہ آنا۔ کوشش کرنا کہ اُن کا ارادہ قبل از وقت معلوم کرو اور مجھے خبردار کر دو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ آج رات کیا ہوگا۔ تم تیار رہنا۔"

"تم کئی بار کہہ چکے ہو کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔" آشی نے کہا۔ "لیکن میں نے تمہیں ایک بار بھی نہیں کہا کہ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ اگر تم یہاں سے آزاد ہو گئے تو کیا تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟"

"تم واپس جانا پسند نہیں کرو گی؟"

"نہیں۔" آشی نے رنجیدہ مگر پُرعزم لہجے میں کہا۔ "مرجانا پسند کروں گی۔"

"تم شہزادی ہو آشی!" عمرو درویش نے کہا۔ "میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ چلو گی تو تمہارا مستقبل کیا ہوگا۔ تم ان جنگلوں میں رہنا یقیناً پسند نہیں کرو گی۔ میں تمہیں قاہرہ لے جاؤں گا۔ وہاں تمہارے متعلق سوچنے کے لیے بڑے اچھے دماغ موجود ہیں۔"

"تم مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھو گے؟" آشی نے پوچھا۔ "مجھے اپنی بیوی نہیں بناؤ گے؟"

"اگر یہ شرط ہے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "لوگ کہیں گے کہ میں نے اپنا فرض تمہیں حاصل کرنے کے لیے ادا کیا ہے۔ میرا گھر جہاں میری ایک بیوی موجود ہے تمہارے قابل نہیں۔ آشی! میں سپاہی ہوں۔ میرا گھر میدانِ جنگ ہے۔ مجھے اپنی بیوی کی صورت دیکھے تین سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ تم اگر اس لیے میری بیوی بننا چاہتی ہو کہ میں تمہاری پسند کا مرد ہوں تو تم مایوس ہو گی۔ تمہاری محبت اور تمہاری دعائیں اُس تیر کو نہیں روک سکیں گے جسے میرے سینے سے پار ہونا ہے۔۔۔۔ تم مجھے اپنی خواہش بتا دو۔"

"میں ذلت اور خواری کی اس زندگی سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "مجھے تمہاری مدد اور سہارے کی ضرورت ہے۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔"

"اگر زندہ رہا تو تمہیں پوری مدد اور سہارا دوں گا۔"

"آخر وہ گیا کہاں؟" یہ آواز اُن جاسوسوں میں سے ایک کی تھی جو عمرو درویش کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عمرو درویش کے خیمے سے کہیں دُور کھڑے علی بن سفیان کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اُس نے کہا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمرو درویش اس کے دل کو اپنے قبضے میں لینے کی بجائے اپنا دل اس کے قبضے میں

دے چکا ہو۔ ہمیں اب بہت ہی محتاط ہونا پڑے گا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ عمرو درویش پر بھروسہ نہ کرنا۔"

"وہ لمبی داڑھی والا آدمی آگ کا بھید جان گیا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اب یہ دیکھنا ہے کہ عمرو درویش نے اس بھید پر پردہ ڈالا ہے یا اس آدمی پر۔"

"آشی کس مرض کی دوا ہے؟" تیسرے نے کہا۔ "کیا وہ عمرو درویش کے دل کا حال معلوم نہیں کر سکتی؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ لڑکی بھی عمرو درویش کی سازش میں شریک ہو گئی ہو۔"

"اگر کوئی سازش ہے اور آشی اس میں شریک ہے تو اس کے متعلق حکم صاف ہے کہ قتل کر دو۔" ایک نے کہا۔

"کیا تم اتنی قیمتی چیز کو یوں ضائع کر دو گے؟" دوسرے نے کہا۔ "اسے اُڑا لے جائیں گے اور کسی دولت والے کو منہ مانگے داموں یہ ہیرا دے دیں گے۔ وہاں یہ بتائیں گے کہ آشی کو قتل کر کے دفن کر دیا ہے۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے ان میں اتفاق رائے ہو گیا ہو۔ ایک نے کہا۔ "آج رات ہمیں 'نور' کا جلوہ' دکھانا ہے۔ دیکھ لیں گے کہ عمرو درویش یا اس آدمی کی نیت کیا ہے۔ رات کو ہم میں سے ایک کو آشی کے ساتھ رہنا ہو گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکی ہاتھ سے نکل جائے۔"

انہوں نے طے کر لیا کہ رات عمرو درویش اور آشی کے ساتھ کون ہو گا۔

☆

"چار آدمی کافی ہوں گے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں عمرو درویش کے ساتھ ہوں گا۔ تم سب نے ان تین چار آدمیوں کو پہچان لیا ہے جو عمرو درویش کی حمایت میں بول رہے تھے۔ یہ تمہارے علاقے کے وہ مسلمان ہیں جو سوڈانیوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔ عمرو درویش نے مجھے انہی کے متعلق بتایا ہے کہ وہ قافلوں کے گھیرے میں ہے۔ انہیں نظر میں رکھنا۔ ضرورت پڑے تو ختم کر دینا لیکن زندہ پکڑنا بہتر ہو گا۔"

اُس وقت علی بن سفیان ایک مسجد میں بیٹھا تھا۔ امام اسی مسجد کا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا بہروپ اتار دیا تھا۔ اُس نے مسجد میں ہی رات کے لیے اپنے آدمیوں کو مختلف کام بانٹ دیئے اور کہا۔ "مجھے جو شک تھا وہ صحیح ثابت ہوا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ رات کو بھی مجھے کامیابی ہو گی۔"

سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے اُس پہاڑی پر جو عمرو درویش نے علی بن سفیان کو دکھائی تھی ایک آدمی چڑھ رہا تھا۔ وہ اِس احتیاط کے ساتھ چڑھ رہا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ دوسری طرف سے دو آدمی اسی کی طرح جھکے جھکے اوپر جا رہے تھے اور ایک اور آدمی کسی اور طرف سے اوپر جا رہا تھا۔ یہ آدمی جب اوپر پہنچا گیا تو رینگ کر ایک بہت بڑے درخت تک پہنچا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ دو آدمی ایک بہت بڑے پتھر کے عقب میں بیٹھ گئے۔ یہ جگہ درخت سے دُور نہیں تھی۔ چوتھا آدمی بھی اوپر پہنچا گیا اور ایک موزوں جگہ چھپ گیا۔ جو آدمی درخت پر چڑھا تھا وہ اوپر ایک موٹے تنہ پر اِس طرح بیٹھ گیا کہ ٹانگیں اُوپر کر کے سکیڑ لیں۔ شاخیں اور پتے اتنے گھنے تھے کہ یہ آدمی نیچے سے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ آہستہ سے ایک پرندے کی طرح بولا۔ اُسے پرندے کی آواز میں تین ساتھیوں کا جواب ملا۔

سورج پہاڑی کے عقب میں اُتر گیا تھا اور تین آدمی اکٹھے پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے پاس آگ جلانے کا سامان اور مٹی کے برتن میں آتش گیر مادہ تھا۔ ان کے پاس لمبے خنجر بھی تھے۔ شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ ان تین آدمیوں کا انداز ایسا تھا جیسے انہیں کسی بھی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ ان کی باتیں ان چار آدمیوں کو سنائی دینے لگیں جو پہلے سے وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ وہ پوری طرح چھپ گئے۔ وہاں سے دُور نیچے عمرو درویش کا خیمہ تھا جو شام کے اندھیرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ خیمے کے باہر گاڑھی ہوئی دو مشعلوں کے شعلے دکھائی دے رہے تھے۔

"خدا کا ایلچی تیار ہو گیا ہے۔" ان تین آدمیوں میں سے ایک نے ہنس کر کہا جو بعد میں اوپر آئے تھے۔

"سامان کھول کر تیار کرو۔" "آج میرا دل کسی اور طریقے سے دھڑک رہا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اس کے اندر کوئی وہم بیٹھ گیا ہے۔ کیا تم محسوس نہیں کر رہے کہ آج کچھ گڑبڑ ہے؟"

"میں بھی کچھ گڑبڑ اس آدمی کی وجہ سے محسوس کر رہا ہوں جس نے ایک آنکھ پر سبز پٹی باندھ رکھی تھی۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ ہم نُور کا جلوہ دکھا کر سب کے وہم دُور کر دیں گے۔ اگر لوگ آ گئے تو اس ایک آدمی کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔ تم اپنا کام کرو۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اندھیرا گہرا ہو رہا ہے۔"

ایک آدمی نے مٹی کے برتن کا منہ کھول کر تیل کی طرح کا سیال زمین پر انڈیل دیا۔ جگہ چونکہ چٹیل تھی اس لیے یہ مادہ جذب نہ ہو سکا۔ اس سے ذرا دُور ہٹ کر ایک آدمی نے چھوٹا سا دیا جلا کر بڑے پتھروں کے درمیان رکھ دیا تاکہ دُور سے اس کی لَو نظر نہ آ سکے۔ اس کی روشنی میں یہ تینوں آدمی نظر آ رہے تھے۔

"اب اُدھر مشعل پر نظر رکھو۔" ایک نے کہا۔ "جُوں ہی مشعل اوپر نیچے حرکت کرے دیا تیل پر پھینک دو۔ لوگوں کو نُور کا جلوہ نظر آ جائے گا۔"

یہ اہتمام اُس بڑے درخت کے نیچے کیا گیا تھا جس پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ نیچے تینوں آدمی اکٹھے کھڑے ہو گئے۔ اُس نے جھینگر کی آواز پیدا کی۔ ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے سے بھی جھینگر کی آواز سنائی دی۔ تینوں آدمی بے پرواہ ہو کے کھڑے رہے۔ اچانک اوپر سے ایک آدمی ان تینوں میں سے ایک آدمی کے کندھوں پر گرا۔ نیچے والا آدمی اوپر والے کے نیچے آ گیا۔ دوسرے دو بُری طرح گھبرا گئے اور اِدھر اُدھر ہوئے۔ ذرا سی دیر میں تین آدمی مختلف اوٹوں سے اُٹھے اور ان دونوں پر جھپٹ پڑے۔ انہیں خنجر نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ ان میں سے جو آدمی اوپر والے کے نیچے پڑا تھا وہ قوی ہیکل تھا۔ اُس نے اُوپر والے کو لڑھکا دیا۔ علی بن سفیان نے کہا تھا کہ انہیں زندہ پکڑنا ہے مگر اس آدمی کو ہلاک کرنا ضروری ہو گیا۔ جو آدمی اُس کے اُوپر گرا تھا اُس نے خنجر نکالا اور اس قوی ہیکل آدمی کے دل میں اتار دیا۔ دوسرے دو آدمیوں کو اُن رسیوں سے باندھ دیا گیا جو اسی مقصد کے لیے ساتھ لے جائی گئی تھیں۔

☆

عمرو درویش کے خیمے کے باہر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان میں علی بن سفیان بھی تھا اور اس کے ساتھ عربی

نوج کے چھاپہ مار بھی خاصی تعداد میں تھے جو اس علاقے میں مختلف بہروپوں میں رہتے تھے۔ انہیں دن کے دوران اکٹھا کر لیا گیا اور بتا دیا گیا تھا کہ اُن کا مشن کیا ہے۔ ان میں چند ایک گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کے پاس ہتھیار بھی تھے۔ .... لوگوں میں عمرو درویش پر نظر رکھنے والے اور اس کی مدد کرنے والے سوڈانی جاسوس بھی تھے۔ اُن کی تعداد پانچ چھ سے زیادہ نہیں تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں پہچان لیا تھا۔ وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اُن کے مدِمقابل کتنے آدمی ہیں۔

آشی اپنے مخصوص لشکاتی لباس اور حلیے میں باہر نکلی۔ اُس نے اداکاری کی۔ دونوں مشعلوں کے درمیان چھوٹا سا قالین بچھایا۔ عمرو درویش خیمے سے نکلا اور مستانہ چال چلتا قالین پر آن کھڑا ہُوا۔ دونوں بازو پھیلا کر آسمان کی طرف کیے اور منہ اُوپر کر کے کچھ بڑبڑانے لگا۔ آشی نے اُس کے آگے سجدہ کیا پھر اُس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔

"اے خدا کے مقدس ایلچی! جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے"۔ آشی نے کہا۔ "انسانوں کا یہ گروہ طُور کا جلوہ دیکھنے آیا ہے جو خدائے ذوالجلال نے موسیٰ کو دکھایا تھا، اور جنات بھی جن سے میں ہُوں طُور کا جلوہ دیکھنے آئے ہُوئے ہیں"۔

"کیا ان سب کو شک ہے کہ میں خدا کا جو پیغام لایا ہوں وہ برحق نہیں؟"۔ عمرو درویش نے پوچھا۔

"اگر گستاخی ہو تو مجھے بخش دینا اے خُدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر!" ایک آدمی نے کہا۔ "طُور کا جلوہ دکھا کر تم گناہگاروں کے دلوں سے سارے شک نکال دے"۔

علی بن سفیان نے اس آدمی کو دیکھا۔ اُسے وہ پہچانتا تھا۔ وہ عمرو درویش کے ساتھ کا آدمی تھا۔

"ہاں مقدس ہستی!"۔ علی بن سفیان نے آگے آ کر کہا۔ "ہم شک میں ہیں۔ ہمیں طُور کا جلوہ دکھا اور اگر یہ لڑکی جنات میں سے ہے تو اسے کہہ کہ تھوڑی سی دیر کے لیے غائب ہو جائے، پھر ہمارے شک ختم ہو جائیں گے"۔

عمرو درویش نے درخت والی پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اُدھر دیکھو۔ اندھیرے میں تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا"۔ اُس نے زمین سے ایک مشعل اکھاڑی اور بلند کی۔ اُس نے اونچی آواز میں کہا۔ "خدائے ذوالجلال! تیرے سادہ اور جاہل بندے شکوک کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ انہیں وہی جلوہ دکھا جو تُو نے موسیٰ کو دکھایا تھا اور جس سے فرعونوں کے نشین کو ہلایا تھا"۔

اُس نے مشعل دائیں بائیں لہرائی پھر اوپر کر کے نیچے کی مگر پہاڑی پر کوئی شعلہ نمودار نہ ہُوا۔ عمرو درویش نے ایک بار پھر مشعل کو اوپر سے نیچے کو لہرایا مگر پہاڑی پر چھوٹا سا شرارہ بھی نہ چمکا۔ پہاڑی پر عمرو درویش کا ایک آدمی مارا پڑا تھا اور دو رسّیوں سے بندھے ہُوئے تھے۔ وہ علی بن سفیان کے چار آدمیوں کے قبضے میں تھے۔ انہیں وہاں سے عمرو درویش کی مشعل کی حرکت نظر آ رہی تھی۔ کسی نے کہا۔ "آج کسی کو طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا"۔ سب نے قہقہہ لگایا۔

"آج طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا"۔ علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا۔ وہ عمرو درویش سے مخاطب ہُوا۔ "عمرو درویش! اگر تُو آج پہاڑی سے شعلہ اٹھا دے تو میں خدا کی بجائے تمہاری عبادت کروں گا"۔

ایک آدمی نے خنجر نکالا اور علی بن سفیان کی پیٹھ کی طرف سے آگے گیا۔ وہ دو چار قدم آگے گیا ہو گا کہ پیچھے سے ایک بازو اُس کی گردن کے گرد لپٹ گیا۔ کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ ایک آدمی خیمے کے عقب سے خیمے کے اندر چلا گیا ہے۔ اُس نے خیمے میں سے آشی کو پکارا۔ آشی اندر گئی۔

"فوراً نکلو"۔ اس آدمی نے آشی سے کہا۔ "ہمارا راز فاش ہو چکا ہے۔ یہ آدمی جس نے کہا ہے کہ آج طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا یہاں کا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ مصر سے آیا ہے۔ ہمارا ایک ساتھی پکڑا گیا ہے۔ یہاں کے مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ عمرو درویش کو قتل کر دیں۔ ہم تو نکل جائیں گے، تم ان کے ہاتھ آ گئی تو تمہارے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کریں گے"۔

"میں نہیں جاؤں گی"۔ آشی نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے ان وحشیوں اور جنگلیوں سے کوئی خطرہ نہیں"۔

"کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟"

"میں پاگل نہیں تھی"۔ آشی نے کہا۔ "اب دماغ درست ہو گیا ہے۔ اب وہاں جاؤں گی جہاں عمرو درویش کہے گا"۔

باہر علی بن سفیان اور اس کے آدمی لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ انہیں وہاں لے جائیں گے جہاں سے طُور کا جلوہ نظر آتا تھا۔ وہاں انہیں دکھایا جائے گا کہ انہوں نے ایک رات پہلے جو جلوہ دیکھا تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔ علی بن سفیان کے چھاپہ ماروں نے لوگوں میں سے تین آدمیوں کو اس طرح پکڑ لیا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ ان کے پہلوؤں کے ساتھ خنجروں کی نوکیں لگا کر انہیں الگ اندھیرے میں لے گئے اور اُن پر قابو پا لیا گیا تھا۔ عمرو درویش ابھی وہیں کھڑا تھا۔

☆

خیمے کے اندر ایک سوڈانی جاسوس آشی کو بچانے کے لیے اُسے ساتھ لے جانا چاہتا تھا، مگر آشی جانے سے انکار کر رہی تھی۔ وہ آدمی حیران تھا کہ لڑکی انکار کیوں کر رہی ہے۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ آشی نے کہا۔ "تم بھی مسلمان ہو، میں بھی مسلمان ہوں۔ میں اب اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی"۔

باہر غل غپاڑہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس آدمی نے لمبا خنجر نکال لیا اور آشی کو قتل کی دھمکی دے کر ساتھ چلنے کو کہا۔ آشی نے تلوار ایسی جگہ رکھی ہوئی تھی جہاں سے فوراً نکالی جا سکتی تھی۔ عمرو درویش نے اُسے کہا تھا کہ ہتھیار ہر لمحہ تیار رہنے چاہئیں۔ آشی نے لپک کر تلوار کھینچ لی اور کہا۔ "ہم دونوں میں سے کوئی بھی باہر نہیں جائے گا"۔

ایک مرد کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا کہ اسے ایک عورت للکارے۔ وہ جان گیا کہ یہ معاملہ گڑبڑ ہے اور اتنی قیمتی لڑکی ہاتھ سے جا رہی ہے۔ اُسے قتل کر دینا یا اڑا لے جانا ضروری ہو گیا تھا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ آشی تیغ زنی کی سوجھ بوجھ رکھتی ہے یا نہیں۔ وہ خنجر سے اس پر حملہ آور ہُوا۔ آشی نے اُس کے خنجر پر تلوار ماری۔ خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن خیمے سے ٹکرا کر اُس کے قریب گرا۔ اُس نے خنجر اٹھا لیا۔ آشی نے اس پر تلوار کا وار کیا۔ وہ خنجر پکا تیغ زن تھا۔ وار بچا گیا۔ آشی نے کہا۔ "میرا استاد بھی وہی ہے جس نے تمہیں تیغ زنی سکھائی ہے"۔

اس نے آشی کا ایک اور وار اس طرح روکا کہ ایک طرف ہُوا اور آشی کے سنبھلنے تک اُس کے اوپر آ گیا۔ اس

نے آشی کی کلائی پکڑلی اور بولا ــــ "میں تمہیں قتل نہیں کروں گا آشی! ہوش میں آؤ" ــــ آشی نے اس کی ناک پر مکہ ماری۔ وہ پیچھے ہٹا تو وار اس کے خنجر پر کرکے خنجر پھر گرا دیا۔ وہ وار بچانے کے لیے پیچھے ہٹا تو خیمے نے اُسے روک لیا۔ اب تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر تھی۔ آشی نے کہا ــــ "میں سلمان باپ کی بیٹی ہوں" ــــ اُس نے نوک اُس آدمی کی شہ رگ میں دبائی اور بولی ــــ "بیٹھ جاؤ۔ ہاتھ پیچھے کرلو۔ میری طاقت میرا ایمان ہے۔ میں اب کھلونہ نہیں"

باہر اب یہ عالم تھا کہ ایک مشعل علی بن سفیان نے اُٹھالی تھی اور دوسری امام نے۔ چار پانچ چھاپہ ماروں نے عمرو درویش کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اُسے انہوں نے مجرم کی حیثیت سے حراست میں نہیں لیا تھا بلکہ حفاظت کے لیے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ جو سوڈانی جاسوس اُس کے ساتھ لگے ہُوئے تھے، وہ اُسے قتل کرسکتے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے اب کوئی بھی آزاد نہیں تھا۔ یہ ہدایت علی بن سفیان نے دی تھی کہ جوں ہی ہنگامہ شروع ہو عمرو درویش کو پناہ میں لے لیا جائے۔

عمرو درویش نے ایک چھاپہ مار سے کہا ــــ "خیمے میں لڑکی ہے، اسے بھی ساتھ لے چلنا ہے۔ وہ سلمان ہے"

خیمے میں گئے تو وہاں کچھ اور ہی منظر تھا۔ آشی نے تلوار کی نوک پر ایک آدمی کو بٹھا رکھا تھا۔ اس آدمی کو پکڑ لیا گیا۔ عمرو درویش سے علی بن سفیان نے کہا ــــ "مجھے یقین ہے کہ میرے آدمی اس پہاڑی پر پہنچ گئے ہیں، اسی لیے وہاں سے شعلہ نہیں اُٹھا۔ بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو ابھی وہاں لے جاکر دکھایا جائے کہ شعلہ کیسے پیدا کیا جاتا ہے تاکہ جو اس شعبدہ بازی کے جھانسے میں آگئے ہیں، اُن کے ذہن صاف ہوجائیں"

"ایک مسئلہ اور ہے جس کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے" ــــ عمرو درویش نے کہا ــــ "اسحاق کو تہ خانے سے رہا کرانا ہے۔ اس علاقے میں سوڈانیوں کے بہت سے جاسوس ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی یہاں کے حالات کی اچانک اور غیر متوقع تبدیلی دیکھ کر حکومت اور فوج کو اطلاع دے دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں ڈال کر اُسے اذیت رسانی سے مار دیا جائے گا۔ میں سوڈانی سالار کو یہ دھوکہ دے کر آیا تھا کہ میں یہاں کے مسلمانوں کے ذہن بدل دوں گا۔ میں نے قید خانے میں اسحاق کے ساتھ بات کرلی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ میں سوڈانیوں کی بات مان لیتا ہوں، اور اپنے علاقے میں جاکر چند دن اُن کی مرضی کے مطابق کام کروں گا۔ میرا ارادہ تھا کہ یہاں آکر لوگوں کو درپردہ بتا دوں گا کہ میرا اصل مقصد کیا ہے۔ میرا ارادہ یہ بھی تھا کہ فاہز کو بھی اطلاع بھجوا دوں گا اور اسحاق کو فرار کرانے کی بھی کوئی صورت پیدا کروں گا....

"یہاں آیا تو مجھے پتہ چلا کہ بہت سے سوڈانی جاسوس جو اسی علاقے کے مسلمان ہیں میرے اردگرد پھر رہے ہیں اور میں آزاد نہیں ہوں۔ اتفاق سے یہ لڑکی مسلمان نکلی" ــــ اُس نے آشی کے ماضی کے متعلق سب کو تفصیل سنائی اور کہا ــــ "مجھے اُمید نہیں تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں گا۔ میں بہت پریشان ہوں ہمارے مسلمان بھائی اس قدر سادہ اور جذباتی ہیں کہ میری باتوں اور شعبدہ بازیوں کے قائل ہوتے گئے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں کیا کروں۔ میں ہر لمحہ سوڈانی جاسوسوں کی نظر میں رہتا تھا۔ خدا نے میری نیت کی قدر کی اور آپ کو بھیج دیا.... باقی باتیں بعد میں سناؤں گا۔ میں اسحاق کو آزاد کرانا چاہتا ہوں۔ مجھے دو بہت ہی دلیر اور عقل مند چھاپہ مار

دے دیں"

اُس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ اُس نے کیا سوچا ہے۔ علی بن سفیان نے اس کی سکیم پر غور کیا۔ کچھ رد و بدل کی اور اُسے کہا کہ وہ دو چھاپہ ماروں اور آشی کے ساتھ اسی وقت روانہ ہوجائے اور اسحاق کو رہا کرالے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ وہ لوگوں کو اس پہاڑی پر لے جائے گا اور انہیں بتائے گا کہ طور کے جلوے کی حقیقت کیا تھی۔

عمرو درویش، دو چھاپہ مار اور آشی اُسی وقت گھوڑوں پر روانہ ہوگئے۔

☆

وہ خیمے کی پچھلی جانب سے چپکے سے نکل گئے تھے۔ علی بن سفیان خیمے سے باہر نکلا۔ لوگ پریشانی اور حیرت کے عالم میں باہر ٹولیوں میں کھڑے چہ میگوئیاں کررہے تھے۔ علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا ــــ "اگر تم طور کے جلوے کی حقیقت دیکھنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ آؤ۔ تم سب جانتے ہو کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیغمبری اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد خدا نے نہ کسی کو کبھی جلوہ یا معجزہ دکھایا ہے نہ دکھائے گا۔ اس آدمی کو تمہارے عقیدے خراب کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تم نے غور نہیں کیا کہ یہ شخص تمہیں صرف یہ بات کہتا رہا ہے کہ سوڈان کی فوج کو تم نے اس علاقے سے ہمیشہ دُور رکھا ہے۔ اب سوڈانیوں نے تمہارے دلوں پر قبضہ کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا ہے....

"غیور مسلمانو! دشمن جب اس قسم کے اوچھے حربوں پر اُتر آتا ہے تو یہ اس حقیقت کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ میدان میں تمہارے مقابلے میں آنے سے ڈرتا ہے۔ تم حق پر ہو۔ یہ خطہ تمہارا ہے۔ یہاں اسلام کی حکومت ہوگی۔ کفار تمہارے دلوں سے قوم اور مذہب کا احساس ختم کرنے کے جتن کررہے ہیں۔ آج تمہیں طور کے جلوے دکھائے جا رہے ہیں۔ کل تمہیں صلیبی لڑکیوں کے جلوے دکھا کر تم میں بے حیائی پیدا کی جائے گی۔ تمہیں انسان سے حیوان بنایا جائے گا پھر تم محسوس بھی نہیں کرو گے کہ تم عزت، غیرت اور وقار سے محروم ہوگئے ہو۔ تم کفار کے غلام ہوگے۔ سوڈان کا بادشاہ مسلمان نہیں ہے۔ وہ کافر ہے۔ اسلام کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بیٹیاں کفار کی بیٹیوں کی طرح مردوں کے ساتھ شراب پئیں اور بدکاری کریں؟ کیا تم پسند کرو گے کہ مسجدیں ویران ہوجائیں اور قرآن کے ورق زمین پر روندے جائیں؟"

"ربِ کعبہ کی قسم! ہم ایسا نہیں چاہتے" ــــ ایک آواز آئی ــــ "اُسے ہمارے سامنے لاؤ جو اپنے آپ کو خدا کا ایلچی کہتا ہے"

"وہ بے قصور ہے" ــــ علی بن سفیان نے کہا ــــ "وہ تم میں سے ہی ہے۔ وہ اب اصلی روپ میں تمہارے سامنے آئے گا اور تمہیں بتائے گا کہ کفار کس طرح تمہاری جڑیں کھوکھلی کررہے ہیں۔ ابھی تم میری باتیں سنو۔ تم مسلمان ہو۔ خدا نے تمہیں برتری اور فوقیت عطا فرمائی ہے۔ کفار تمہیں خدا کی عطا کی ہوئی عظمت سے بیگانہ کرنا چاہتے ہیں"

"تم کون ہو؟" — کسی نے بلند آواز سے کہا — "تمہاری باتوں میں دانائی ہے۔ کیا تم ہمیں دکھا سکتے ہو کہ یہ سب کیا تھا جو ہمیں دکھایا گیا ہے؟"

"میں تمہیں دکھاتا ہوں" — علی بن سفیان نے کہا — "نیچے میں سے وہ ایک برتن اٹھا لایا جس میں تیل کی قسم کا آتش گیر سیال تھا۔ اُس نے یہ تیل ایک کپڑے پر ڈال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس پر پانی ڈالا۔ مشعل اُٹھا کر اس کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑا بھڑک کر شعلہ بن گیا۔ اس نے سب کو بتایا کہ جس کپڑے پر پانی ڈال کر عمرو درویش آگ لگاتا تھا وہ بھی اسی تیل سے بھیگا ہُوا ہوتا تھا۔

"اب میں تمہیں وہ آدمی دکھاتا ہوں جو اس کے ساتھی تھے" — علی بن سفیان نے کہا۔ اس نے کسی کو آواز دے کر کہا — "انہیں سامنے لے آؤ"

لوگوں کے ہجوم سے کچھ دُور اندھیرے میں وہ آدمی پکڑے کھڑے تھے جو عمرو درویش کے سوانگ میں شامل تھے۔ انہیں چھاپہ ماروں نے نرغے میں لے رکھا تھا۔ اچانک شور اٹھا۔ گھوڑا دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کسی نے بلند آواز سے کہا — "ایک بھاگ گیا" — ایک جاسوس نکل گیا۔ دوسروں کو سامنے لایا گیا۔ مشعل اُوپر کر کے اُن کے چہرے سب کو دکھائے گئے۔

"یہ مسلمان ہیں" — علی بن سفیان نے کہا — "اسی علاقے کے رہنے والے ہیں۔ یہ ایمان فروش ہیں" —

علی بن سفیان نے تفصیل سے بتایا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔

"انہیں قتل کر دو" — کئی آوازیں اُٹھیں — "سنگسار کر دو" — لوگ اُن کی طرف بڑھے۔ مشعلوں کی روشنی میں تلواریں چمکیں — "رک جاؤ" — علی بن سفیان نے درمیان میں آ کر کہا — "خدا کا قانون اپنے ہاتھ میں نہ لو۔ ان کی سزا تمہارے بزرگ مقرر کریں گے۔ انہیں حراست میں لے لو.... اور میرے ساتھ آؤ"

سارے لوگ علی بن سفیان کے پیچھے چل پڑے۔ وہ انہیں اُس پہاڑی کی طرف لے جا رہا تھا جہاں اس کے چھاپہ ماروں نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا اور دو کو رسّیوں سے باندھ رکھا تھا۔

☆

اُس وقت عمرو درویش، آشی اور دو چھاپہ مار دُور نکل گئے تھے۔ وہ سوڈان کے دارالحکومت کی طرف جا رہے تھے۔

"دوستو!" — عمرو درویش نے دوڑتے گھوڑے سے کہا — "ہمیں بہت جلدی پہنچنا ہے.... آشی! اگر تم سواری سے تھک جاؤ تو میرے پیچھے بیٹھ جانا۔ سفر بڑا ہی لمبا اور وقت بہت ہی تھوڑا ہے۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ کوئی جاسوس ہم سے پہلے نہ پہنچ جائے"

جاسوس بھی دارالحکومت کو روانہ ہو گیا تھا۔ یہ وہی تھا جو علی بن سفیان کے آدمیوں کی حراست سے بھاگا تھا۔ وہ ایک وادی میں چھپا گیا تھا کیونکہ اُسے تعاقب کا ڈر تھا۔ وہ وادی سے نکلا اور اُس نے دارالحکومت کا رُخ کرنے بہت دُور کا چکر کاٹا۔ اتنے وقت میں عمرو درویش بہت دُور نکل گیا تھا۔ جاسوس کو یہ خبر دینی تھی کہ عمرو درویش کا راز بے نقاب ہو گیا ہے۔ اُسے عمرو درویش پر شک کا اظہار بھی کرنا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمرو درویش کو ایک بار پھر قید خانے

میں بند ہونا تھا۔ عمرو درویش اس سے پہلے پہنچ کر سوڈانی سالار کو دھوکہ دینا اور اسحاق کو رہا کرانا چاہتا تھا۔ آشی کو اس سکیم کا علم تھا اور وہ گواہ کی حیثیت سے ساتھ جا رہی تھی۔

لوگ مشعلوں کی روشنی میں پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ علی بن سفیان آگے آگے تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر اُس کے آدمیوں نے دو جاسوسوں کو باندھ رکھا تھا۔ انہیں مشعلیں اُوپر آتی نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی نے دیا اوپر کر دیا تاکہ آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ انہیں کہاں آنا ہے۔

"ہمارے ساتھ چلو" — رسّیوں سے بندھے ہوئے ایک آدمی نے کہا — "جو ہمارے ساتھ ہوگا ہمیں چھوڑ دو"

"کیا تم ہر مسلمان کو ایمان فروش سمجھتے ہو؟" — اُسے جواب ملا — "دنیا کی دولت اور دوزخ کی آگ میں کوئی فرق نہیں۔ تم اپنی قوم کو دھوکہ دے رہے تھے"

"وہ آ رہے ہیں" — دوسرے قیدی نے کہا — "وہ ہمیں سنگسار کر دیں گے۔ بڑی اذیت ناک موت ہوگی .... کہو کیا لیتے ہو۔ ہم دوسری طرف سے بھاگ چلتے ہیں۔ سو دیں گے"

جوں جوں مشعلیں اوپر آ رہی تھیں، دونوں قیدیوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک نے کہا "تمہارے پاس تلواریں ہیں۔ ان سے ہماری گردنیں کاٹ دو۔ ہمیں ان لوگوں سے بچاؤ"

"اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگو"

مشعلیں اُن کے سر پر آن رُکیں۔ علی بن سفیان نے لوگوں کو دُور دُور کھڑا کر دیا۔ لوگ دو آدمیوں کو رسّیوں میں بندھا دیکھ کر حیران ہونے لگے۔

"یہ ہیں طور کا جلوہ دکھانے والے" — علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا اور زمین پر دیکھا۔ وہاں آتش گیر سیال گرا ہُوا تھا۔ ذرا پرے برتن پڑا تھا۔ اُس نے کہا — "اس برتن میں وہی تیل تھا جو میں نے کپڑے پر ڈال کر دکھایا تھا۔ یہ تیل یہاں گرایا گیا ہے۔ میں نے چار آدمی شام کے وقت یہاں چھپا دیئے تھے۔ عمرو درویش کی مشعل کے اشارے پر ان دونوں نے اس دیئے سے اس تیل کو آگ لگائی تھی اور یہ طور کا جلوہ تھا جو تم لوگ نہ دیکھ سکے کیونکہ میرے آدمیوں نے انہیں آگ لگانے سے پہلے ہی پکڑ لیا تھا"

"یہ تین تھے" — ایک آدمی نے کہا — "تیسرے نے ہمارا مقابلہ کیا۔ اس کی لاش درخت کے ساتھ پڑی ہے"

علی بن سفیان نے مشعل کا شعلہ تیل پر رکھا تو تیل جل اُٹھا۔ شعلہ اُوپر تک آیا اور آہستہ آہستہ بجھنے لگا۔ علی بن سفیان نے کہا — "کیا اس کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ خدا سے تمہارا رشتہ توڑ کر تمہیں آتش پرست بنایا جا رہا تھا" — اُس نے ان دو آدمیوں سے جو رسّیوں سے بندھے ہوئے تھے پوچھا — "کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"

"مجھے بخش دو" — ایک نے خوفزدہ آواز میں کہا — "تم نے جو کہا سچ کہا ہے"

"کیا تم اسی علاقے کے مسلمان نہیں ہو؟"

"ہاں!" — دونوں نے سر ہلائے۔

"کیا تمہیں صلیبیوں اور سوڈانی کفار نے اس کام کی ترتیب نہیں دی؟"

"انہوں نے ہی دی ہے۔"

"اور تم اپنی قوم کو دھوکہ دینے اور اپنے مذہب کو تباہ کرنے کا انعام نہیں لیتے؟"

"ہاں!" ایک نے جواب دیا۔ "ہم اس کا انعام لیتے ہیں۔"

"ہمیں بخش دو۔" دوسرے نے کہا۔ "ہم اپنی قوم کے لیے جانیں قربان کردیں گے۔"

پیچھے سے ایک جوشیلے مسلمان نے اتنی تیزی سے تلوار کے دو وار کیے کہ دونوں کے سر جسموں سے جُدا ہو کر گر پڑے۔

"اگر میں قاتل ہوں تو مجھے قتل کردیا جائے۔" تلوار چلانے والے نے تلوار لوگوں کے آگے پھینک کر کہا۔

"خدا کی قسم، یہ شخص قاتل نہیں ہے۔" امام نے کہا۔

"یہ قتل جائز تھا۔" ایک شور اٹھا۔

☆

عمرو درویش نے سحر کے آغاز میں گھوڑے روکے۔ چھاپہ ماروں اور آشی سے کہا کہ ذرا آرام کرلیں۔۔۔ گھوڑوں کو بھی آرام دینا ضروری تھا۔ دارالحکومت کی طرف جانے والا جاسوس آدھی رات تک چلا اور ایک جگہ آرام کرنے کے لیے رُک گیا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش آگے آگے جا رہا ہے۔ وہ لیٹا اور سو گیا۔ صبح طلوع ہوتے ہی عمرو درویش نے اپنے قافلے کو گھوڑوں پر سوار کیا اور روانہ ہو گیا۔ وہ فوجی تھا۔ چھاپہ ماری سختیاں برداشت کرنے کے عادی تھے۔ آشی لڑکی تھی جو محلات میں رہنے کی عادی تھی۔ اُسے ٹریننگ تو ملی تھی لیکن اُس کی زندگی عیش و عشرت میں گزر رہی تھی۔

"آشی!" عمرو درویش نے اُسے دوڑتے گھوڑے سے کہا۔ "تمہارا چہرہ اُتر گیا ہے۔ تم شب بیداری کی بھی عادی نہیں۔ میرے گھوڑے پر آجاؤ۔"

آشی مسکرائی مگر اُس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ عمرو درویش نے اُسے ایک بار پھر کہا کہ وہ اپنا گھوڑا چھوڑ دے۔ آشی نے انکار میں سر ہلایا۔ گھوڑے دوڑے جا رہے تھے۔ کچھ دُور آگے جا کر ایک چھاپہ مار نے عمرو درویش سے کہا۔ "لڑکی اونگھ رہی ہے، گر پڑے گی۔"

عمرو درویش نے اپنا گھوڑا آشی کے قریب کیا اور باگیں کھینچ لیں۔ آشی بیدار ہو گئی۔ عمرو درویش نے اُسے کہا کہ وہ اُس کے آگے سوار ہو جائے۔

"میں سہارا لینا نہیں چاہتی۔" آشی نے کہا۔ "سہارا دوں گی۔ مجھے اپنا عہد پورا کرنا ہے۔ مجھے اپنے ماں باپ کے قتل کا اور اپنی عصمت کا انتقام لینا ہے۔ میں جاگنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

گھوڑے چلے۔ بہت آگے جا کر آشی نیند پر قابو نہ پا سکی۔ عمرو درویش اُس کے قریب تھا۔ اگر وہ دیکھ نہ لیتا تو آشی گر پڑتی۔ اُس نے گھوڑے روک کر آشی سے کوئی بات کیے بغیر اُسے کمر سے پکڑا اور اپنے گھوڑے پر اپنے آگے

بٹھا لیا۔ ایک چھاپہ مار نے آشی کے گھوڑے کی باگیں اپنی زین کے ساتھ باندھ لیں اور گھوڑے دوڑ پڑے۔ آشی نے سر عمرو درویش کے سینے پر پھینک دیا اور گہری نیند سو گئی۔ اس کے کھلے بال عمرو درویش کے چہرے پر پڑنے لگے۔ ایسے ملائم اور ریشمی بالوں کے لمس سے وہ آشنا نہیں تھا مگر ان بالوں نے اس پر وہ اثر نہ کیا جو ایک جوان مرد پر ہونا چاہیے تھا۔ اُسے آشی کی باتیں یاد آنے لگیں:

"تمہاری آغوش میں مجھے اپنے باپ کی آغوش کا سرور آیا تھا۔" آشی نے اُسے اسی سحر میں چند راتیں پہلے کہا تھا۔ "مجھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ میرے بھی ماں باپ تھے۔ تم نے میرا ماضی میرے آگے رکھ دیا ہے۔" پھر عمرو درویش کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہوا کے زناٹوں سے اُسے آشی کی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہوں۔ "مجھے اپنے سینے اور اپنے بازوؤں کی پناہ میں لے لو۔ میں مسلمان کی بیٹی ہوں۔ مجھے صلیبیوں کے حوالے نہ کر دینا۔۔۔۔ خون۔۔۔۔ خون۔۔۔۔ مجھے خون نظر آ رہا ہے۔ یہ میرے باپ کا خون ہے۔ یہ میری ماں کا خون ہے۔ دونوں خون اس کی کوہِ القدس کی ریت میں جذب ہو گئے ہیں۔۔۔۔ عمرو درویش۔۔۔۔ تمہاری رگوں میں ہاشم درویش کا خون دوڑ رہا ہے۔ تمہیں اس لہو کا خراج وصول کرنا ہے جو کوہِ القدس کی ریت میں جذب ہو گیا تھا۔ تمہیں فلسطین کی آبرو پکار رہی ہے۔ قبلۂ اوّل کو دل سے اُتار نہ دینا ہاشم کے بیٹے!"

چھاپہ ماروں نے دیکھا کہ عمرو درویش نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ چھاپہ ماروں کو بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کرنی پڑی۔ آشی کے بال اور زیادہ بکھر کر ہوا کے زناٹوں سے اُس کے چہرے پر اُڑنے لگے۔

"عمرو درویش!" ایک چھاپہ مار نے گھوڑا اُس کے قریب کر کے کہا۔ "گھوڑے کسی چوکی سے بدلنے کی تو اُمید نہیں، گھوڑے کو اس طرح نہ مارو۔ ذرا آہستہ۔۔۔۔ ذرا آہستہ۔"

عمرو درویش نے چھاپہ مار کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار ذرا کم کر دی اور بولا۔ "خدائے ذوالجلال ہمارے ساتھ ہے۔ گھوڑے تھکیں گے نہیں۔"

اُس کی آواز سے آشی کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے گھبرا کر پوچھا۔ "میں کتنی دیر سوئی رہی؟ میرا گھوڑا کہاں ہے؟"

"تم تو سو گئی تھی۔" عمرو درویش نے کہا۔ "لیکن میرے ایمان کی جو رگ سوئی ہوئی تھی وہ جاگ اٹھی ہے۔۔۔۔ اُٹھو، اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہم شام تک منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

☆

علی بن سفیان اُسی گاؤں میں چلا گیا تھا جسے مسلمانوں نے اپنی زمین دوز سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کے سپرد یہ کام کیا کہ تمام علاقے میں پھیل کر عمرو درویش کی شعبدہ بازیوں کی حقیقت بتا دیں۔ اُس نے وہاں کے لیڈروں کو بتایا کہ وہ لوگوں کو تیار کریں۔ یہ علاقہ بہرحال سوڈان کا تھا جہاں مسلمانوں کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوڈانی فوج حملہ کرنے کا حق رکھتی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے علاقے میں اپنا قانون رائج کر رکھا تھا۔ انہوں نے جن جاسوسوں کو گرفتار کیا تھا انہیں اپنے بنائے ہوئے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ انہیں سزا دینی تھی جو سوڈانی قانون کے مطابق جرم تھا۔ اِن مجرموں نے جو کچھ کیا سوڈانی حکومت کی

بہتری کے لیے کیا تھا۔ علی بن سفیان نے خطرہ مول لے لیا تھا۔ اُس نے چھاپہ ماروں کی دو پارٹیاں تیار کرلیں۔

قید خانے میں اسحاق کو ایک اچھے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ اُسے نہایت اچھا کھانا باعزت طریقے سے دیا جاتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اُس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیوں ہو رہا ہے۔ عمرو درویش اُسے اپنی پوری سکیم بتا کر گیا تھا۔ اسحاق تنہائی میں بیٹھا اسی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ اُسے دو خطرے نظر آرہے تھے۔ ایک یہ کہ عمرو درویش نے قید خانے کی اذیتوں سے تنگ آکر سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا ہوگا۔ دوسرا خطرہ یہ کہ عمرو درویش کہیں اپنے ہی منصوبے کی زد میں نہ آگیا ہو۔ اسحاق اپنے فرار کے متعلق بھی سوچتا رہتا تھا لیکن اُسے کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ سوڈانیوں کے لیے وہ قیمتی قیدی تھا جس پر انہوں نے انسانی پہرے لگا رکھے تھے۔

جب سے عمرو درویش اُس سے الگ ہوا تھا اُسے کسی نے نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی قوم کو سوڈان کا وفادار بنائے..... سوڈانی سالار جو اُس کے پیچھے پڑا رہتا تھا اُس کے سامنے بھی نہیں آیا تھا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ چار گھوڑے سوڈان کے دارالحکومت میں داخل ہوئے اور سیدھے فوج کے مرکز کے سامنے جا رکے۔ عمرو درویش کو معلوم تھا کہ اُسے کہاں جانا اور کسے ملنا ہے۔ اُسے ذہنی تخریب کاری کی تربیت یہیں سے ملی تھی۔ اُس نے محافظ دستے کے کمانڈر کو اُس سوڈانی سالار کا نام بتایا جس نے اُسے اس کام کے لیے تیار کیا تھا۔ اُسے فوراً سالار کے گھر پہنچا دیا گیا۔

"ناکام لوٹے ہو یا کوئی اچھی خبر لائے ہو؟" سوڈانی سالار نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

"اچھی خبر اس سے سنیں۔" عمرو درویش نے آشی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "آپ مجھ پر شاید اعتبار نہ کریں۔"

آشی تھکن سے چُور پلنگ پر گر پڑی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اُس نے عمرو درویش سے کہا۔ "انہیں ساری بات خود ہی بتاؤ اور ذرا جلدی کرو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

"ہماری مہم اتنی جلدی کامیاب ہوئی ہے جس کی مجھے بالکل اُمید نہیں تھی۔" عمرو درویش نے کہا اور پوری تفصیل سے سنایا کہ اُس نے کس طرح پانی کو آگ لگائی اور طور کے جلوے دکھلائے ہیں۔

"انسان کے بولنے کا جو انداز تھا اُس نے مجھے تو حیران ہی کر دیا تھا۔" آشی نے عمرو درویش کے متعلق کہا۔

"لوگ اس کے شعبدوں سے اتنے متاثر نہیں ہوئے جتنے اس کی زبان سے۔"

"کیا آپ کو ابھی تک کوئی بتانے نہیں آیا کہ وہاں ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں آیا۔" سوڈانی سالار نے کہا۔ "میں تم دونوں کے متعلق پریشان تھا۔"

عمرو درویش کو یہ سن کر اطمینان ہوا کہ یہاں ابھی تک کوئی جاسوس نہیں پہنچا۔ جاسوس جو مسلمانوں کی حراست سے فرار ہو کر آرہا تھا ابھی دُور تھا۔ اُس کی رفتار وہ نہیں تھی جو عمرو درویش کی تھی۔ اس رفتار سے اُسے صبح کے وقت پہنچنا تھا۔ عمرو درویش کا دھوکہ اسی جاسوس کی غیر حاضری میں ہی چل سکتا تھا۔ اس کے پہنچتے ہی اصل صورتِ حال کو بے نقاب ہونا اور عمرو درویش کو قید خانے میں بند ہونا تھا۔

"اب مجھے اسحاق کی ضرورت ہے۔" عمرو درویش نے کہا۔ "میں آدھے سے زیادہ سپاہیوں کے ذہن صاف کر چکا ہوں۔ میں نے انہیں اس پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت اور دشمنی پیدا کر دی ہے۔ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی فرعونوں کا جانشین ہے۔ اب مسلمانوں کو اپنا کوئی فائدہ کبھی نہیں سوڈان کا وفادار ہونا چاہیے۔ اس علاقے کی تمام تر آبادی آپ کی ہوگی۔ میں نے وہاں معلوم کیا ہے، اور میں خود بھی جانتا ہوں کہ یہ قائد اسحاق کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسے وہاں کے مسلمان پیر اور پیغمبر مانتے ہیں۔"

"مگر اسحاق سے منوائے گا کون؟" سوڈانی سالار نے کہا۔ "میں اسے اس جتھے کی امامت کے لالچ دے چکا ہوں۔ اسے ایسی ایسی اذیتیں دی ہیں جو گھوڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آشی بھی ناکام ہو چکی ہے۔"

"اب مجھے کوشش کرنے دیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اسے قید خانے سے نکال کر اُس کمرے میں لے چلیں جہاں آپ نے اسے ایک بار رکھا تھا اور مجھے بھی رکھا تھا۔ آپ اس کے دشمن ہیں۔ میں اس کا ساتھی ہوں۔"

"کیا وہاں آشی کو ایک بار پھر آزمائیں گے؟" سوڈانی سالار نے پوچھا۔

"نہیں۔" عمرو درویش نے جواب دیا۔ "میں اب اپنی زبان کا جادو آزماؤں گا۔ اسے اگر ابھی اُس کمرے میں لے جائیں تو مجھے اُمید ہے کہ صبح تک میں اسے اپنے جال میں پھانس لوں گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ اُس علاقے سے میری غیر حاضری لمبی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہاں مصری جاسوس بھی ہیں۔ میں نے وہاں جو جادو چلایا ہے اسے مصری جاسوس میری غیر حاضری میں بیکار کر سکتے ہیں۔"

سوڈانی سالار نے ان دو چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھا جو عمرو درویش کے ساتھ تھے۔ اُس نے بتایا کہ یہ اُس کے محافظ اور مرید ہیں، اور یہ اُس کے ساتھ رضاکارانہ طور پر آئے ہیں۔

☆

وہ ایک عمارت کا خوشنما کمرہ تھا جس میں اسحاق کو لایا گیا۔ سالار خود اسحاق کو قید خانے میں سے لانے کے لیے گیا تھا۔ اُس نے اسحاق سے کہا تھا۔ "میں تمہارے قومی جذبے اور ایمان کا قائل ہو گیا ہوں۔ تمہارا ایک دوست عمرو درویش تم سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ملاقات اچھے ماحول میں ہو۔"

"مجھے قید خانے سے زیادہ غلیظ اور جہنمی ماحول اور تمہارے ملاقات سے زیادہ دلفریب ماحول اپنی راہ سے ہٹا نہیں سکتے۔" اسحاق نے کہا۔ "مجھے تہہ خانے میں لے چلو یا بالاخانے میں، میں اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔"

سوڈانی سالار ہنس پڑا اور اُسے اُس کمرے میں لے گیا جہاں عمرو درویش اُس کے انتظار میں موجود تھا۔ سوڈانی سالار بھی کمرے میں رہا۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے ان کافروں کے ہاتھ اپنا ایمان بیچ ڈالا ہے۔" اسحاق نے عمرو درویش سے کہا۔ "تمہارے چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے کہ تم بہت دنوں سے قید خانے سے باہر محوِ عیش

رہے ہو۔ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"میں تمہارے چہرے پر بھی یہی رونق اور آنکھوں میں یہی چمک دیکھنا چاہتا ہوں جو تم میرے چہرے پر اور آنکھوں میں دیکھ رہے ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ذرا مجھے مہلت دو۔ ذرا سی دیر کے لیے اپنا دل اور اپنا ذہن مجھے دے دو۔ تحمل اور اطمینان سے میری بات سنو۔"

سوڈانی سالار پاس کھڑا تھا۔ وہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسحاق اُس کا نہایت اہم قیدی تھا، اور عمرو درویش بھی قیدی ہی تھا۔ یہ عمرو درویش کا دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ ان دونوں کو ایک ایسے کمرے میں آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا جو قید خانے کا کمرہ نہیں تھا۔ اُس نے چار سنتریوں کا انتظام کر دیا تھا۔ دو کمرے کے سامنے کھڑے تھے اور دو پچھلے دروازے کے سامنے۔ برچھیوں اور تلواروں کے علاوہ انہیں تیر و کمان بھی دیئے گئے تھے تاکہ فرار کی کوشش کامیاب نہ ہو سکے۔ عمرو درویش چاہتا تھا کہ سالار وہاں سے چلا جائے مگر سالار وہاں سے ٹلتا نظر نہیں آرہا تھا۔ اُس کی موجودگی میں عمرو درویش اسحاق کو بتا نہیں سکتا تھا کہ اُس کا منصوبہ کیا ہے۔

آشی کو سوڈانی سالار نے نہانے دھونے اور آرام کے لیے اسی عمارت کے ایک کمرے میں بھیج دیا تھا۔ سوڈانی سالار کو اس کمرے سے لے جا سکتی تھی مگر اُس کے اِدھر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سوڈانی سالار الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ جاسوس جو صحیح صورتِ حال بتانے آرہا تھا شہر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ عمرو درویش کے دونوں چچا پہ مار اسی عمارت کے ایک برآمدے میں عمرو درویش کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آشی باہر آئی۔ وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر آئی تھی۔ اُس کا حُسن نکھر آیا تھا۔ چہرے سے سفر کی تھکن بھی دُھل گئی تھی۔ وہ چچا پہ ماروں کے پاس جا رُکی۔

"سالار چلا گیا ہے؟" آشی نے اُن سے پوچھا۔

"نہیں۔" ایک چچا پہ مار نے جواب دیا۔ "وہ اندر ہے۔"

"اُسے چلے جانا چاہیئے۔" آشی نے کہا اور وہ اُس کمرے کی طرف چل پڑی۔

عمرو درویش نے اُسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو اُسے اُمید کی کرن نظر آئی۔ سوڈانی سالار نے اُسے دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر دبی سی مسکراہٹ آگئی جو اُس جیسے مردوں کے ہونٹوں پر آشی جیسی دلکش لڑکی کو دیکھ کر آیا کرتی ہے۔ آشی ٹہلتے ٹہلتے سالار کے پیچھے چلی گئی۔ اُس نے عمرو درویش کو گہری نظروں سے دیکھا۔ عمرو درویش کو موقع مل گیا۔ اُس نے آشی کو اشارہ کیا کہ سالار کو یہاں سے غائب کرو۔

"اسحاق بھائی!" عمرو درویش نے پوچھا۔ "کیا ہم سوڈان کے بیٹے نہیں ہیں؟"

"میں سب سے پہلے اسلام کا بیٹا ہوں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "اور میں اب بھی مصری فوج کا کمانڈر اور سلطان صلاح الدین کا وفادار ہوں۔ اگر سوڈان کی زمین میری ماں ہے تو میں اپنی ماں کو اسلام کے دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ عمرو درویش! میں تمہاری طرح اسلام کی عظمت اور اپنی غیرت کو فروخت نہیں کر سکتا۔"

آشی نے پیچھے سے سوڈانی سالار کے کندھوں پر دونوں بازو رکھے اور منہ اُس کے کان سے لگا کر کہا۔

"چند دنوں میں آپ کا دل مر گیا ہے؟"

سوڈانی سالار نے گھوم کر دیکھا تو آشی کے گال اور بکھرے ہوئے بال سالار کے گالوں سے لگ گئے۔ آشی مسکرا رہی تھی۔ اُس نے مخمور اور تشنہ لہجے میں کہا۔ "میں اتنی خطرناک اور تھکا دینے والی مہم سے واپس آئی ہوں۔ کل پھر انہی بستیوں کے پاس چلی جاؤں گی جن کے پاس پینے کو پانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں تو شراب کی بُو کو بھی ترس گئی ہوں۔"

"اوہ!" سوڈانی سالار نے چونک کر کہا۔ "میں تو اس قضیے میں تمہیں بھول ہی گیا تھا۔ میں کسی سے کہہ دیتا ہوں۔ تم اُسی کمرے میں چلو۔"

"اونہہ!" آشی نے کہا۔ "اکیلے کیا خاک مزہ آئے گا! آپ بھی چلیئے۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ دونوں طرف سنتری کھڑے ہیں۔ کچھ دیر بعد ہمیں آجانا۔"

آشی اس فن کی اُستاد تھی۔ بچپن سے اب تک اُسے مردوں کو اپنے جال میں پھانسنے اور انگلیوں پر نچانے کی تربیت دی گئی تھی۔ اُس نے یہی فن اپنے آقاؤں اور استادوں کے خلاف آزمانا شروع کر دیا۔ سوڈانی سالار اُس کی مسکراہٹ کے فریب میں آگیا اور اُس کے ساتھ چل پڑا۔ باہر جا کر اُس نے ایک ملازم کو شراب لانے کو کہا اور آشی کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ آشی نے اُسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور ذرا سی دیر میں بوڑھے سالار پر جوان لڑکی کا طلسم طاری ہو گیا۔ اتنے میں شراب آگئی۔ آشی نے سالار کو جام پہ جام پلانے شروع کر دیئے۔

☆

"نیت صاف ہو تو خدا بھی مدد کرتا ہے۔" عمرو درویش نے اسحاق سے کہا۔ "میں نے جو سوچا تھا وہ ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے عملی شکل میں آگیا ہے۔ ساری بات شہر سے نکل کر سناؤں گا۔ دو چچا پہ مار ساتھ لایا ہوں۔ دو سنتری اِدھر کھڑے ہیں دو اُدھر۔ ہمیں صرف اُس طرف کے سنتریوں کو ختم کرنا ہے جس طرف سے نکلنا ہے۔ چار گھوڑے تیار ہیں۔ چار گھوڑے سنتریوں کے تیار کھڑے ہیں تاکہ فرار کی صورت میں وہ ہمارا تعاقب کر سکیں۔ اپنے ہاں شہر کے کچھ لوگ آئے ہیں۔ ایک آدمی بہت ہی دانشمند معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ تاہم وہ الاع بتا گیا ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ سالار کو لڑکی لے گئی ہے۔ میں ذرا باہر کا جائزہ لے لوں۔ لڑکی کو بھی ساتھ لے جانا ہے۔"

"کیوں؟" اسحاق نے پوچھا۔ "اس بدکار کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"باہر چل کر بتاؤں گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "یہ کوئی ایسا ویسا تعلق نہیں۔ لڑکی مسلمان ہے۔"

عمرو درویش باہر نکلا۔ سنتریوں نے اُسے سوڈانی سالار کے ساتھ اس کمرے میں آتے دیکھا تھا۔ اِس لیے انہوں نے اُسے احترام کی نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے چچا پہ ماروں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ سنتریوں کو سنبھالنے کا وقت آگیا ہے۔ پھر اُس نے اُس کمرے کا دروازہ آہستہ سے ذرا سا کھولا۔ سالار کے ہوش شراب میں ڈوب چکے تھے۔ اُس نے جھوم کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

"میں دیکھتی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "ہوا سے دروازہ کھل گیا ہے۔" اُس نے سالار کو سہارا دے کر پلنگ

پر لٹا دیا۔ سالار نے ہاتھ پھیلا کر لڑکھڑاتی آواز میں کہا ــــ "تم بھی آؤ۔ نشے کو دُگنا کر دو۔"

آشی باہر نکل آئی اور آواز پیدا کیے بغیر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ عمرو درویش اور آشی نے دونوں چھاپہ ماروں کو ساتھ لیا اور اسماق والے کمرے کی طرف گئے۔ سوڈانی جاسوس شہر میں داخل ہو چکا تھا اور وہ جاسوسی کے مرکز کی طرف جا رہا تھا۔ عمرو درویش نے دونوں سنتریوں سے کہا ــــ "دونوں اندر چلو اور قیدی کو قید خانے میں لے جاؤ۔ سالار نے حکم دیا ہے کہ ہاتھ باندھ کر لے جانا۔"

دونوں سنتری اکٹھے اندر گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ دونوں چھاپہ مار بیک وقت اُن پر جھپٹے۔ دونو کی گردنیں ایک ایک چھاپہ مار کے بازو کے شکنجے میں آ گئیں۔ چھاپہ ماروں نے خنجر پہلے ہی نکال لیے تھے۔ انہوں نے سنتریوں کے دلوں پر وار کیے اور انہیں ختم کر دیا۔ سوڈانی جاسوس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا اور ایک نائب سالار کو صبح رپورٹ دے رہا تھا۔ عمرو درویش نے اسماق سے کہا ــــ "فوراً نکلو" ــــ باہر چار گھوڑے عمرو درویش کے گھوڑے تھے اور چار سنتریوں کے۔ دوسری طرف کے سنتریوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

یہ سب گھوڑوں پر بیٹھے۔ رات نے فرار پر پردہ ڈالے رکھا۔ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ فرار ہونے والوں نے گھوڑوں کو فوراً ایڑ نہ لگائی۔ آشی بھی اُن کے ساتھ تھی۔ سوڈانی جاسوس نے اپنی رپورٹ دی تو نائب سالار اسے سوڈانی سالار کے پاس لے گیا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ دونوں اِدھر آئے تو راستے میں انہوں نے پانچ گھوڑ سوار جاتے دیکھے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب سے گزر گئے۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی کسی کو پہچان نہ سکا۔

نائب سالار نے اُس برآمدے میں جا کر اِدھر اُدھر دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے دو سنتری کھڑے تھے۔ اُس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو اُسے دونوں سنتریوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں۔ خون بہہ بہہ کر ہر طرف پھیل گیا تھا۔ نائب سالار نے اندر جا کر دوسرا دروازہ کھولا۔ اُدھر دو سنتری آرام سے کھڑے تھے۔ بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایک کمرے میں سالار پلنگ پر پڑا نشے میں بدمست آشی کو پکار رہا تھا۔ نائب سالار نے اُسے بلایا اور اُٹھایا۔ آشی نے اُسے بہت ہی زیادہ پلا دی تھی۔ اُسے جب بتایا گیا کہ دو سنتری کمرے میں مرے پڑے ہیں تو ذرا ہوش میں آیا۔ جب وہ بات سننے اور سمجھنے کی حالت میں آیا اُس وقت عمرو درویش، اسحاق، دو چھاپہ مار اور آشی شہر سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ نائب بیکار تھا۔ صبح کے وقت اُسے صحیح صورتِ حال کا علم ہوا۔

اُس رات آدھی گزر گئی تھی جب عمرو درویش اپنے قافلے کے ساتھ اپنے پہاڑی علاقے میں داخل ہوا۔ علی بن سفیان اُن کے انتظار میں بے تاب ہو رہا تھا۔ ضرورت یہ تھی کہ اسحاق اور عمرو درویش کو فوراً مصر بھیج دیا جائے لیکن ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ انہیں اس علاقے میں گھمایا پھرایا جائے تاکہ جن لوگوں نے سوڈانیوں کی شعبدہ بازیاں دیکھی ہیں انہیں اصل حقیقت معلوم ہو جائے۔ البتہ فوری طور پر یہ انتظام کر دیا گیا کہ کچھ آدمیوں کو دیکھ بھال کے لیے مقرر کر دیا گیا تاکہ سوڈانی فوج حملہ کرے تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ دوسری ضرورت یہ تھی کہ مصری فوج کے کچھ اور چھاپہ مار اس علاقے میں بلا لیے جائیں جو سوڈانی فوج کے حملے کی صورت میں عقب سے شبخون

ماریں اور فوج کو اس علاقے سے دُور رکھیں۔

اس طرح عمرو درویش، علی بن سفیان اور اُس کے چھاپہ ماروں نے وہ معرکہ جیت لیا جو کمانڈروں، بادشاہوں اور قوم کی نظروں سے اوجھل ہو کر لڑا گیا تھا۔ یہ ایک انفرادی جنگ تھی جو ایمان اور قومی جذبے کی قوت سے لڑی گئی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس درپردہ جنگ پر ہمیشہ توجہ مرکوز رکھی تھی۔ اس کا انٹیلی جنس کا انتظام بہت ہوشیار تھا۔

☆

اُس وقت جب سوڈانی مسلمانوں نے یہ معرکہ جیت لیا تھا، سلطان ایوبی مسلمان امراء گشتگین، بیغ ابن اور الملک الصالح ــــ کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے کر اُن کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے چند ایک اہم مقامات اور چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ حلب کی طرف بڑھ رہا تھا جو ایک اہم شہر اور الملک الصالح کی فوج کا مرکز تھا۔ سلطان ایوبی اس شہر کو محاصرے میں لے کر محاصرہ اُٹھا چکا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے اُس کا مقابلہ ایسی بے جگری سے کیا تھا کہ سلطان ایوبی عش عش کر اُٹھا تھا۔ محاصرہ اُٹھانے کی وجہ اس سے پہلے سنائی جا چکی ہے۔

اس کے بعد مسلمان افواج کی آپس میں جو جنگ ہوئی اس کی تفصیلات بھی سنائی جا چکی ہیں۔ سلطان ایوبی نے تینوں مسلمان فوجوں کو بے تحاشہ نقصان پہنچا کر اس طرح پسپا کیا کہ فوجیں بکھر گئیں۔ سلطان ایوبی نے تعاقب جاری رکھا۔ اُس کی زیادہ تر توجہ حلب کی فوج پر تھی کیونکہ یہ بہادری سے لڑنے والی فوج تھی۔ یہ حلب کی سمت پسپا ہو رہی تھی۔ سلطان ایوبی اُسے راستے میں ہی تباہ کر دینا چاہتا تھا کیونکہ وہ حلب پر قبضہ کرنے کو پیش قدمی کر رہا تھا۔ اُس نے تعاقب کا انداز یہ نہ رکھا کہ اپنی فوج کو اُس کے پیچھے ڈال دیا بلکہ اُس نے اپنے برق رفتار دستے کسی دوسرے راستے سے آگے بھیج دیئے اور کچھ چھاپہ مار دونوں پہلوؤں پر بھیج دیئے۔

حلب کی فوج افراتفری کے عالم میں حلب کو جا رہی تھی۔ آگے جا کر اُس کے کمانڈروں نے دیکھا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔ حلب کی فوج رُک گئی۔ اس کے سپاہیوں میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اُن کا سازوسامان بھی کم رہ گیا تھا۔ رسد اور خوراک کی بھی کمی تھی۔ یہ فوج رُکی تو پہلوؤں پر سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شب خون اور چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اعلان کرنے شروع کر دیئے ــــ "حلب والو ہتھیار ڈال دو۔"

سلطان ایوبی محاذ سے پیچھے تھا۔ اُسے اطلاعیں مل رہی تھیں کہ حلب کی فوج ہتھیار ڈالنے کی حالت میں آ رہی ہے۔ اُس نے کہا ــــ "اگر یہ فوج صلیبیوں کی ہوتی تو میں اس کے ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ چھوڑتا مگر یہ میرے اپنے بھائیوں کی فوج ہے۔ یہ لوگ ہتھیار ڈال دیں گے تو میں انہیں بخش دوں گا۔ مجھے خوشی پھر بھی نہیں ہوگی۔ مرنے کے بعد میری روح بھی بے چین رہے گی کہ میرے دور میں مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائی تھیں۔ اگر ہمارے یہ بھائی اب بھی دوست اور دشمن کی پہچان کر لیں تو اس شرمناک غلطی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔"

دوسرے ہی دن خدا نے سلطان ایوبی کی دُعا سُن لی۔ اُس نے دو گھوڑ سوار اپنی طرف آتے دیکھے۔ اُن میں سے ایک نے سفید جھنڈا اُٹھا رکھا تھا۔ اُن کے دائیں بائیں سلطان ایوبی کی اپنی فوج کے دو کمانڈر تھے قریب

عرض کرنے لگے۔ ایک کماندار نے گھوڑے سے اُتر کر سلام کیا اور کہا۔ "حلب کے حاکم الملک الصالح نے صلح کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ دوطرفہ جنگ بندی اور صلح کا پیغام دے ہیں۔"

ایک بی نے پیغام سلطان ایوبی کے ہاتھ میں دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام پڑھ کر کہا۔ "الملک الصالح سے کہنا سیف الدین ایوبی نے جب جنگ سے پہلے صلح کا پیغام بھیجا تھا تو تم نے فرعونوں کی طرح میرے ایلچی کی بے عزتی کرکے میرا پیغام ٹھکرا دیا تھا۔ آج خدائے عزوجل نے مجھے یہ طاقت بخشی اور تجھے یہ ذلت دی کہ میں تمہاری فوج کو اس طرح پیس سکتا ہوں جس طرح دو پتھروں کے درمیان دانے پیسے جاتے ہیں لیکن میرے دشمن تم نہیں۔ تم اس باپ کے بیٹے ہو جس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا رکھا تھا، اور تم صلیبیوں سے دوستی گانٹھ کر اپنے باپ کی فوج کے خلاف لڑنے آئے تھے.... اُسے کہنا کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ دُعا کرے کہ اللہ بھی تمہیں معاف کردے۔"

سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح کی پیش کش منظور کرلی۔ الملک الصالح کو اس شرط پر اپنی فوج حلب کے جانے کی اجازت دے دی کہ جب اس کی فوج حلب آئے تو حلب کی فوج کوئی مزاحمت نہ کرے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ ہوا۔ الملک الصالح اپنی فوج نکال کر لے گیا۔ سیف الدین بھی پسپا ہو کر موصل چلا گیا تھا اور گمشتگین نے اپنے قلعے حرّان میں جانے کی بجائے حلب کا رُخ کیا۔ سلطان ایوبی اپنی فوج کو اور آگے لے گیا اور ایک مقام تل کران کو اپنی کیمپ بنا لیا۔ ایک روز حلب کا ایک قاصد اُس کے پاس آیا اور الملک الصالح کا ایک پیغام سلطان ایوبی کو دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام کھول کر پڑھا تو چونک اُٹھا کیونکہ یہ پیغام اُس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین کے نام تھا۔ الملک الصالح نے سیف الدین کو لکھا تھا:

"آپ کا خط ملا ہے جس میں آپ نے اس پر خفگی کا اظہار کیا ہے کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کرلی ہے۔ بے شک میں نے ایسا ہی کیا ہے لیکن میرے لیے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ میری فوج اُس کی فوج کے گھیرے میں آگئی تھی۔ میرے سپاہی تھکے ہوئے، اُدھڑے ہوئے اور زخمی تھے۔ میرے سالاروں نے مجھے مشورہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا جائے اور اپنی فوج کو اُس کے چنگل سے نکالا جائے۔ میں نے یہی بہتر جانا اور صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام دے دیا....

"محترم نائب سیف الدین! آپ مطمئن رہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے صلح کی ہے ورنہ میرے پاس آج ایک بھی سپاہی نہ ہوتا۔ میں اب حلب میں اپنی فوج کی تنظیم نو کرا رہا ہوں۔ نئی بھرتی شروع کرا دی ہے۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کی یہ شرط تسلیم کرلی ہے کہ اُس کی فوج حلب میں آئے گی تو ہماری فوج مزاحمت نہیں کرے گی لیکن وہ جب یہاں آئے گا تو اُس کی فوج کو ایسی مزاحمت ملے گی جو اُس کے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ آپ اپنی فوج کو از سر نو تیار کریں۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا اور اُس کی طاقت کو ختم کرنا ہے۔"

اس پیغام میں اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ مؤرخوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ الملک الصالح نے سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا تھا اور اس پر بھی کہ الملک الصالح نے سیف الدین کے خط کے جواب میں جو جواب لکھا تھا

غلطی سے سلطان ایوبی کو مل گیا تھا۔ قاصد سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ [illegible] تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ پیغام [illegible] سے سلطان ایوبی کا نام [illegible] میں سراج الدین خاص طور قابل ذکر ہے۔ لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کا انتظام جاسوسی [illegible] کا قاصد اُس کا جاسوس تھا۔ وہ الملک الصالح کا اتنا اہم پیغام سلطان ایوبی کے پاس سے [illegible]

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ اس پیغام نے سلطان ایوبی کو [illegible] کیا کہ کئی گھنٹے اس نے کسی کے ساتھ بات بھی نہ کی۔ غصے میں اکیلا پڑا رہا۔ [illegible] اُسے دشمن کے عزائم کا علم ہوگیا۔ اُس نے حکم دیا کہ الجزیرہ، دیار اور بالخصوص فوراً موصل پر حملے کیے جائیں۔ اُس نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف ایک اور خونریز جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔ ☆ ☆

فہرست

تعارف	
رفاقت سے محبت	
جانبازی، نجات اور جذبات	۳۵
لوگوں نے اپنی خوشی چنی	۱۰
رات، زوال اور روشنی	۵
ایک منزل سے مسافر	۵
جب فرض نے محبت کا خون کیا	۵
قسمت، مرد اور بدروح کا	۲۲۲
جب پیغام رہا تھا	۲۵۵
ماں باپ اور سیتا بن باس	۲۷۵

تعارف

" داستان ایمان فروشوں کی " کا چوتھا حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچّوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہیجل بپا کر دیتی ہیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلمکاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سُود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کُشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشو و نما کے لیے " حکایت " میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچّی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم تین حصّے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ چوتھا حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ

کے اور آپ کے بچوں کے فکری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی مگر ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اُس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی جسے ہمارا دشمن نفش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی روداد ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سرنگ سازوں تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو فسکریوں کے سنسنی خیز، دلولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کُشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں "داستان ایمان فروشوں کی" کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

یکم جنوری ۱۹۷۹ء

راہِ حق کے مُسافر

بادشاہ ایک جھونپڑے میں چھپا ہُوا تھا۔ یہ واقعہ اپریل ۱۱۷۵ء، ۵۷۰ھ کا ہے جب مین مسلمان حکمران ـــ نورالدین زنگی کا بیٹا الملک العلح، گمشتگین اور سیف الدین غازی ـــ سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آئے تھے۔ اُن کی پُشت پناہی صلیبی کر رہے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں گھوڑے، اونٹ، آتش گیر سیال کے مشکے اور دیگر اسلحہ دیا تھا۔ صلیبیوں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو میدانِ جنگ میں ہی شکست دیں۔ اصل مقصد شکست دینا اور سرزمینِ عرب پر قبضہ کر کے اسلام کو ختم کرنا تھا۔ فلسطین صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی دو تین کمزوریاں بھانپ لی تھیں۔ یہ تھیں اقتدار کی ہوس، زر، زن اور عیش پرستی۔ صلیبی یورپ سے یہ توقع لے کر آئے تھے کہ وہ اپنے برتر اسلحہ، فوجوں کی افراط اور بحری جنگی قوت سے مسلمانوں کو تھوڑے سے عرصے میں ختم کر کے قبلۂ اوّل اور خانہ کعبہ پر قابض ہو جائیں گے اور اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

مذہب کوئی درخت نہیں جسے جڑوں سے کاٹ دیا جائے تو سوکھ کر ختم ہو جائے گا۔ مذہب کسی ایک کتاب یا کتابوں کے انبار کا نام نہیں جسے جلا دیا جائے تو مذہب جل کر راکھ ہو جائے گا۔ مذہب، عقائد اور نظریات کا نام ہے جو انسان کے ذہن و دل میں محفوظ ہوتے ہیں اور انسان کو اپنا پابند کیے رکھتے ہیں۔ انسانوں کو قتل کر دینے سے عقائد اور نظریات ختم نہیں ہو جاتے۔ کسی مذہب کو ختم کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ ذہنوں اور دلوں میں تعیش پسندی اور لذت پرستی ڈال دی جائے۔ عقائد اور نظریات کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگتی ہے اور انسان آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہودیوں اور صلیبیوں نے مسلمانوں کے لیے یہی جال تیار کیا، سرزمینِ عرب اور مصر میں لا کر بچھایا تو مسلمان امراء اس میں آنے لگے۔ ملّتِ اسلامیہ کی یہ بدبختی ہے کہ مسلمان اقتدار اور عورت کی خاطر عقیدے سے قربان کر دیا کرتا ہے۔

نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے دور میں یہ میٹھا زہر مسلمان حکمرانوں اور اُمراء کی رگوں میں اُتر چکا تھا اور صلیبی فلسطین پر قابض ہو چکے تھے۔ متعدد مسلمان ریاستیں ایسی تھیں جن پر صلیبیوں کا قبضہ تو نہیں تھا لیکن ریاستوں کے امراء کے دلوں پر انہی کا قبضہ تھا۔ صلیبی اور یہودی، مسلمانوں کی کردار کُشی میں اس حد تک کامیاب ہو چکے تھے کہ کسی بھی مسلمان سالار کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کا وفادار ہے۔ زنگی اور ایوبی کے لیے یہ غدّار بہت بڑا مسئلہ بن گئے تھے۔ ۱۱۷۵-۷۴ء میں سلطان ایوبی اور فلسطین

کے درمیان کمر گوہجائی حائل ہو گئے تھے. صلیبی دُور بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے. سلطان ایوبی ہر میدان میں صلیبیوں کو شکست پہ شکست دیتا چلا آرہا تھا مگر صلیبیوں نے مسلمان امراء کو ہی اُس کے مقابلے میں کھڑا کر دیا. اس کا بے حد تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ نورالدین زنگی کا اپنا بیٹا الملک الصالح اسماعیل اُس کی وفات کے بعد سلطان ایوبی کے مخالف کیمپ میں چلا گیا.

وہ بادشاہ جو اپریل ۱۱۷۵ء میں ایک جھونپڑے میں بیٹھا تھا، الملک الصالح کا اتحادی سیف الدین غازی تھا. ان کا تیسرا اتحادی گمشتگین تھا. آپ اس معرکے کی تفصیل پڑھ چکے ہیں جس میں سلطان ایوبی نے ان تینوں کی متحدہ فوج کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ تینوں اپنی اپنی فوج کے مرکز (ہیڈکوارٹر) کے خیمے سازوسامان سمیت چھوڑ کر بھاگ گئے تھے. اُن کے جو جنگی قیدی سلطان ایوبی کی فوج نے پکڑے تھے انہیں مسلمان سمجھ کر رہا کر دیا گیا تھا. یہ سلطان ایوبی کی قوم پرستی اور کشادہ ظرفی تھی جو اُسے مہنگی پڑی. یہ قیدی واپس گئے تو انہیں فوج میں لے کر چند دنوں میں بکھری ہوئی فوج منظم کر لی گئی. یہ تو چند دنوں بعد کی بات ہے۔ میدانِ جنگ سے الملک الصالح، سیف الدین غازی اور گمشتگین کا بھاگنا بڑا عجیب تھا. انہیں ایک دوسرے کا ہوش نہیں تھا. گمشتگین حرن کا قلعہ دار تھا جو بغداد کی خلافت کے تحت تھا لیکن جنگ سے پہلے اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا. وہ بھاگا تو حرن جانے کی بجائے حلب چلا گیا جسے الملک الصالح نے اپنا دارالخلافہ بنا رکھا تھا. وہ اس خوف سے حرن نہیں گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی تعاقب میں آکر اُسے پکڑ لے گا.

سیف الدین ایک اور شہر مُوصل اور اس کے مضافات کا حکمران امیر تھا. وہ حکمران ہی نہیں سالار بھی تھا. میدانِ جنگ کے داؤ پیچ سے واقف تھا، جنگجو تھا مگر اُس نے اپنا ایمان بیچ ڈالا تھا جو مومن کی تلوار بھی ہوتا ہے دلال بھی. وہ میدانِ جنگ میں بھی نرم کی چیدہ چیدہ لڑکیوں اور ناچنے والیوں کو ساتھ لے گیا تھا. شراب کے مشکوں کے علاوہ خوبصورت پرندے بھی اس کے ساتھ تھے. وہ عیش و عشرت کا یہ سارا سامان وہیں چھوڑ کر بھاگا تھا. اُس کے ساتھ بھاگنے والوں میں اُس کا نائب سالار اور ایک کمانڈر بھی تھا. اُسے مُوصل جانا تھا لیکن سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دشمن کے عقب میں چلے گئے تھے. انہوں نے دشمن کی بکھری ہوئی فوج کے پیچھے پیچھا نہ کر دی تھی.

سیف الدین اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے شاید چھاپہ ماروں کی کوئی پارٹی دیکھ لی تھی جس سے بچنے کے لیے وہ مُوصل کے راستے سے بھٹک گئے. یہ علاقہ اُس دور میں عجیب تھا. ریگستان بھی تھا، چٹانی بھی اور کہیں سرسبز بھی. وہاں انہیں چھپنے کی جگہیں ملتی رہیں. وہ مُوصل سے تھوڑی ہی دُور تھے. رات گہری ہو گئی تھی. انہیں چاندنی رات میں کچھ مکان نظر آئے. سیف الدین نے پہلے ہی مکان کے دروازے پر دستک دی. ایک سفید ریش بوڑھا باہر آیا. اُس کے سامنے تین گھوڑسوار کھڑے تھے جو اس قدر بُری طرح ہانپ رہے تھے کہ بوڑھے نے پوچھا ”معلوم ہوتا ہے تم بھی مُوصل کی فوج کے سپاہی ہو اور بھاگ کر آئے ہو. میں دو دنوں سے سپاہیوں کو گزرتے دیکھ رہا ہوں. وہ پانی پینے کے لیے رُکتے ہیں اور مُوصل کو چلے جاتے ہیں:

”یہاں سے مُوصل کتنی دُور ہے؟“ سیف الدین نے پوچھا.

”اگر تمہارے گھوڑوں میں دم ہے تو سحری تک پہنچ سکتے ہو.“ بوڑھے نے کہا ”یہ گاؤں موصل کا ہی ہے:“

”اگر تمہارے پاس جگہ ہو تو کیا ہم رات تمہارے ہاں گزار سکتے ہیں؟“ سیف الدین نے پوچھا.

”جگہ دل میں ہوا کرتی ہے.“ بوڑھے نے جواب دیا. ”گھوڑوں سے اترو اور اندر چلو:“

☆

ایک کمرے میں وہ تینوں مشعل کی روشنی میں بیٹھے تو بوڑھے نے اُن کے لباس غور سے دیکھے.

”ہمیں پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟“ سیف الدین نے مسکرا کر پوچھا.

”میں دیکھتا ہوں کہ تم سپاہی نہیں ہو.“ بوڑھے نے کہا. ”تمہارا رُتبہ سالاری تک ہو سکتا ہے:“

”یہ والیٔ موصل سیف الدین غازی ہیں.“ نائب سالار نے کہا. ”تم نے کسی معمولی آدمی کو پناہ نہیں دی. تمہیں اس کا انعام ملے گا. میں نائب سالار ہوں اور یہ کمانڈر ہیں:“

”ایک بات غور سے سُن لو میرے بزرگ!“ سیف الدین نے کہا. ”ہو سکتا ہے ہمیں تمہارے گھر زیادہ دن رُکنا پڑے. ہم دن کے وقت باہر نہیں نکلیں گے کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہم یہاں ہیں. اگر کسی کو پتہ چل گیا تو تمہیں سزا ملے گی اور اگر تم نے یہ راز چھپائے رکھا تو انعام ملے گا. جو مانگو گے ملے گا:“

”میں نے والیٔ موصل کو پناہ نہیں دی.“ بوڑھے نے کہا. ”آپ بھولے بھٹکے، مصیبت کے مارے میرے ہاں آئے ہیں. جتنے دن رہیں گے خدمت کروں گا. اگر آپ چھپ کر رہنے کے خواہشمند ہیں تو چھپائے رکھوں گا، اور مجھے آپ کے ساتھ اس لیے بھی دلچسپی ہے کہ میرا بیٹا آپ کی فوج میں سپاہی ہے:“

”ہم اُسے ترقی دیں گے.“ نائب سالار نے کہا.

”اگر آپ اُسے فوج سے سبکدوش کر دیں تو میرے لیے یہ بہت بڑا انعام ہوگا.“ بوڑھے نے کہا.

”ہاں.“ سیف الدین نے کہا. ”ہم اُسے فوج سے سبکدوش کر دیں گے. ہر باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا بیٹا زندہ رہے:“

”میں نے اُس کی زندگی کی آرزو کبھی نہیں کی.“ بوڑھے نے کہا. ”میں نے اُسے اپنی قوم کی فوج میں بھیج کر خدا کے سپرد کر دیا تھا. میں بھی سپاہی تھا. آپ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے جب میں فوج میں بھرتی ہوا تھا. اللہ آپ کے والدِ مرحوم قطب الدین کو جنت عطا فرمائے. میں اُن کے دور میں سپاہی تھا. ہم نے کفار کے خلاف معرکے لڑے ہیں مگر میرے بیٹے کو آپ اپنے بھائیوں کے خلاف لڑانے لے گئے ہیں. میں اُس کی شہادت کا آرزومند تھا موت کا نہیں:“

”صلاح الدین ایوبی نام کا مسلمان ہے.“ سیف الدین نے کہا. ”اس کے خلاف جنگ [illegible]

ہے بلکہ فرض ہے۔"

"محترم بزرگ!" نائب سالار نے کہا۔ "ان باتوں کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ہم بہتر جانتے ہیں کہ کون مسلمان اور کون کافر ہے۔"

"میرے بیٹو!" بوڑھے نے کہا۔ "عبرت حاصل کرو۔ میری عمر پچھتر سال ہو گئی ہے۔ میرا باپ نوّے برس کی عمر میں مرا تھا اور اُس کا باپ پچاس برس کی عمر میں میدانِ جنگ میں شہید ہوا تھا۔ دادا نے اپنے وقتوں کے قصے کہانیاں میرے باپ کو سنائے تھے۔ میرے باپ نے وہ میرے سینے میں ڈال دیئے تھے۔ اس طرح میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ بادشاہی کی ہوس نے جسے بھی بھائی سے لڑایا وہ ایک نہ ایک دن بھاگ کر کسی غریب کے جھونپڑے میں جا چھپا۔ جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں اُن کا بھی یہی انجام ہوا تھا۔ تمہاری تین فوجوں کو صلاح الدین ایوبی کی ایک فوج نے پسپا کیا ہے، اور جس حالت میں پسپا کیا ہے وہ دونوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ دس فوجیں ہوتیں تو وہ بھی اسی طرح بھاگتیں۔ جو حق پر ہوتے ہیں وہ فتح حاصل کرتے ہیں اور جب انہیں شکست ہوتی ہے تو وہ بھاگتے نہیں، اُن کی لاشیں میدانِ جنگ سے اٹھائی جاتی ہیں۔ وہ چھپتے نہیں۔"

"تم صلاح الدین ایوبی کے حامی معلوم ہوتے ہو۔" سیف الدین نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصّے کی جھلک تھی۔ "ہمیں تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں آپ کا حامی ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔ "میں اسلام کا حامی ہوں۔ میں اپنے تجربے کی روشنی میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنے بھائیوں کے دشمن کو دوست سمجھا اور یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ آپ کے مذہب کا دشمن ہے۔ آپ کی شکست کا سبب یہی ہے۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ اگر صلاح الدین کی فوج یہاں اچانک آ گئی تو میں آپ کو چھپائے رکھوں گا دھوکہ نہیں دوں گا۔"

اتنے میں ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کھانا لے کر کمرے میں آئی۔ اُس کے پیچھے ایک جوان عورت آئی۔ اُس کے ہاتھ میں بھی کھانا تھا۔ سیف الدین کی نظریں لڑکی پر جم گئیں۔ وہ کھانا رکھ کر چلی گئیں تو سیف الدین نے بوڑھے سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔

"چھوٹی میری بیٹی ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "اور بڑی میری بہو۔ میرے اُس بیٹے کی بیوی جو آپ کی فوج میں ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری بہو بیوہ ہو گئی ہے۔"

"اگر تمہارا بیٹا مارا گیا ہے تو میں تمہیں بے اندازہ رقم دوں گا۔" سیف الدین نے کہا۔ "اور اپنی بیٹی کے متعلق تمہیں کوئی فکر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کسی جھونپڑے میں کسی سپاہی کی دلہن بن کر نہیں جائے گی۔ ہم نے اسے اپنی زوجیت کے لیے پسند کر لیا ہے۔"

"میں نے نہ اپنا بیٹا بیچا ہے نہ بیٹی کو بیچوں گا۔" بوڑھے نے کہا۔ "جھونپڑے میں پل کر جوان ہونے والی بیٹی کسی سپاہی کے جھونپڑے میں ہی اچھی لگتی ہے۔ میں آپ سے ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے

لالچ نہ دیں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ میزبانی کا ہر فرض ادا کروں گا۔"

"تم سو جاؤ۔" سیف الدین نے بوڑھے سے کہا۔ "ہمیں تم پر بھروسہ ہے اور خوشی ہے کہ ہماری ریاست میں تم جیسے صاف گو اور با اصول بزرگ موجود ہیں۔"

بوڑھا چلا گیا تو سیف الدین نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اس قسم کے انسان دھوکہ نہیں دیا کرتے.... تم نے اس کی بیٹی کو غور سے دیکھا تھا؟"

"اچھا موتی ہے۔" نائب سالار نے کہا۔

"حالات ذرا بہتر ہو لیں تو یہ موتی اپنی جھولی میں ہو گا۔" سیف الدین نے مسکرا کر کہا، پھر چونک کر اپنے نائب سالار سے کہنے لگا۔ "تم موصل کی خبر لو۔ فوج کو یکجا کرو۔ صلاح الدین ایوبی کی سرگرمیاں بھانپو اور مجھے بہت جلدی بتاؤ کہ میں موصل آ جاؤں یا کچھ دیر درکار ہوں.... اور تم...." اُس نے کماندار سے کہا۔ "حلب والوں کو بتا دو کہ میں کہاں ہوں۔ خود جاؤ یا کسی کو بھیجو۔"

دونوں روانہ ہو گئے۔ سیف الدین جو شراب میں بدمست ہو کر حسین تر لڑکیوں سے دل بہلا کر محل میں سونے کا عادی تھا ایک کچّے سے مکان کے فرش پر سو گیا۔

☆

اس سے ایک روز پہلے کا واقعہ ہے کہ میدانِ جنگ سے ایک سپاہی بھاگا ہوا موصل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا تھا، رکتا تھا اور آہستہ آہستہ چلانے لگتا تھا۔ کبھی گھوڑا روک کر گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتا تھا۔ وہ عام راستے سے کچھ ہٹ کر جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس پر خوف طاری ہے اور اُس کا ذہن اُس کے قابو میں نہیں۔ ایک جگہ اُس نے گھوڑا روکا، اُترا اور قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو زار و قطار رو پڑا۔ وہاں سے وہ اُٹھا نہیں۔ سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھا رہا۔

یہ فوجیں جب سلطان ایوبی سے شکست کھا کر بکھری اور پسپا ہوئی تھیں، سلطان ایوبی کے کئی ایک جاسوس اُن میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا طریقہ تھا کہ دشمن جب پسپا ہوتا تھا تو کچھ جاسوس بھاگے ہوئے سپاہیوں یا جنگ کی زد میں آئے ہوئے گاؤں کے مہاجرین کے بہروپ میں دشمن کے علاقے میں چلے جاتے اور دشمن کی تنظیمِ نو، عزائم اور دیگر کوائف دیکھ کر اطلاعیں فراہم کرتے تھے۔ دمشق سے جب الملک الصالح اپنی فوج کے ساتھ بھاگا تھا تو بھی جاسوسوں کی خاصی تعداد فوج اور بھاگے ہوئے شہریوں کے ساتھ چلی گئی تھی۔ جیسا کہ پہلے وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی آدھی جنگ جاسوسی کے نظام سے جیت لیا کرتا تھا۔ جاسوسی کے لیے جن آدمیوں کو منتخب کیا جاتا وہ غیر معمولی طور پر ذہین، ٹھنڈے مزاج والے، فیصلے کی اہلیت اور خود اعتمادی رکھنے والے، لڑاکے اور چُست و چالاک ہوتے تھے۔

اپریل ۱۱۷۵ء میں سلطان ایوبی نے اپنے مسلمان دشمنوں کی متحدہ فوج کو شکست دی تو اُس کی انٹیلی جنس کے سربراہ، حسن بن عبداللہ، نے اُن جاسوسوں کو جو اس کام کے لیے ترتیب یافتہ تھے، دشمن کی بکھری ہوئی

فوج میں شامل ہو کر حلب، موصل اور حران تک جانے اور دشمن کے آئندہ عزائم معلوم کرنے کو بھیج دیا۔ اُن میں بعض دشمن کی فوج کے لباس میں تھے اور بعض دیہاتی لباس میں۔ اُن کا جانا بہت ہی ضروری تھا کیونکہ یہ خطرہ ہر لمحہ موجود تھا کہ دشمن تنظیم توڑ (ری گروپنگ) کر کے جوابی حملہ کرے گا۔ سلطان ایوبی نے دشمن کو جو نقصان پہنچایا تھا اس سے اُسے اندازہ تھا کہ دشمن سی گروپنگ میں خاصے دن صرف کرے گا۔ دشمن کی تین فوجیں تھیں۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی معلوم تھا کہ اُس کے تینوں دشمن دلی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک کی خواہش یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو شکست دے کر سلطنتِ اسلامیہ کا مختارِ کُل اور شہنشاہ بن جائے۔ وہ ایک دوسرے کے بھی خلاف تھے مگر فی الحال صورت یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو اپنا مشترک دشمن سمجھتے تھے۔ اِس لیے یہ امکان موجود تھا کہ وہ تینوں فوجوں کو ایک فوج کی صورت میں منظم کریں گے اور جوابی حملہ کریں گے۔

سلطان ایوبی یہ بھی جانتا تھا کہ عیاشیوں کے دلدادہ میدانِ جنگ میں نہیں ٹھہر سکتے لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُس کے دشمنوں کو صلیبیوں کی مدد اور پُشت پناہی حاصل ہے اور اُن کے پاس صلیبی مشیر بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان سالاروں میں دو تین ایسے تھے جو قیادت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اِن میں مظفرالدین ابنِ زین الدین خاص طور پر قابلِ ذکر تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی فوج میں سالار رہ چکا تھا۔ اِس لیے سلطان ایوبی کے داؤ پیچ کو خوب سمجھتا تھا۔ صلیبی مشیروں اور مظفرالدین جیسے سالاروں نے سلطان ایوبی کو بہت چوکس کر دیا تھا۔

اُسے جو عنصر زیادہ پریشان کر رہا تھا وہ اُس کی اپنی فوج کی کیفیت تھی جو تسلی بخش کہلائی جا سکتی تھی لیکن یہ خطرہ تھا کہ فوری طور پر دوسری جنگ نہیں لڑ سکے گی۔ جانی نقصان کم نہ تھا۔ دشمن کو شکست تو دے دی گئی تھی مگر کچھ قیمت بھی دینی پڑی تھی جو تھوڑی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی کے لیے ایک مشکل یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مستقر سے دور تھا۔ رسد اس کے ساتھ تھی لیکن طویل جنگ کی صورت میں رسد کی کیفیت خدوش ہو سکتی تھی۔ اُس نے قریبی آبادیوں سے بھرتی شروع کرا دی تھی۔ لوگ بھرتی ہو رہے تھے۔ اِن میں زیادہ تر تیغ زنی، نیزہ بازی اور گھوڑ سواری سے واقف تھے لیکن فوج کی صورت میں لڑانے کے لیے ٹریننگ کی ضرورت تھی۔ ٹریننگ شروع کر دی گئی تھی اور اُس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی تاکہ کام کے علاقوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ اُسے بعض مقامات مزاحمت کے بغیر مل گئے اور وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں دُور دُور تک سبزہ ہی سبزہ تھا اور پانی کی افراط تھی۔ فوج اور جانور تھک کر چُور ہو چکے تھے۔ جانوروں کی یہ حالت تھی کہ اتنا زیادہ سبزہ اور پانی دیکھ کر وہ بھول ہی گئے کہ اُن کا استعمال اور فرائض کیا ہیں۔

سلطان ایوبی نے نہ ہی خیمہ زن ہونے کا حکم دے دیا۔ دیکھ بھال کے دستے موزوں جگہوں پر بھیج دیئے۔ جاسوس پہلے ہی چلے گئے تھے۔ اُسے حکم دینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ یہ نظام ایک مشین کی طرح از خود چلتا تھا۔ یہ مقام جہاں سلطان ایوبی نے قیام کیا تھا ترکمان کے نام سے مشہور تھی۔ اس کا پورا نام حماب الترکمان (ترکمان کا کنواں) تھا۔

"بھرتی اور تیز کرو۔" سلطان ایوبی نے اپنی مرکزی کمان کی پہلی کانفرنس میں کہا۔ "اجتماعی طور

پر لڑنے کی تربیت اور زیادہ تیز کر دو۔ خدا نے ہم پر کرم کیا ہے کہ تمہیں بڑا ہی مخلص دشمن دیا ہے۔ ان لوگوں میں کچھ سوجھ بوجھ ہوتی تو وہ پسپا ہو کر اس جگہ اکٹھے نہ ہوتے۔ شکست خوردہ فوجوں کے سپاہیوں کے لیے یہ مقام جنت سے کم نہیں۔ یہاں تمہارے جانور اتنا چارہ کھائیں گے کہ دس دن بعد بھی لڑ سکیں گے..... میرے دوستو! دشمن کو حتمی طور پر ختم کرنے کے لیے فوج کو آرام دینا ضروری ہے۔ تمہارے افسروں سے کہو کہ راتوں کو نہ سوئیں۔ زخمیوں کو بہت جلد صحت یاب کریں اور جانوروں کو دن رات نگرانی میں رکھیں..... اور یاد رکھو، ہمارا مقصد اپنے بھائیوں کو قتل کرنا یا انہیں برا بھلا کہنا اور دھوکا دینا نہیں۔ ہمارا دشمن صلیبی ہے۔ اگر آپس میں دست و گریبان ہوتے رہے تو صلیبی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نظر فلسطین پر رکھو اور راستے میں جو رکاوٹ آئے اسے روندتے چلے جاؤ۔"

اسی مقام پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو الملک الصالح کی طرف سے صلح کا پیغام ملا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ پچھلی قسط میں کیا گیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح نامہ قبول کر لیا تھا۔ اس سے اُسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اُس کے دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ اپنے بھائیوں کو دشمن نہیں سمجھتا عالی ظرفی کا یہ مظاہرہ کیا تھا کہ اُس نے دشمن کے جو جنگی قیدی پکڑے تھے، انہیں فقط زبانی وعظ و نصیحت کر کے رہا کر دیا تھا۔ الملک الصالح کے صلح نامے پر اپنی مہر ثبت کرنے سے پہلے بھی اُس نے کوئی کڑی شرط نہ رکھی کیونکہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ تمہارا دشمن میں نہیں ہوں، صلیبی ہیں۔

اس پیغام نے اُسے جو اطمینان دیا تھا وہ تین چار دنوں سے زیادہ نہ رہا کیونکہ اُسے ایک اور پیغام ملا۔ اُس نے کھول کر دیکھا تو یہ اُس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین غازی کے نام تھا جو صلیبی سے قاصد سلطان ایوبی کے پاس لے آیا تھا (پچھلی قسط میں اس پیغام کا بھی تفصیلی ذکر کیا گیا ہے)۔ اس پیغام سے یہ ظاہر ہوا کہ سیف الدین غازی (سلطان ایوبی کے دشمن نمبر دو) نے الملک الصالح کو لکھا تھا کہ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر کے غلطی کی ہے اور اپنے اتحادیوں کو دھوکہ دیا ہے۔ سیف الدین کے اس پیغام کے جواب میں الملک الصالح نے اُسے لکھا تھا کہ تم لوگ بے فکر رہو۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا ہے تاکہ وہ اس حالت میں ہم پر نہ آ دھمکے جب کہ ہماری فوجیں فوری طور پر مقابلے کے لیے تیار نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ صلاح الدین کی نظر حلب پر ہے۔ اُس کی فوج بھی ابھی حملے کے لیے تیار نہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے اُسے صلح کا جھانسہ دیا ہے۔ تم لوگ اپنی اپنی فوج کو منظم کرو۔ صلیبی مشیر میری فوج کو تیزی سے منظم اور تیار کر رہے ہیں۔ تم مجھ سے اتفاق کرو گے کہ ہم ابھی لڑنے کے قابل نہیں۔ صلیبی ہیں۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ الملک الصالح نورالدین زنگی کا بیٹا تھا جس کی عمر صرف نو سال تھی۔ نورالدین زنگی فوت ہو گیا تو انتظامیہ اور فوج کے مفاد پرست حکام بالا نے الملک الصالح کو نورالدین زنگی کا جانشین بنا کر اُسے سلطان کا خطاب دے دیا پھر اُسے اپنے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا لیا۔ سلطنتِ اسلامیہ بکھرنے لگی۔ سلطان ایوبی مصر سے دمشق گیا۔ الملک الصالح اور اس کے حواری دمشق کی فوج کے کچھ حصے کے ساتھ بھاگ

کر حلب چلے گئے اور اس شہر کو دارالسلطنت بنا لیا۔ الملک الصالح کو حواری استعمال کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ انہی لوگوں نے صلیبی مشیروں کے مشورے سے دیا تھا مگر پیغام سیف الدین کے پاس جانے کی بجائے سلطان ایوبی کے ہاتھ آگیا۔ یہ اُس دَور کی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ قاصد یہ پیغام غلطی سے سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا لیکن مسلمان مؤرخین نے جن میں سراج الدین قابلِ ذکر ہے، وثوق سے لکھا ہے کہ قاصد سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔

سلطان ایوبی کو اس پیغام نے پریشان کر دیا لیکن اُس نے پریشانی سے متاثر ہو کر فوری طور پر کُوچ اور حملے کا حکم نہ دیا۔ دشمن کی طرح اُسے بھی اپنی فوج کی کیفیت کو بہتر بنانے کی ضرورت تھی۔ اُس کے پیشِ نظر سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اُس کا دشمن اپنے مستقر کے قریب تھا اور وہ خود مستقر سے بہت دُور۔ رسد کا راستہ طویل اور غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اندھا دھند پیش قدمی کا قائل نہیں تھا۔ جاسوسوں کی مستند رپورٹوں کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اس کی بجائے وہ دشمن کو آگے آنے کی مہلت دیتا تھا چنانچہ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ کچھ اور جاسوس دشمن کے علاقے میں بھیج دے۔ جو بہت جلدی معلومات حاصل کر کے بھیجیں۔ اس کے علاوہ اُس نے کچھ اور ضروری انتظامات کیے۔ اُس نے اپنی مرکزی کمان سے کہا کہ وہ حملہ نہیں کرے گا بلکہ دشمن کو حملے کی مہلت دے گا تاکہ وہ اپنے اڈے سے دُور نکل آئے۔ اِن ہدایات کے بعد وہ دُور دُور کی زمین کا جائزہ لینے لگا جہاں اُسے دشمن کو لڑانا تھا۔

☆

ذکر اُس سپاہی کا ہو رہا تھا جو میدانِ جنگ سے بھاگ کر موصل کی سمت جا رہا تھا۔ وہ مُوصل یعنی سیف الدین غازی کی فوج کا سپاہی تھا۔ اس فوج کا بہت سارا حصہ تو اجتماعی طور پر پسپا ہُوا تھا جو سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تھے وہ بکھر کر اکیلے اکیلے بھاگے تھے۔ یہ سپاہی اکیلے بھاگنے والوں میں سے تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں تھا۔ اُس نے ایک جگہ گھوڑا روکا، نماز پڑھی اور دعا کرتے رو پڑا۔ پھر وہ اُٹھا نہیں، سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھا رہا۔ ایک گھوڑ سوار اُس کے قریب جا رُکا۔ سپاہی عالمِ خیال میں ایسا محو تھا کہ گھوڑے کے قدموں کی آہٹ بھی اُسے بیدار نہ کر سکی۔ سوار گھوڑے سے اُترا اور سپاہی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تب اُس نے بدک کر اوپر دیکھا۔

"یہ تو میں بتا سکتا ہوں کہ تم میدانِ جنگ سے پسپا ہو کر آئے ہو" سوار نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اس طرح کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ اگر زخمی ہو تو میں کچھ مدد کروں؟"

"میرے جسم پر کوئی زخم نہیں" سپاہی نے جواب دیا اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہا "میرے دل میں گہرا زخم آیا ہے"

یہ گھوڑ سوار جو اُس کے پاس آ بیٹھا تھا، سلطان ایوبی کے اُن جاسوسوں میں سے تھا جنہیں دشمن کی پسپائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن کے علاقوں میں جانے کو بھیجا گیا تھا۔ اُس کا نام داؤد تھا۔ ٹریننگ کے مطابق وہ اس سپاہی کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ اُسے وہ استعمال کر سکتا تھا۔ اپنی ذہانت سے وہ سمجھ گیا

کہ یہ سپاہی جذباتی لحاظ سے اُکھڑا ہُوا ہے اور یہ شکست کی دہشت کا اثر ہے۔ اُس نے سپاہی کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ سپاہی کے دل میں جو غبار تھا وہ باہر آگیا۔

"سپاہ گری میرا خاندانی پیشہ ہے" سپاہی نے کہا "میرا باپ سپاہی تھا۔ دادا بھی سپاہی تھا۔ سپاہ گری ہمارا ذریعۂ معاش بھی ہے اور ہماری رُوح کی غذا بھی۔ میں اللہ کا سپاہی ہوں۔ اپنے مذہب اور اپنی قوم کے لیے لڑتا ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ صلیبی ہمارے مذہب کے بدترین دشمن ہیں، اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بالائے قسطنطنیہ اول صلیبیوں کے قبضے میں ہے۔ میرے باپ نے مجھے دوستی اور دشمنی کی تاریخ زبانی سنائی تھی۔ میں اسلامی جذبے سے فوج میں شامل ہُوا تھا۔ تھوڑا عرصہ گزرا ہے میں بتایا جانے لگا کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کا دوست ہے اور بیکار سا آدمی ہے۔ اس سے پہلے ہم سنتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف لڑ رہا ہے اور صلیبی اُس سے ڈرتے ہیں اور وہ صلیبیوں سے قبلۂ اوّل آزاد کرا لے گا۔ ہماری فوج کے امام نے بھی ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف بہت بُری بُری باتیں بتائیں....

"ہم اپنی ریاست کے والی سیف الدین غازی کو سچا سمجھتے رہے۔ ایک روز ہماری فوج کو کُوچ کا حکم ملا۔ ہم اِدھر آئے تو جنگ ہوئی۔ جنگ کے دوران ہمیں پتہ چلا کہ ہم مسلمان فوج کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی۔ اس فوج کے سپاہی نعرے لگا رہے تھے 'حق کے خلاف نہ لڑو مسلمانو۔ تمہارے دشمن صلیبی ہیں، ہم نہیں۔ ہمارا ساتھ دو۔ قبلۂ اوّل کو آزاد کراؤ۔ عیاش حکمرانوں کے لیے نہ لڑو' میں نے اُس فوج کے جھنڈے دیکھے جن پر کلمۂ طیبہ لکھا ہُوا تھا.... میرے دوست! میں نے اُن سپاہیوں کو جس طرح لڑتے دیکھا اُس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے ہمارے ساتھ نہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ تیر کدھر سے آ رہے ہیں اور شعلے کہاں سے اُٹھ رہے ہیں....

"ایک جگہ چٹان پھٹی ہوئی تھی۔ میرے دل پر موت کا نہیں خدا کا خوف ایسا طاری ہُوا کہ میرے بازوؤں میں طاقت نہ رہی کہ تلوار کا وزن اُٹھا سکتے۔ گھوڑے کی باگیں کھینچنے کی ہمت نہ رہی۔ میں نے گھوڑا پھٹی ہوئی چٹان کے اندر کر لیا۔ میں بزدل نہیں ہوں مگر میرا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ باہر تلواریں ٹکرا رہی تھیں، گھوڑوں کا شور تھا اور مجھے نعرے سنائی دے رہے تھے 'رمضان شریف میں بھائیوں کے خلاف نہ لڑو' مجھے یاد آیا کہ ہمیں حکم ملا تھا کہ جنگ میں روزے معاف ہوتے ہیں۔ مجھے پتہ چلا کہ صلاح الدین ایوبی کے سپاہی روزے سے تھے۔ میں اُس وقت تک اُن میں سے تین سپاہیوں کو قتل کر چکا تھا۔ اُن کا خون میری تلوار پر جم گیا تھا۔ سپاہی اپنی تلوار پر خون دیکھ کر خوش ہُوا کرتا ہے مگر میں اپنی تلوار کو دیکھنے سے گھبرا رہا تھا کیونکہ میری تلوار کے ساتھ میرے بھائیوں کا خون تھا....

"مجھ میں اب وہاں سے باہر نکلنے اور لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں وہیں دبکا رہا۔ صلاح الدین ایوبی کے ایک سوار نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے للکارا۔ اُس نے برچھی مجھ پر سیدھی کی۔ میں نے خون آلود تلوار اُس کے گھوڑے کے قدموں میں پھینک دی اور کہا 'میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں، نہیں لڑوں گا' گھمسان کی جنگ کچھ دُور تھی۔ یہ سوار شاید چھاپہ مار تھا اور چھپے ہوئے سپاہیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ آگے آگیا اور مجھ سے پوچھا 'تمہیں

احساس ہو گیا ہے کہ تم خدا کے سچے مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہو؟'' — میں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا اور کہا کہ یہ گنا:
مجھ سے کرایا گیا ہے۔ مجھے گمراہ کیا گیا ہے۔ اُس نے مجھ سے برچھی لے لی۔ تلوار تو میں پہلے ہی پھینک چکا تھا۔ اُس
نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا — 'خدا سے اپنے گناہ کی بخشش مانگو اور اُدھر کو نکل جاؤ۔ پیچھے نہ دیکھنا۔ میں اللہ کے
حکم سے تمہاری جان بخشی کرتا ہوں'....

"میری آنکھوں میں اندھیرا آ گیا تھا۔ میدانِ جنگ میں دشمن جان بخشی نہیں کیا کرتا۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ
لگائی اور جو راستہ اُس نے بتایا تھا گھوڑا اُس پر ڈال دیا۔ وہ محفوظ راستہ تھا۔ میں میدانِ جنگ سے دُور نکل آیا۔
رات کو میں ایک جگہ رُکا اور سو گیا۔ خواب میں مجھے وہ تین سپاہی نظر آئے جنہیں میں نے جنگ میں قتل کیا تھا۔ اُن
کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ میرے اردگرد آہستہ آہستہ گھوم رہے تھے۔ اُن کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔
وہ مجھے کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ خاموش تھے۔ میرے دل پر ایسا خوف طاری ہو رہا تھا جس سے جسم سے جان نکلتی جا رہی
تھی۔ میں نے بچوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا اور میری آنکھ کھُل گئی۔ اتنی ٹھنڈی رات میں بھی میرے جسم سے پسینہ
پھوٹ رہا تھا۔ خوف سے میں مرا جا رہا تھا۔ میں نفل پڑھنے لگا اور روتا رہا....

"میں تین چار دنوں سے جھٹک رہا ہوں۔ رات کو میں سو نہیں سکتا۔ دن کو کہیں چین نہیں آتا۔ رات کو خواب میں
اُن تین سپاہیوں کو دیکھتا ہوں جو میری تلوار سے قتل ہوئے ہیں اور دن کے وقت اِن ویرانوں میں وہ مجھے
اپنے اردگرد گھومتے محسوس ہوتے ہیں، نظر نہیں آتے۔ اگر وہ سوار جس نے مجھے چٹان میں چھپا ہوا دیکھ لیا تھا
مجھے قتل کر دیتا تو اچھا ہوتا۔ اُس نے میری جان بخشی کر کے مجھ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو
میں اپنے آپ کو ختم کر لیتا۔ میں نے اپنے رسول صلعم کے تین مجاہدوں کو قتل کیا ہے۔"

"تم زندہ رہو گے۔" داؤد نے اُسے کہا۔ "یہ خدا کی رضا ہے کہ تم مرو گے نہیں۔ میدانِ جنگ سے تم زندہ
نکل آئے ہو۔ تمہارے پاس خودکشی کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے تم سے کوئی
نیکی کا کام کرانے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ خدا نے تمہیں موقع دیا ہے کہ گناہ کا کفارہ ادا کر دو۔"

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کے متعلق مجھے جو بُری بُری باتیں بتائی گئی تھیں وہ سچی ہیں یا جھوٹی؟"

"بالکل جھوٹی۔" داؤد نے جواب دیا۔ "بات صرف یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کو یہاں سے نکال کر
خدا کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے اور سیف الدین اور اُس کے دوست اپنی اپنی بادشاہی کے خواہشمند ہیں۔ انہوں نے
صلیب کے پجاریوں کے ساتھ گہری دوستی کر لی ہے اور اُن کی مدد سے یہ سب صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے
آئے تھے۔" داؤد نے اُسے پوری تفصیل سے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی کیا ہے اور کیا ارادے رکھتا ہے۔ موصل
کے حکمران سیف الدین کے متعلق اُسے بتایا کہ وہ اتنا عیاش ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی عیاشی کا سامان ساتھ لے
گیا تھا۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ میں صلاح الدین ایوبی کے ان تین سپاہیوں کے خون کا خراج کس طرح ادا کر سکتا ہوں؟" سپاہی
نے داؤد سے پوچھا۔ "اگر یہ بوجھ میرے دل سے نہ اُترا تو میں بہت بُری موت مروں گا۔ اگر مجھے کہو تو میں واپس

موصل سیف الدین کو قتل کر دوں؟"

"ایسی بھی کوئی ضرورت نہیں۔" داؤد نے کہا۔ "تم پسند کرو گے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟"

"تم کون ہو؟" سپاہی نے پوچھا۔ "میں نے یہ تو تم سے پوچھا ہی نہیں کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں
سے آئے ہو، کہاں جا رہے ہو؟.... میرا نام حارث ہے۔"

"میں موصل جا رہا ہوں۔" داؤد نے جھوٹ بولا۔ "میں کارہنے والا ہوں۔ جنگ کی وجہ سے میں راستے
سے دُور جا رہا ہوں۔ اگر تمہارا گاؤں راستے میں پڑتا ہے تو وہاں رُکوں گا۔"

"میرا گاؤں دُور نہیں۔" سپاہی حارث نے کہا۔ "تم میرے گھر نہیں رُکو گے تو زبردستی نہ کروں گا۔ تم نے
میری زخمی رُوح کو سکون دیا ہے۔ میں نے اتنی اچھی باتیں کبھی نہیں سنی تھیں۔ میں گھر ہی جاؤں گا۔ موصل کی فوج میں
اب کبھی نہیں جاؤں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم مجھے نجات کا راستہ دکھا سکو گے۔"

☆

والیٔ موصل سیف الدین غازی بوڑھے کے کچے سے مکان میں فرش پر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ کئی
راتیں جاگا تھا۔ آج رات وہ اتنی گہری نیند سویا کہ مکان کے باہر والے دروازے پر دستک ہوئی تو اُس کی آنکھ
نہ کھُلی۔ رات آدھی گزر گئی تھی۔ سفید ریش بوڑھے کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس کی بیٹی اور بہو بھی جاگ اُٹھیں۔ بوڑھے
نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا — "معلوم ہوتا ہے صلاح الدین ایوبی کا بھگایا ہوا موصل کا کوئی اور کمانڈر یا سپاہی آیا
ہے۔ راستے میں گھر نہیں ہونا چاہیے۔"

اُس نے دروازہ کھولا تو باہر دو گھوڑے کھڑے تھے۔ سوار اُتر آئے تھے۔ حارث نے سلام کیا تو بوڑھا اُس
کے ساتھ لپٹ گیا مگر اُس نے محبت کی بیتابی کا اظہار الفاظ میں نہ کیا۔ بولا۔ "میرے عزیز بیٹے! مجھے خوشی ہے کہ تم
موت سے بچ آئے ہو، ورنہ جب تک میں زندہ رہتا لوگوں سے یہی سنتا رہتا کہ تمہارا بیٹا اسلامی فوج کے خلاف لڑا
تھا۔" اُس نے اپنے بیٹے کے ساتھی داؤد کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

داؤد کچھ کہنے لگا تھا۔ بوڑھے نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی پھر سرگوشی میں کہا — "تمہارا بادشاہ اور سابق
اعلیٰ سیف الدین غازی اندر سویا ہوا ہے۔ گھوڑے خاموشی سے دوسری طرف لے جا کر باندھ دو اور اندر آ جاؤ۔"

"سیف الدین غازی؟" حارث نے حیرت سے کہا۔ "یہاں کیسے آ گیا ہے؟"

"شکست کھا کر۔" بوڑھے نے سرگوشیوں میں جواب دیا۔ "اندر چلو۔"

گھوڑے دوسری طرف سے اندر لے جا کر باندھ دیئے گئے۔ داؤد اور حارث کو بوڑھا اندر لے گیا۔ حارث
ہی اُس کا وہ سپاہی بیٹا تھا جس کے متعلق اُس نے سیف الدین کو بتایا تھا۔ حارث داؤد کو اُسی کمرے میں لے گیا جہاں
اُس کی بیوی اور جوان بہن تھی۔ اُس نے باپ سے کہا — "اس کا نام داؤد ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی دوست
نہیں ہو سکتا۔"

"کیا تم بھی بھاگ کر آئے ہو؟" بوڑھے نے داؤد سے پوچھا۔

"میں فوجی نہیں ہوں۔" داؤد نے جواب دیا۔ "موصل جارہا ہوں۔ جنگ نے مجھے راستے سے ہٹا دیا تھا۔ حارث ملا گیا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ والیٔ موصل ہمارے گھر میں کیسے آیا ہے؟" حارث نے اپنے باپ سے پوچھا۔

سفید ریش باپ نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح آیا ہے۔ "آج ہی رات آیا ہے۔" اُس نے کہا۔ "اُس کے ساتھ ایک نائب سالار اور کماندار تھا۔ ان دونوں کو اُس نے کہیں بھیج دیا ہے۔ میرے کانوں میں اُس کے یہ الفاظ پڑے تھے کہ فوج کو کیا کرو اور مجھے بتاؤ کہ میں موصل آجاؤں یا ابھی چھاپہ مار ہوں.... میں اُس وقت دروازے کے قریب تھا۔"

"کیا آپ نے اُس کی باتوں سے نسوس کیا ہے کہ یہ موصل کی فوج کو یکجا کر کے فوری طور پر لڑنا چاہتا ہے؟" داؤد نے پوچھا۔

"ابھی تو وہ اتنا ڈرا ہوا ہے کہ مجھے کہتا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دوں کہ یہ یہاں ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "میں اپنے تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ارادہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کا نہ ہے۔ اپنے کماندار کو اُس نے موصل کی بجائے کسی اور طرف بھیجا ہے۔"

"میں اسے قتل کروں گا۔" حارث نے کہا۔ "اس نے مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑایا ہے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگانے والوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا ہے۔ مجھے پاگل کیا ہے۔" وہ غصّے سے بے قابو ہو کر اُٹھا۔ دیوار کے ساتھ اُس کے باپ کی تلوار لٹک رہی تھی۔ وہ لے لی۔

باپ نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا۔ داؤد نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔ حارث بے قابو ہوا جارہا تھا۔ باپ نے اُسے کہا کہ پہلے میری بات سُن لو۔ داؤد نے بھی اُسے روکا اور کہا کہ ایسے فیصلے کرنے سے پہلے سوچ لینا اچھا ہوتا ہے۔ ہم اسے قتل کر کے ہی چین کا سانس لیں گے لیکن پہلے آپس میں صلاح مشورہ کر لیں۔ حارث مان تو گیا لیکن چنگھاڑ رہا تھا۔ غصّے کی شدت سے اُس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"اسے قتل کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔" بوڑھے نے اپنے بپھرے ہوئے بیٹے کو بٹھا کر کہا۔ "وہ گہری نیند سویا ہوا ہے۔ اسے تو میرے یہ ناتواں بازو بھی قتل کر سکتے ہیں۔ اس کی لاش کو چھپایا بھی جا سکتا ہے مگر اس کے جو دو ساتھی چلے گئے ہیں وہ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔ وہ ہمیں شک میں پکڑ لیں گے۔ تمہاری جوان بیوی اور جوان بہن کے ساتھ بہت بُرا سلوک کریں گے۔ اگر ہم انہیں بتائیں گے کہ والیٔ موصل چلا گیا ہے تو وہ نہیں مانیں گے کیونکہ اس نے انہیں کہا ہے کہ وہ یہیں واپس آئیں۔"

"معلوم ہوتا ہے آپ سیف الدین کو سچا سمجھتے ہیں۔" حارث نے کہا۔ "آپ مسلمان کے خلاف مسلمان کی لڑائی کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔"

"یہ بھی ایک وجہ ہے کہ میں اسے اپنے گھر میں قتل نہیں کرنا چاہتا۔" بوڑھے نے کہا۔ "میں نے اسے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ میں اسے سچا نہیں سمجھتا۔ اس نے مجھے کہا کہ تم صلاح الدین ایوبی کے حامی معلوم ہوتے

ہو۔ اس نے مجھے یہ لالچ بھی دیا ہے کہ اگر تمہارا بیٹا جنگ میں مارا گیا تو اس کے ورثہ کو بہت رقم دوں گا۔ میں نے کہا ہے کہ میں اپنے بیٹے کی شہادت کا خواہشمند ہوں حرام موت یا رقم کا نہیں۔ سیف الدین میرے خیالات جان گیا ہے۔ اگر ہم نے اسے قتل کر کے لاش غائب کر دی تو اس کا نائب سالار فوراً مجھے پکڑے گا اور کہے گا کہ تم صلاح الدین ایوبی کے حامی ہو اس لیے تم نے والیٔ موصل کو قتل کر دیا ہے۔"

"داؤد بھائی!" حارث نے داؤد سے پوچھا۔ "تم بتاؤ میں کیا کروں۔ تم نے میری جذباتی حالت دیکھی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ خدا نے مجھے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر نیکی کا اور کام کیا ہو سکتا ہے کہ اس حکمران کو قتل کر دوں جس نے ہزاروں مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ تم دانشمند انسان ہو۔"

"اس ایک آدمی کو قتل کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔" داؤد نے کہا۔ "اس کے دوست بھی ہیں۔ دوست میں ہیں اور حرن میں بھی۔ ان کے بہت سے سالار ہیں اور ان کی تین فوجیں ہیں۔ اکیلے سیف الدین کے قتل سے یہ سب صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار نہیں ڈال دیں گے۔ ہتھیار ڈلوانے کا طریقہ اور ہوتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان سب کو میدانِ جنگ میں ایسا بے بس کر دیا جائے کہ یہ ہتھیار ڈال دیں اور صلاح الدین ایوبی کی شرائط ماننے پر مجبور ہو جائیں۔"

"یہ کام صلاح الدین ایوبی کے سوا اور کون کر سکتا ہے؟" حارث نے کہا۔ "میرے سینے میں جو آگ بھڑک رہی ہے وہ کس طرح سرد ہوگی؟ مجھے خدا تین مجاہدینِ اسلام کا خون کیونکر بخشے گا؟"

داؤد بہت خوش تھا کہ اُسے والیٔ موصل یہیں مل گیا ہے۔ وہ حارث اور اُس کے باپ کو یہ بتانے سے جھجک رہا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ جاسوس کو جذبات میں آکر اپنا پردہ نہیں اٹھانا چاہیے، مگر پردہ اپنے اُوپر ڈالے رکھنے سے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے تو یہ سوچ لیا تھا کہ سیف الدین جہاں بھی جائے گا وہ اس کا تعاقب کرے گا اور اُس کی سرگرمیوں کو غور سے دیکھے گا لیکن اتنے دن حارث کے گھر میں ٹھہرنا مشکل نظر آرہا تھا۔ اُسے باپ بیٹے کے تعاون کی ضرورت تھی۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ اعتماد میں لے یا نہ لے اُس نے اُن کے ساتھ اپنے انداز سے باتیں شروع کر دیں۔ اُس نے دیکھا کہ حارث تو سیف الدین کو قتل کرنے پر تُلا ہی ہوا تھا، اس کا باپ بھی صلاح الدین ایوبی کے اس دشمن کا نام حقارت سے لیتا تھا۔

"اگر میں آپ کو ایسا طریقہ بتاؤں جس سے سیف الدین آئندہ اُٹھنے کے قابل نہ رہے تو کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟" داؤد نے اُن سے پوچھا۔

"میرے بیٹے کی طرح تم جذبات سے نہیں سوچ رہے تو میں تمہارا ساتھ دوں گا۔" حارث نے کہا۔

"اور میں قتل سے ہٹ کر اور کچھ نہیں سنوں گا۔" حارث نے کہا۔

"اگر تم اپنی عقل اور اپنے جذبات کی لگام میرے ہاتھ میں دے دو تو تمہارے ہاتھوں ایسا کام کراؤں گا جو تمہاری روح کو سکون اور چین سے مالا مال کر دے گا۔" داؤد نے دونوں کو بڑی غور سے دیکھا۔ حارث کی بیوی اور بہن ذرا الگ ہٹ کر بیٹھی سُن رہی تھیں۔ داؤد نے انہیں بھی غور سے دیکھا اور کہا۔ "مجھے قرآن دو۔"

حارث کی بہن نے اُٹھ کر قرآن اُٹھایا۔ آنکھوں سے لگایا۔ چُوما اور داؤد کو دے دیا۔ داؤد نے بھی قرآن کو آنکھوں سے لگایا۔ چُوما اور قرآن کھولا۔ اُس نے ایک جگہ انگلی رکھی اور پڑھا:

"شیطان نے اُن کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور خدا کی یاد اُن کے ذہنوں سے نکل گئی ہے۔ یہ جماعت شیطان کا لشکر ہے، اور سُن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اُٹھانے والا ہے۔ جو لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔"

یہ اٹھائیسویں پارے کی اٹھارہویں اور انیسویں آیات (سورہ الحشر) تھیں جو قرآن کھلتے ہی سامنے آگئیں۔

داؤد نے کہا — "یہ اللہ کا پاک کلام ہے۔ میں نے اپنی مرضی سے یہ صفحہ نہیں کھولا۔ یہ الفاظ اپنے آپ میرے سامنے آئے ہیں۔ یہ خدا کا فرمان ہے اور یہ خدا کی بشارت ہے۔ قرآن نے ہم سب کو بتا دیا ہے کہ یہ جماعت شیطانوں کا لشکر ہے لیکن میں اپنے پیر استاد کا سبق تمہیں پڑھانا چاہتا ہوں۔ بے شک قرآن نے فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہوں گے لیکن وہ اُس وقت تک ذلیل و خوار نہیں ہوں گے جب تک ہم کوشش کر کے اُن کی ذلت و خواری کا سامان پیدا نہیں کریں گے۔ یہ ہم سب پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم انہیں ذلیل و خوار کریں۔"

اُس نے قرآن دونوں ہاتھوں پر رکھ کر ہاتھ آگے کیے اور سب سے کہا — "سب اپنا اپنا دایاں ہاتھ خدا کے اس پاک کلام پر رکھو اور کہو تم راز سے پردہ نہیں اٹھاؤ گے اور دشمن کو شکست دینے میں اپنی جانیں قربان کر دو گے۔"

سب نے جن میں دونوں خواتین بھی شامل تھیں قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی۔ قرآن نے اُن کے اندر جو تاثر پیدا کر دیا تھا وہ اُن کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ کمرے میں ایسی خاموشی طاری ہو گئی کہ سب کے سانسوں کی بھی آواز سنائی دیتی تھی۔ سب داؤد کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم سب نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے۔" داؤد نے کہا — "خداوند تعالےٰ نے قرآن تمہاری زبان میں اُتارا ہے۔ تم اس مقدس کتاب کا ایک ایک لفظ سمجھتے ہو۔ اگر تم نے اس قسم سے انحراف کیا تو اس کی سزا قرآن میں لکھی ہوئی ہے۔ تم بھی اسی ذلت و رسوائی میں پھینک دیے جاؤ گے جو شیطان کے لشکر کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے۔"

"تم کون ہو؟" بوڑھے نے حیرت زدہ آواز میں داؤد سے پوچھا — "تم کسی بہت بڑے عالم کے مرید معلوم ہوتے ہو۔"

"میرے پاس کوئی علم نہیں۔" داؤد نے کہا — "میرے پاس عمل ہے۔ میں قرآن کی روشنی میں جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آیا ہوں۔ یہ سبق مجھے کسی عالم نے نہیں صلاح الدین ایوبی نے دیا ہے۔ میں مُوصل کا نہیں دمشق کا باشندہ ہوں، اور میں سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔ یہ ہے وہ راز جس کی تم سب نے قسم کھائی ہے کہ اِس سے پردہ نہیں اٹھاؤ گے۔ مجھے تم سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ جو میں کہوں گا وہ کرو گے۔"

"ہم قسم کھا چکے ہیں۔" بوڑھے نے کہا — "تم اپنا مقصد اور مدعا بیان کرو۔"

"مجھے اللہ کی خوشنودی حاصل ہے۔" داؤد نے کہا — "میں جس کے سینے سے راز نکال کر سلطان صلاح الدین

تک پہنچانا چاہتا ہوں وہ مجھے اسی چھت کے نیچے مل گیا ہے جس کے نیچے میں بیٹھا ہوں۔ خدائے ذوالجلال نے مجھے فرشتوں کی راہنمائی دی اور یہاں پہنچا دیا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ سیف الدین اور اس کے دوستوں کے ارادے اور سرگرمیاں کیا ہیں۔ اگر یہ لوگ جنگ کی تیاریاں کریں تو انہیں تیاری سے پہلے یا تیاری کی حالت میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ارادے سے قبل از وقت معلوم کرنا ضروری ہیں۔ ہو سکتا ہے سلطان صلاح الدین ایوبی تیار نہ ہو اور یہ لوگ اچانک حملہ کر دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔"

"کیا مجھے اجازت ہوگی کہ اپنی فوجوں کو دھوکے میں مسلمانوں کے خلاف لڑانے والوں کو قتل کر دوں؟" حارث نے پوچھا۔

"یہ میں بتاؤں گا۔" داؤد نے جواب دیا — "بعض حالات میں قتل نہ کرنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ تمہیں ہر قدم ٹھنڈے مزاج سے اٹھانا ہوگا۔ ہمیں سیف الدین پر نظر رکھنی ہے اور اس کا تعاقب کرنا ہے جس طرح یہ یہاں آ کر چھپ گیا ہے اسی طرح ہم اور حارث چھپے رہیں گے اور دیکھتے رہیں گے کہ یہ کیا کرتا ہے۔"

☆

سیف الدین اسی مکان کے ایک کمرے میں گہری نیند سویا رہا۔ صبح طلوع ہوئی۔ بوڑھے نے جھانک کر دیکھا۔ وہ سویا ہوا تھا۔ سورج خاصا اُوپر آ گیا تھا جب اُس کی آنکھ کھلی۔ حارث کی بہن اور بیوی نے اُس کے آگے ناشتہ رکھا۔ اس نے حارث کی بہن کو غور سے دیکھا اور کہا — "تم ہماری جو خدمت کر رہی ہو اس کا ہم آتا صلہ دیں گے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ ہم تمہیں اپنے محل میں رکھیں گے۔"

"اگر ہم آپ کو اسی جھونپڑے میں رکھیں تو کیا آپ خوش نہیں رہیں گے؟" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

"ہم تو صحرا میں بھی رہ سکتے ہیں" — سیف الدین نے کہا — "لیکن تم پھولوں کے ساتھ سجا کر رکھنے والی چیز ہو۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے نصیب میں محل میں دوبارہ جانا لکھا ہے؟" — لڑکی نے پوچھا۔

"ایسی بات تم نے کیوں کہی ہے؟"

"آپ کی حالت دیکھ کر" — لڑکی نے کہا — "بادشاہ کا جھونپڑے میں چھپنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی سلطنت چھن گئی ہے اور اُس کی فوج ساتھ چھوڑ گئی ہے۔"

"فوج نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا" — سیف الدین نے کہا — "میں ذرا آرام کے لیے یہاں رُک گیا ہوں۔ محل صرف میرے نصیب میں نہیں تمہارے نصیب میں بھی لکھا ہوا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟"

حارث کی بیوی کمرے سے نکل گئی تھی۔ بہن سیف الدین کے پاس بیٹھ گئی اور کہنے لگی — "اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو صلاح الدین ایوبی کو شکست دیئے بغیر محل کا نام نہ لیتی۔ اگر آپ نے مجھے پسند کیا ہے تو میں آپ کو بتا دیتی ہوں کہ مجھے آپ کا بھاگنا اور چھپنا بالکل پسند نہیں۔ جنگجو بادشاہوں کی طرح باہر نکلیں۔ اپنی فوج کو اکٹھا کریں اور سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں۔"

لڑکی بھولی بھالی شکل کی تھی۔ اُس کی سادگی میں حسن تھا۔ سیف الدین اُسے بڑی دل چسپی سے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جس میں شیطانیت بھی تھی اور نجابت بھی۔

"میں شہزادی نہیں ہوں"۔ لڑکی نے کہا۔ "ان چٹانوں اور صحراؤں میں پیدا ہوئی اور یہیں جوان ہوئی ہوں۔ میں سپاہی کی اولاد اور سپاہی کی بہن ہوں۔ آپ کے ساتھ مل میں نہیں میدانِ جنگ میں جاؤں گی۔ میرے ساتھ آپ تیغ زنی کا مقابلہ کریں گے؟ چٹانوں کے اوپر نیچے میرے ساتھ گھوڑا دوڑائیں گے؟"

"تم صرف خوبصورت ہی نہیں جنگجو بھی ہو"۔ سیف الدین نے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "ایسے پیارے بال میں نے پہلی بار دیکھے ہیں"۔

لڑکی نے اُس کا ہاتھ آہستہ سے پرے کر دیا اور کہا۔ "ہاں نہیں بازو۔ ابھی آپ کو میرے بالوں کی نہیں میرے بازوؤں کی ضرورت ہے۔ مجھے بتائیں آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

"تمہارا باپ خطرناک آدمی ہے"۔ سیف الدین نے کہا۔ "وہ صلاح الدین ایوبی کا حامی ہے اور مجھے شاید پسند نہیں کرتا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے دھوکہ دے گا"۔

لڑکی ہلکی سی ہنس پڑی اور بولی۔ "وہ بوڑھا آدمی ہے۔ معلوم نہیں آپ کے ساتھ اُس نے کیا باتیں کی ہیں۔ ہمارے سامنے رات سے وہ آپ کی تعریفیں کر رہا ہے۔ اُس سے صلاح الدین ایوبی کا صرف نام سُنا ہے اُس کے متعلق اور کچھ نہیں جانتا۔ اس سے آپ نہ ڈریں۔ ضعیف آدمی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ مجھے آزمائیں"۔

سیف الدین نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔ کہنے لگی۔ "میں آپ کو اپنے جسم سے محروم نہیں کروں گی۔ اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دوں گی لیکن اُس وقت جب آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر آئیں گے۔ آپ اس وقت مشکل میں ہیں۔ مجھ سے دُور رہیں۔ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

سیف الدین عیاش اور زن پرست انسان تھا۔ جوان اور خوبصورت لڑکی اس کے لیے عجوبہ نہیں تھی لیکن اس لڑکی میں اُس نے یہ عجیب بات دیکھی کہ وہ اس کے آگے جھک نہیں رہی تھی۔ اس کے آگے تو ہر لڑکی سدھائے ہوئے جانور کی طرح اشاروں پر ناچا کرتی تھی۔ اس لڑکی نے اُس پر ایسا وار کیا کہ اس کی غیرت بھڑک اٹھی۔

"سنو لڑکی!"۔ اُس نے کہا۔ "تم نے میری مردانگی کا امتحان لینا چاہا ہے۔ میں اب اُس وقت تمہارے جسم کو ہاتھ لگاؤں گا جس وقت میرے ہاتھ میں صلاح الدین ایوبی کی تلوار ہوگی اور میں اُسی کے گھوڑے پر سوار ہوں گا۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میرے پاس آجاؤ گی"۔

"مجھے اپنے ساتھ میدانِ جنگ میں لے چلیں"۔ لڑکی نے کہا۔

"نہیں"۔ سیف الدین نے کہا۔ "مجھے ابھی فوج تیار کرنی ہے۔ میں نے ایک آدمی کو مُوصل بھیج دیا ہے۔ میں نے انہیں کہلا بھیجا ہے کہ فوجیں اکٹھی کرو اور فوراً صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دو تاکہ وہ ہمارے شہروں کا محاصرہ کرنے آگے نہ آسکے۔ آج شام تک میرے دونوں آدمی واپس آجائیں گے تو معلوم ہوگا کہ حلب اور حران کی فوجیں کس حالت میں ہیں۔ ہم شکست تسلیم نہیں کر رہے۔ جوابی حملہ کریں گے اور فوراً کریں گے"۔

سیف الدین کی شخصیت ایسی کچھ تھی۔ زن پرستی اور ایمان فروشی نے اُس کا کردار اتنا کھوکھلا کر دیا تھا کہ اُس نے ایک الہڑ اور سیدھی سادی لڑکی سے متاثر ہو کر اُسے سند کی بھی ایک دو باتیں بتا دیں۔ لڑکی نے اُس کا ہاتھ چُوم لیا اور کمرے سے نکل گئی۔

☆

"اُس کے ساتھ جو دو آدمی آئے تھے اُن میں سے ایک کو اُس نے مُوصل بھیجا ہے اور دوسرے کو حلب"۔ حارث کی بہن اپنے باپ کو، حارث اور داؤد کو بتا رہی تھی۔ "اُس کا ارادہ یہ ہے کہ تینوں فوجوں کو اکٹھا کر کے صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کیا جائے تاکہ وہ آگے آکر ان کے شہروں کو محاصرے میں نہ لے سکے۔ اس کے جو دو آدمی گئے ہوئے ہیں وہ آکر اسے بتائیں گے کہ فوجیں لڑنے کی حالت میں ہیں یا نہیں"۔ سیف الدین نے اُسے جو کچھ بتایا تھا وہ اُس نے اپنے باپ، بھائی اور داؤد کو بتا دیا۔

یہ لڑکی جس کا نام فوزی تھا کوئی ایسی چالاک اور ہوشیار لڑکی نہیں تھی۔ اُسے خدا نے دانت دے کر بھیجا تھا۔ داؤد نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سیف الدین کے دل سے راز نکالے۔ فوزی کو اُس نے طریقہ بھی بتایا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ یہ شخص عیاش اور ہوسکار ہے اس لیے اُس کے جال سے بچ کر رہنا۔ فوزی نے یہ کام خوش اسلوبی سے کر لیا۔ اُس نے سیف الدین سے جو باتیں کہلوانی تھیں ان سے داؤد کو یہ پتہ چل گیا کہ سیف الدین کا پیچھا کرنا ضروری ہے۔

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے بوڑھے کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دروازے پر دستک سنی اور گھوڑے کو ہنہناتے بھی سُنا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا۔ باہر سیف الدین کا نائب سالار کھڑا تھا۔ بوڑھا اُس کا گھوڑا دوسری طرف لے گیا اور نائب سالار اندر چلا گیا۔ بوڑھے نے جا کر نائب سالار سے کھانے کے متعلق پوچھا۔ اُس نے انکار کر دیا۔ بوڑھے نے غلاموں کی طرح اُن سے سلوک کیا۔ سیف الدین نے اُسے کہا کہ وہ جا کر سو جائے۔ بوڑھا رعایا کی طرح کے آداب سے وہاں سے نکلا۔ اُس نے داؤد کو جگایا اور دونوں نے دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔

"گشتگین کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ حلب میں الملک الصالح کے ساتھ ہے"۔ نائب سالار کہہ رہا تھا۔ "میں نے مُوصل میں جو حالات دیکھے ہیں وہ کوئی ایسے بُرے نہیں کہ ہم لڑ ہی نہ سکیں۔ صلاح الدین ایوبی ترکمان لے گیا ہے۔ صلیبیوں کے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ وہ الجزیرہ، دیار اور بقر اور ارد گرد کے علاقوں سے لوگوں کو فوج میں بھرتی کر رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ فوری طور پر پیش قدمی نہیں کرے گا۔ پیش قدمی ضرور کرے گا، جو طوفانی ہوگی۔ اس کی فوج کی خیمہ گاہ بتا رہی ہے کہ وہ وہاں زیادہ دن قیام کرے گا۔ وہ غالباً اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ ہم لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ ہماری جو فوج مُوصل پہنچی ہے اس کی نفری ایک تہائی سے کچھ زیادہ کم ہے۔ یہ سپاہی مارے گئے ہیں اور ان میں لاپتہ بھی شامل ہیں"۔

"تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اسی فوج سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں؟"۔ سیف الدین نے پوچھا۔

"صرف ہماری فوج حملے کے لیے کافی نہیں"۔ نائب سالار نے جواب دیا۔ "الملک الصالح اور گشتگین کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ ہمارے مشیروں (صلیبیوں) نے بھی یہی مشورہ دیا ہے:

"تم نے انہیں بتا دیا ہے کہ میں کہاں ہوں؟" سیف الدین نے پوچھا۔

"میں نے یہ جگہ نہیں بتائی" — نائب سالار نے جواب دیا — "انہیں یہ بتایا ہے کہ آپ ترکمان کے مضافات میں گھوم پھر رہے ہیں اور صلاح الدین ایوبی کی نقل و حمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ اگلے معرکے کا منصوبہ تیار کیا جا سکے.... میرا خیال ہے کہ تین چار روز بعد آپ کو موصل چلے جانا چاہیئے۔"

"مجھے حلب کی خبر معلوم کر لینے دو" — سیف الدین نے کہا — "وہ (کمانڈر) کل شام تک واپس آجائے گا۔ تم جانتے ہو کہ گشتگین شیطان کی فطرت کا انسان ہے۔ اسے اپنے قلعے (حرن) میں چلے جانا چاہیئے تھا۔ حلب میں وہ کیا کر رہا ہے؟ میں موصل جانے سے پہلے حلب جاؤں گا۔ گشتگین بے شک ہمارا اتحادی ہے مگر میں اُسے اپنا دوست نہیں کہہ سکتا۔ مجھے الملک الصالح کے سالاروں کو اس پر بھی قائل کرنا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ستانے سے فائدہ اٹھائیں اور وقت ضائع کیے بغیر حملہ کر دیں۔ میں اب یہ مشورہ بھی دوں گا کہ تینوں فوجیں ایک مرکزی کمان کے ماتحت ہونی چاہئیں اور ان کا ایک سالارِ اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ ہم نے صرف اس لیے شکست کھائی ہے کہ ہماری فوجوں کی کمان الگ الگ تھی۔ ہمیں ایک دوسرے کے منصوبے اور چالوں کا علم ہی نہیں تھا، ورنہ مظفر الدین نے صلاح الدین ایوبی کے پہلو پر جو حملہ کیا تھا وہ کبھی ناکام نہ ہوتا۔"

"مرکزی کمان آپ کے پاس ہونی چاہیئے" — نائب سالار نے کہا۔

"اور ہمیں اپنے دوستوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے" — سیف الدین نے کہا اور پوچھا — "صلیبی ہمیں مدد دیں گے؟"

"وہ اپنی فوج تو نہیں دیں گے" — نائب سالار نے جواب دیا — "اونٹ، گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ دیں گے" — نائب سالار نے پوچھا — "یہاں آپ نے کوئی خطرہ تو محسوس نہیں کیا؟"

"نہیں" — سیف الدین نے کہا — "بوڑھا قابلِ اعتماد معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بیٹی جال میں آگئی ہے لیکن بدباطن اور جوشیلی ہے۔ کہتی ہے پہلے صلاح الدین ایوبی کو شکست دو۔ اس کی تلوار لاؤ۔ اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر آؤ اور میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی۔"

نائب سالار نے قہقہہ لگایا۔ حارث، اس کا باپ اور داؤد دروازے کے ساتھ کان لگائے سن رہے تھے۔ سیف الدین اور اس کے نائب سالار کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ اس گھر میں صرف ایک بوڑھا اور دو لڑکیاں ہی نہیں، دو جوان مجاہد بھی ہیں جو کسی بھی موزوں موقعے پر اسے قتل کر دیں گے۔ سیف الدین کو ذرا سا بھی شک نہیں ہوا تھا کہ اس نے فوزی کو اپنے جال میں نہیں پھانسا بلکہ خود اس کے جال میں آگیا ہے۔

☆

داؤد اور حارث اندر رہے۔ سیف الدین اور اس کا نائب سالار ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں بند رہے۔ دن کے دوران فوزی تین چار بار اس کمرے میں گئی۔ وہ چونکہ اس سے دو ہاتھ دور رہتی تھی اس لیے سیف الدین اس کی طرف اور زیادہ کھچا آتا تھا۔ فوزی سے اس نے پوچھا — "تمہارا بھائی میری فوج میں سپاہی ہے، میں اسے جمعدار کا کمانڈر بنا دوں گا؟

"ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں" — فوزی نے کہا — "اگر وہ زندہ نہ ہوا تو ہم بے آسرا ہو جائیں گے۔"

"اس صورت میں میں تمہارے باپ کو اور تمہارے بھائی کی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا" — سیف الدین نے کہا۔

فوزی کا باپ بھی سیف الدین کے پاس جاتا رہا۔ اس نے عملی طور پر سیف الدین کو یقین دلا دیا کہ وہ اس کا وفادار ہے۔

رات کو پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ بوڑھے نے دروازہ کھولا۔ باہر سیف الدین کا وہ کمانڈر کھڑا تھا جسے اس نے حلب روانہ کیا تھا۔ بوڑھے نے اسے سیف الدین کے کمرے میں بھیج دیا اور اس کا گھوڑا دوسرے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر کمانڈر سے کھانے کے متعلق پوچھنے گیا۔ کمانڈر بہت تیز آیا تھا۔ کہیں رکا نہیں تھا، اس لیے راستے میں کچھ کھا نہیں سکا تھا۔ بوڑھا اندر کھانا لینے کے لیے گیا تو فوزی نے کہا کہ وہ کھانا لے جائے گی اور باتیں سنے گی۔

وہ کھانا لے کر گئی تو کمانڈر بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ سیف الدین نے کہا — "تم بات کرو۔ یہ اپنی بچی ہے۔" فوزی کمانڈر کے آگے کھانا رکھ کر سیف الدین کے قریب بیٹھ گئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ اس کے اتنی قریب بیٹھی تھی۔ سیف الدین نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فوزی نے ہاتھ چھڑایا نہیں، اور نہ صلیبیوں کا یہ دوست ہاتھ سے نکل جاتا۔

"حلب کی فوج کا جذبہ قابلِ تعریف ہے" — کمانڈر نے بات شروع کی۔ فوزی نے سیف الدین کی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو انگلیوں میں مسلنا اور اس کے ہیرے کو بچوں کے سے اشتیاق سے دیکھنا شروع کر دیا جیسے اسے کمانڈر کی باتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ ہو لیکن اس کے کان اسی طرف لگے ہوئے تھے۔ کمانڈر کہہ رہا تھا — "الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام بھیجا ہے۔"

"صلح کا پیغام؟" سیف الدین نے بدک کر پوچھا۔

"جی ہاں، صلح کا پیغام" — کمانڈر نے کہا — "لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے صلاح الدین ایوبی کو دھوکہ دیا ہے۔ اس کے صلیبی دوست اس کی فوج کے سامان کا نقصان پورا کر رہے ہیں اور اسے اکسا رہے ہیں کہ وہ موصل اور حرن کی فوجوں کو مشترکہ کمان میں لا کر صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کرے۔ اگر صلاح الدین ایوبی کی فوج نے سستا لیا اور اس نے اسی علاقے سے لوگوں کو بھرتی کر کے نفری پوری کر لی تو پھر اسے روکنا محال ہو جائے گا۔ جاسوس خبر لائے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی نے ترکمان کے سبزہ زار میں لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ کر لیا ہے اور پیش قدمی کی تیاریاں بہت تیزی سے کر رہا ہے۔ الملک الصالح کے سالار بھی یہی کہتے ہیں کہ ترکمان کے مقام پر صلاح الدین ایوبی پر فوری حملہ ہونا چاہیئے....

"میں نے حلب کی فوج کے ایک صلیبی مشیر کے ساتھ بات کرنے کا موقعہ پیدا کر لیا تھا۔ میں نے اسے جان بوجھ کر اسے کہا کہ ہم فوری حملے کے قابل نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ تمہاری بہت بڑی جنگی لغزش ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی پر حملے کا مقصد یہ نہیں ہوگا کہ اسے شکست دی جائے۔ مقصد یہ ہوگا کہ اسے تیاری کی مہلت نہ دی جائے۔ اسے

ترکمان کے علاقے میں پریشان رکھا جائے اور ایسی لڑائی لڑی جائے جو لمبی ہو۔ جنگ نہ ہو معرکے لڑے جائیں۔ یہ معرکے صلاح الدین ایوبی کے انداز کے ہی ہوں، یعنی ضرب لگاؤ اور بھاگو، شبخون مارو اور کوشش کرو کہ ترکمان کے سبزہ زار سے جہاں پانی کی بھی بہتات ہے، صلاح الدین ایوبی کو پیچھے ہٹا دیا جائے تاکہ اس کی فوج کو چارہ اور پانی نہ مل سکے۔"

"بہت اچھی ترکیب ہے۔" سیف الدین نے کہا۔ "ایسی جنگ میرا شیر سالار مظفر الدین لڑ سکتا ہے۔ وہ بہت عرصہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ رہا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ تینوں فوجوں کی مشترکہ کمان مجھے مل جائے۔ میں صلاح الدین ایوبی کو صحرائی لومڑی کی طرح دھوکے دے دے کر ماروں گا۔"

فوزی نے سیف الدین کی تلوار لے لی اور اُسے نیام سے نکال کر دیکھنے لگی۔ وہ بالکل بھولی بنی ہوئی تھی۔

"میں نے کوشش کی تھی کہ الملک الصالح کے ساتھ میری ملاقات ہو جائے۔" کماندار نے کہا۔ "لیکن سالاروں اور دوسرے حکام نے اُسے ایسا گھیرا ہوا ہے کہ میں اُسے مل نہ سکا۔ یہ باتیں اُس کے سالاروں سے معلوم کی ہیں۔"

"تمہیں آج پھر حلب جانا ہوگا۔" سیف الدین نے کہا۔ "الملک الصالح کو یہ پیغام دینا کہ تم نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کر کے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ تم نے اُس کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ اُس کے ہاتھ مضبوط کر دیئے ہیں۔ وہ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں بخشے گا۔ تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ گھبرا گئے ہو، یا تمہارے سالاروں نے لڑائی سے بچنے کے لیے تمہیں مشورہ دیا ہے۔" سیف الدین نے اس موضوع کا لمبا پیغام دیا اور کماندار سے کہا۔ "تمہیں سحر کی تاریکی میں نکل جانا چاہیئے۔ دن کے وقت تمہیں اس گاؤں میں کوئی نہ دیکھے۔"

یہ تھا وہ پیغام جس کا ذکر تاریخ میں آیا ہے۔ کماندار کچھ دیر آرام کر کے حلب کو روانہ ہو گیا۔

☆

فوزی نے جو کچھ سنا تھا وہ داؤد کو بتا دیا۔ یہ معلومات بھی کام کی تھیں۔ حارث اور اُس کا باپ گہری نیند سو گئے۔ داؤد کسی کام سے باہر نکلا۔ فوزی بھی دبے پاؤں نکل آئی۔ داؤد اپنے گھوڑے کے پاس جا رُکا۔ فوزی بھی وہیں چلی گئی۔

"مجھے اس سے کوئی بڑا کام بتاؤ۔" فوزی نے کہا۔ "میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔"

"میرے لیے نہیں اپنی قوم کے لیے اور اپنے مذہب کے لیے جان دینا۔" داؤد نے کہا۔ "تم جو کام کر رہی ہو وہ بہت بڑا ہے۔ ہم جو جاسوس ہیں اسی کام میں اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے ہیں۔ یہ کام میرا تقاضا جو میں تم سے کرا رہا ہوں۔ میں نے تمہیں خطرے میں ڈال دیا ہے۔"

"خطرہ کیسا؟"

"تم اتنی چالاک لڑکی نہیں ہو فوزی۔" داؤد نے کہا۔ "سیف الدین بادشاہ ہے۔ وہ اس جھونپڑے میں بھی بادشاہ ہے۔"

"تو کیا بادشاہ مجھے کھا جائے گا؟" فوزی نے کہا۔ "میں چالاک تو نہیں، سیدھی سادی بھی نہیں ہوں۔"

"تم نے بادشاہی کی چمک دیکھی تو تمہاری آنکھیں بند ہو جائیں گی۔" داؤد نے کہا۔ "ان لوگوں نے اسی چمک سے اندھا ہو کر ایمان بیچا ہے اور اسلام کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ کہتا ہوں کہیں تم بھی اس جال میں نہ آ جاؤ۔"

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں کہیں کا بھی رہنے والا نہیں۔" داؤد نے جواب دیا۔ "میں جاسوس اور چھاپہ مار ہوں۔ جہاں دشمن کے بانٹھ چڑھ گیا وہیں مارا جاؤں گا اور جہاں بھی مارا جاؤں گا وہ میرا وطن ہوگا۔ شہید کا لہو جس زمین پر گرتا ہے، وہ زمین سلطنتِ اسلامیہ کی ہو جاتی ہے۔ اُس زمین کو کفر سے پاک کرنا ہر مسلمان کا فرض بن جاتا ہے۔ میری ماں اور بہنوں نے یہیں جان دی اور خدا کے حوالے کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے دلوں پر پتھر رکھ لیے ہیں اور اس خواہش سے دست بردار ہو گئی ہیں کہ ہم انہیں کبھی ملیں گے۔"

"تمہارے دل میں اپنے گھر جانے کی، اپنی ماں کو دیکھنے کی، بہن سے ملنے کی خواہش تو ہوگی۔" فوزی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"انسان خواہشوں کا غلام ہو جائے تو فرض دھرے رہ جاتے ہیں۔" داؤد نے کہا۔ "جان سے پہلے جذبات قربان کرنے پڑتے ہیں۔ تمہیں بھی یہ قربانی دینی ہوگی۔"

فوزی اس کے قریب ہو گئی اور بولی۔ "مجھے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟"

"نہیں۔" داؤد نے کہا۔

"کچھ دن میرے پاس رہ سکتے ہو؟" فوزی نے پوچھا۔

"میرے فرض نے ضرورت سمجھی تو رہوں گا۔" داؤد نے کہا۔ "مجھے اپنے پاس رکھ کر کیا کرو گی؟"

"تم مجھے اچھے لگنے ہو نا۔" فوزی نے کہا۔ "تم جب سے آئے ہو تمہاری باتیں سن رہی ہوں ایسی باتیں میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ میرے دل میں آتی ہے کہ تمہارے ساتھ رہوں اور۔۔۔"

"مجھے زنجیر نہ ڈالو فوزی۔" داؤد نے کہا۔ "اپنے آپ کو بھی جذبات کی زنجیر سے آزاد رکھو۔ ہمارے سامنے بڑے کٹھن راستے ہیں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ ضرور تھامیں گے، اکٹھے چلیں گے مگر ایک دوسرے کے قریب نہیں بنیں گے۔" اُس نے ذرا دیر سوچ کر کہا۔ "فوزی تم زیادہ دُور تک میرا ساتھ نہیں دے سکو گی۔ مجھے تمہاری عصمت بھی عزیز ہے۔ کام جو مردوں کا ہے وہ مرد ہی کریں گے۔"

فوزی نے آہ لی اور اداس سی ہو گئی۔ اس نے داؤد کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور گھوم کر وہاں سے ہٹنے لگی۔ داؤد نے لپک کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے قریب کر کے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ فوزی اس کے ساتھ لگ گئی اور جذبات سے کانپتی آواز میں بولی۔ "جو کام مردوں کا ہے وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ میری عصمت کوئی ایسا کچا دھاگا نہیں کہ ذرا سے جھٹکے سے ٹوٹ جائے گا۔ میں تمہیں اپنی عصمت پیش نہیں کر رہی۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ تم نے مجھے جو راستہ دکھایا ہے وہ میرے دل کو بہت اچھا لگا ہے۔ میں تمہارے قریب اس لیے ہو گئی ہوں کہ شاید تمہیں میرے وجود سے اپنی ماں کی اور بہن کی بُو باس مل جائے۔ تم

بہت تھکے ہوئے ہو نا داؤد! مجھے میرے بھائی کی بیوی نے بہت سی باتیں بتائی ہیں. وہ کہتی ہے کہ مرد جب تھکا ہُوا گھر آتا ہے تو عورت کے سوا اس کی تھکن اور کوئی دُور نہیں کر سکتا. عورت نہ ہو تو مرد کی رُوح مرجھا جاتی ہے. میں ڈرتی ہوں کہ تمہاری روح مرجھا گئی تو.... تو کیا ہوگا داؤد؟"

داؤد ہنس پڑا اور اس کے گال تھپکا کر بولا "تمہاری ان بھولی بھالی باتوں نے میری روح کو تر و تازہ کر دیا ہے."

"تمہیں میری کوئی بات بُری تو نہیں لگی؟" فوزی نے پوچھا "میرے بھائی کو تو نہیں بتاؤ گے کہ میں تمہارے پاس آئی تھی؟"

"نہیں" داؤد نے کہا "تمہارے بھائی کو کچھ نہیں بتاؤں گا اور تمہاری کوئی بات مجھے بُری نہیں لگی."

"ہماری منزل ایک ہے داؤد" فوزی نے کہا "مجھے معلوم نہیں کہ دل کی بات کس طرح کہی جاتی ہے."

"تم نے دل کی بات کہہ دی ہے فوزی!" داؤد نے کہا "اور میں نے سمجھ لی ہے. تم نے ٹھیک کہا ہے کہ ہماری منزل ایک ہے مگر یہ نہ بھولنا کہ راستے میں خون کی ندی بھی ہے جس پر کوئی پُل نہیں. اگر تم ہمیشہ کے لئے میری ہو جانا چاہتی ہو تو ہمارا نکاح لہو کی تحریر ہوگی، پھر ہماری لاشیں ایک دوسری سے دُور بھی ہوئیں تو ہم اکٹھے ہو جائیں گے. راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوتی ہیں اور بارانیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں. ان کی خوشی میں سارا آسمان ستاروں کی چراغاں کیا کرتا ہے."

فوزی جب وہاں سے چلی تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی. اس مسکراہٹ میں مسرت کا تاثر کم اور ایسا تاثر زیادہ تھا جس میں عزم تھا اور کچھ کر گزرنے کا ارادہ.

☆

دو دنوں کے بعد کماندار واپس آگیا جو الملک الصالح کے نام سیف الدین کا پیغام لے کر گیا تھا. اس کی ملاقات الملک الصالح سے نہیں ہو سکی تھی، پیغام اُس تک پہنچا دیا گیا تھا. اس نے کہا تھا کہ وہ پیغام کا تحریری جواب دے گا. کماندار وہاں بتا آیا تھا کہ سیف الدین کہاں ہے اور جس گھر میں وہ بیٹھا ہے اس کی نشانیاں کیا ہیں.... سیف الدین اپنے پیغام کے جواب کا انتظار کرتا رہا. جواب نہ آیا اور وہ پریشان ہونے لگا ـــ تیسرے چوتھے دن وہ بہت ہی بے چین ہو گیا.

"کیوں نہ میں خود ہی حلب چلا جاؤں" ـــ اُس نے اپنے نائب سالار سے کہا "اگر حلب کی فوج نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح اور جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا ہے تو ہمیں اپنے متعلق بہت کچھ سوچنا پڑے گا. گشتگین (والیٔ حمران) کا کچھ بھروسہ نہیں. ہم تنہا تو نہیں لڑ سکتے. ہمیں صلیبیوں کے ساتھ مل کر کوئی اور منصوبہ بنانا پڑے گا."

"کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ الملک الصالح صلح کا معاہدہ توڑ دے؟" ـــ نائب سالار نے پوچھا.

"یہ ممکن ہے" ـــ کماندار نے کہا "میں نے اُس کے جن سالاروں اور کمانداروں سے بات کی ہے وہ کہتے تھے کہ الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو دھوکہ دیا ہے، اگر اُس نے دھوکہ نہیں دیا تو بھی زیادہ تر سالار اور دوسرے حکام اس معاہدے کو تسلیم نہیں کرتے. بشیر (صلیبی) تو فوری حملے کے حق میں ہیں."

"آپ کو حلب چلے جانا چاہیئے" ـــ نائب سالار نے اُسے کہا "اور میں موصل چلا جاتا ہوں."

"تم ایک بار پھر حلب چلے جاؤ" ـــ سیف الدین نے کماندار سے کہا "الملک الصالح کو بتا دو کہ میں آرہا ہوں. تم روانہ ہو جاؤ گے تو اگلی رات میں بھی روانہ ہو جاؤں گا. ہو سکتا ہے وہ مجھے ملنا نہ چاہے. شہر سے باہر المبارک نام کے جو چشمے ہیں میں وہاں قیام کروں گا. الملک الصالح سے کہنا کہ مجھے وہاں ملے. اگر وہ نہ ملنا چاہے تو مجھے المبارک آکر بتا دینا."

"کیا آپ کا اکیلے جانا مناسب ہے؟" ـــ نائب سالار نے پوچھا.

"ان ملاقاتوں میں کوئی خطرہ تو نہیں" ـــ سیف الدین نے کہا ـــ "میں رات کو جاؤں گا. کسی کو کیا خبر کہ والیٔ موصل جا رہا ہے."

"صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں اور چھاپہ ماروں کا کوئی بھروسہ نہیں" ـــ نائب سالار نے کہا "اُن سے ہماری کوئی جگہ محفوظ نہیں."

"مجھے جانا ضرور ہے" ـــ سیف الدین نے کہا "خطرہ مول لینا ہی پڑے گا. آج تم موصل کو روانہ ہو جاؤ. میں کل رات حلب کو روانہ ہو جاؤں گا."

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں اُس وقت داؤد اور حارث کے کان دروازے کی درز کے ساتھ لگے ہوئے تھے. دونوں وہاں سے ہٹ گئے اور اپنے کمرے میں چلے گئے. داؤد گہری سوچ میں کھویا ہُوا تھا. اُسے سیف الدین کا تعاقب کرنا تھا لیکن کس طرح؟ سوچ سوچ کر اُس کے دماغ میں ایک ترکیب آگئی.

"ہم سیف الدین کے محافظ بنیں گے اور اُس کے ساتھ حلب جائیں گے" ـــ داؤد نے حارث سے کہا "ہم اچانک اُس کے سامنے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اُس کی فوج کے سپاہی ہیں."

"اگر اُس نے کہہ دیا کہ دونوں موصل چلے جاؤ تو کیا کرو گے؟" ـــ حارث نے پوچھا.

"میں اپنا جادو چلانے کی کوشش کروں گا" ـــ داؤد نے کہا.

"اگر یہ بھی ناکام ہو گیا تو؟"

"پھر یہ بھی حلب نہیں جائے گا" ـــ داؤد نے کہا "الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کر لی ہے تو سیف الدین اُس معاہدے کو منسوخ کرانے کے لیے حلب نہیں پہنچ سکے گا" ـــ اُس نے حارث کو سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے.

اُسی رات سیف الدین بند کمرے میں اپنے نائب سالار اور کماندار کے پاس بیٹھا انہیں آخری ہدایات دے رہا تھا. رات کا پہلا پہر تھا. پہلے کماندار وہاں سے نکلا. حارث کے باپ نے اُسے گھوڑا کھول رہا تھا. کچھ دیر بعد نائب سالار بھی چلا گیا. سیف الدین اکیلا رہ گیا. وہ لیٹ گیا. اچانک کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھلا. وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا. دیکھا، فوزی سراپا مسرت اور خوشی بنی ہوئی تھی. وہ دوڑتی آئی اور اُس کے پاس بیٹھ کر اس نے سیف الدین کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے.

"میرا بھائی آگیا ہے" ـــ فوزی نے خوشی سے دیوانہ ہوتے ہوئے کہا "اُس کے ساتھ اُس کا ایک دوست ہے."

"تم نے انہیں بتایا ہے کہ میں یہاں ہوں؟" — سیف الدین نے پوچھا۔

"ہاں!" — فوزی نے کہا — "میں نے بتا دیا ہے اور وہ اتنے خوش ہیں کہ آپ سے ملنے کی اجازت مانگتے ہیں۔"

"انہیں لے آؤ۔"

☆

داؤد اور حارث سیف الدین کے سامنے گئے۔ فوجی انداز سے سلام کیا اور سیف الدین کے اشارے سے اُس کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے کپڑوں اور چہروں پر گرد ڈال لی تھی اور وہ سانس اس طرح لے رہے تھے جیسے بہت تھکے ہوئے ہوں۔ سیف الدین نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون سے دستے میں تھے۔ حارث چونکہ اُس کی فوج کا سپاہی تھا، اس لیے ان سوالوں کا جواب اُسی نے دیا۔ داؤد کو تو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

"تم اتنے دن کہاں رہے؟" — سیف الدین نے پوچھا۔

"نہیں بتاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہماری فوج کس طرح پسپا ہوئی" — داؤد نے کہا — "ہمیں بھی پسپا ہونا تھا، لیکن میں اسے ساتھ لے کر ایک چٹان پر چھپ گیا اور یہ دیکھنے لگا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تعاقب میں آتی ہے یا کہیں پڑاؤ کرتی ہے۔ میں نے جاسوسی شروع کر دی۔ آپ کو شاید یاد ہوگا کہ آپ نے صلیبی مشیروں سے چھاپہ مار جنگ تیار کرائے تھے۔ میں بھی ایک جتھے میں تھا۔ میں نے گہری دلچسپی سے تربیت حاصل کی تھی۔ جنگ میں یہ تربیت بہت کام آئی۔ جنگ ختم ہو گئی تو میں نے اس تربیت سے فائدہ اٹھایا اور سوچا کہ میں اگر بھاگوں تو اپنی فوج کے لیے دشمن کے کچھ راز بھی لیتا چلوں۔ یہ (حارث) مل گیا۔ اسے میں نے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج پیش قدمی کرتی رہی اور ہم دیکھتے رہے۔ اگر ہمارے ساتھ سات آٹھ سپاہی ہوتے تو ہم شب خون مار مار کر اس فوج کا بہت نقصان کرتے۔۔۔۔

"ہم نے صلاح الدین ایوبی کی فوج کو ترکمان کے علاقے میں پڑاؤ کرتے دیکھا ہے۔ فوج نے خیمے جس طرح گاڑے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے جیسے فوج وہاں لمبے عرصے کے لیے ٹھہرے گی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ ہماری فوجیں گھبرا کر بھاگ آئی ہیں۔ اس سے پوچھیں۔ ہم نے دشمن کی فوج کی جو لاشیں دیکھی ہیں اُن کی تعداد چند سو نہیں چند ہزار ہے اور زخمیوں کا تو کوئی حساب نہیں۔ ہم نے رات کو اُن کی خیمہ گاہ کے قریب جا کر دیکھا ہے۔ اللہ توبہ، زخمیوں کا کراہنا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آدھی فوج زخمی ہے۔ امیرِ محترم! اللہ آپ کا اقبال بلند کرے۔ آپ بہتر جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ ہم آپ کے غلام ہیں جو حکم دیں گے بجا لائیں گے۔ میرا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج لڑنے کے قابل نہیں۔ اگر آپ اپنی فوج فوراً اکٹھی کر کے حملہ کر دیں تو صلاح الدین ایوبی کو آپ دمشق پہنچا سکتے ہیں۔"

سیف الدین داؤد کی رپورٹ دلچسپی سے سُن رہا تھا۔ وہ شکست خوردہ تھا اس لیے وہ ایسی باتیں سننے کو ترس رہا تھا جو اُسے یہ تسکین دیں کہ اُسے شکست نہیں ہوئی اور وہ بھاگا نہیں بلکہ اس کی فوج اور اس کے اتحادی گھبرا کر بھاگے تھے۔ داؤد اُس کی یہ نفسیاتی ضرورت پوری کر رہا تھا۔ یہ اُس کی کمزوری تھی جس کے اثر سے داؤد کی باتیں اُسے ذہنی سکون دے رہی تھیں۔

"ہم موصل جا رہے تھے" — داؤد نے کہا — "اس دوران ہم گاؤں راستے میں پڑتا تھا۔ یہ سوچا کہ گھر والوں سے ملتے چلیں۔ ہم یہاں آئے تو اس کے خسر والد نے بتایا کہ آپ یہاں ہیں۔ یقین نہ آیا۔ آپ کو یہاں دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا کہ آپ یہاں ہیں۔ ہم یہ باتیں آپ تک پہنچانا چاہتے تھے۔ خدا نے ہم پر بڑا ہی کرم کیا ہے۔"

"ہم تمہاری باتیں سُن کر بہت خوش ہوئے ہیں" — سیف الدین نے بادشاہوں کی طرح کہا — "تمہیں اس بہادری کا انعام ملے گا۔"

"ہمارے لیے اس سے بڑا اور انعام کیا ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کی برابری میں بیٹھے آپ کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں" — حارث نے کہا — "ہم آپ کے لیے جانیں دے کر اپنی ماؤں کو خوش کرنے کو بیتاب ہیں۔"

"معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" — داؤد نے پوچھا۔

"وہ دونوں چلے گئے ہیں" — سیف الدین نے کہا — "میں بھی چلا جاؤں گا۔"

"ہم پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ آپ یہاں کیوں رُکے ہوئے ہیں" — حارث نے کہا — "اب کہاں جا رہے ہیں۔ میں آپ سے بہت شرمسار ہوں کہ آپ کو میرے گھر والوں نے اس گندے سے کمرے میں رکھا اور فرش پر بٹھا رکھا ہے۔"

"میری خواہش یہی تھی" — سیف الدین نے کہا — "میں یہیں چند دن گزارنا چاہتا تھا۔ تم کسی کو نہ بتانا کہ میں یہاں ہوں۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" — داؤد نے پوچھا۔

"میں حلب جاؤں گا" — سیف الدین نے جواب دیا — "وہاں سے موصل چلا جاؤں گا۔"

"لیکن آپ اکیلے ہیں" — داؤد بولا — "آپ کے ساتھ کوئی محافظ نہیں۔"

"اس علاقے میں کوئی خطرہ نہیں" — سیف الدین نے کہا — "اکیلا چلا جاؤں گا۔"

"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں" — داؤد نے کہا — "اس علاقے کو دشمن سے خالی نہ سمجھیں۔ جو میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے۔ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار گھوم پھر رہے ہیں۔ کسی نے آپ کو پہچان لیا تو ہم دونوں ساری عمر پچھتاتے رہیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ کیوں نہ چلے گئے۔ اتفاق سے ہم آ گئے ہیں۔ ہمارے پاس گھوڑے ہیں، ہتھیار ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ ویسے بھی کوئی حکمران محافظوں کے بغیر کہیں جاتا اچھا نہیں لگتا۔"

سیف الدین کو محافظوں کی ضرورت تھی۔ وہ تو پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ داؤد نے اُسے اور ڈرا دیا۔ اُس نے انہیں کہا کہ وہ اپنے کپڑے صاف کر لیں اور اگلی رات چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ وہ اندر چلے گئے اور سیف الدین فوزی کا انتظار کرنے لگا لیکن فوزی اُس کے کمرے میں نہ گئی۔ دن کو داؤد اور حارث اس کے لیے کھانا لے گئے۔ اُس کے پاس بیٹھے رہے اور دن گزر گیا۔

☆

جس وقت یہ تین مسلمان حکمران صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے دن سے کچھ

دو صلیبی کمانڈروں اور حکمرانوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ وہ ملک الصالح، گشتگین اور سیف الدین کی متحدہ افواج کی شکست پر غور کر رہے تھے۔ ان میں تقریباً سب سلطان ایوبی کے مقابلے میں آکر شکست کھا چکے تھے۔

"ان تین مسلمان فوجوں کی شکست دراصل ہماری شکست ہے۔" ریمانڈ نے کہا۔ "جہاں تک میں جانتا ہوں صلاح الدین ایوبی کی فوج کی نفری زیادہ نہیں تھی۔"

"مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں۔" ایک مشہور فرانسیسی بادشاہ رینالٹ نے کہا۔ "ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ مسلمان آپس میں ٹکرائیں۔ ان میں سے کسی فریق کو فتح یا شکست ہو۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں اور ایک فریق ہمارے ہاتھ میں کھیلتا رہے۔ ہمارا بدترین اور خطرناک دشمن صلاح الدین ایوبی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے مسلمان بھائی اس کے راستے میں حائل رہیں اور اس کی طاقت ضائع کرتے رہیں۔ اگر اس کے مسلمان حریفوں کی طاقت ضائع ہو رہی ہے تو ہوتی رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر اس کے حریف ہمارے خلاف متحد ہو جائیں۔"

"میں آپ کو مسلمان علاقوں اور حکمرانوں کی پوری کیفیت سناتا ہوں جو ہمارے مشیروں نے بھیجی ہیں۔" ایک کمانڈر نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کی دشمن تینوں فوجوں کی جذباتی حالت یہ ہے کہ سپاہیوں میں لڑنے کا جذبہ خطرناک حد تک کم ہو گیا ہے۔ ان کا جانی نقصان بھی بہت ہوا اور وہ بے شمار اسلحہ اور سامان پھینک آئے ہیں۔ وہ فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ ہم نے انہیں جو مشیر دے رکھے ہیں انہوں نے مسلمان حکمرانوں کو بڑی مشکل سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی حلب، الترکمان کے خوبصورت علاقے میں خیمہ زن ہے۔ وہ فوری طور پر پیش قدمی نہیں کر رہا۔ ہمارے مشیر پوری کوشش کر رہے ہیں کہ حلب، حران اور موصل کی فوجیں خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہوں حملہ کر دیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو بے خبری میں جا لیں گی۔ اسے مارنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔"

"اور یہ طریقہ شاید کامیاب نہ ہو۔" آگسٹس نے کہا۔ "کیونکہ ایوبی بے خبر کبھی نہیں بیٹھا۔ اس کا جاسوسی کا نظام ہر لمحہ بیدار اور سرگرم رہتا ہے۔ اسے آنے والے واقعات اور حملوں کی اطلاع دو دن پہلے مل جاتی ہے۔ ہمارے جو شیر مسلمانوں کے ساتھ ہیں انہیں سختی سے ہدایت دو کہ اپنے جاسوسوں کو اور زیادہ تیز کر دیں اور ان کی تعداد بھی بڑھا دیں۔ انہیں یہ کام دیں کہ تمام علاقوں میں گھومتے پھرتے رہیں اور ایوبی کے جاسوسوں کو پکڑیں۔ جب مسلمان فوجیں حملے کے لیے کوچ کریں تو جاسوس اور چھاپہ مار دستے دور دور بکھر جائیں۔ جہاں کوئی مشکوک آدمی ادھر ادھر جاتا نظر آئے اسے پکڑ لیں.... مسافروں کو بھی روک لیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایوبی کو حملے کی خبر اس وقت ہو جب اس کے مسلمان بھائیوں کے گھوڑے اس کی خیمہ گاہ میں داخل ہو کر اس کی فوج کا کشت و خون شروع کر دیں۔"

"یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ صلاح الدین ایوبی ان علاقوں سے جو اس کے قبضے میں ہیں فوج کے لیے بھرتی کر رہا ہے اور لوگ بھرتی ہو رہے ہیں۔" ایک اور کمانڈر نے کہا۔ "یہ سلسلہ رکنا چاہیئے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے جو ہم پہلے ہی اختیار کر رہے ہیں کہ اس پر جلدی حملہ کرایا جائے تاکہ اسے تیاری کی مہلت نہ ملے۔ دوسرا طریقہ یہ

ہے کہ ان علاقوں میں اخلاقی تخریب کاری کی وہی مہم چلائی جائے جو ہم نے حلب میں چلائی تھی۔ اس سے بہت سے آدمی اور کئی ایک کارآمد اور تجربہ کار لڑکیاں ہاتھ سے جاتی رہیں گی لیکن یہ قربانی تو دینی پڑے گی۔ ہم بھی تو مرتے ہیں مقصد کی خاطر ہمیں خود بھی مرنا ہے اور اپنی اولاد کو بھی مروانا ہے۔ مسلمانوں کے [illegible] ضروری ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ ہم صلاح الدین ایوبی کو اس خطے سے بے دخل نہیں کر سکے۔ اس نے یہاں پاؤں جما لیے ہیں اور یہاں بھی آگیا ہے۔ اس کی یہاں آمد کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ میدان جنگ کا شہسوار ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ اتحاد امت کا علمبردار ہے اور تیسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے سپاہیوں میں قومیت اور مذہب کا جنون پیدا کر رکھا ہے۔ ہمارے خلاف لڑنے والے مسلمان سپاہی اسے فریضہ سمجھتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ چھاپہ مار گوریلوں کی طرح ہماری فوج پر شب خون مارتے ہیں۔ اس جنون اور اس عقیدے کو تباہ نہ کیا گیا تو..."

"ہم نے ہمیشہ انسان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہے جسے فرار اور لذت پرستی کہتے ہیں۔" شاہ آگسٹس نے کہا۔ "جن مسلمانوں کے پاس دولت ہے وہ عثمان بننا چاہتے ہیں۔ ہم نے ان کی اس کمزوری کو استعمال کیا ہے۔ ہمیں کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ایک اور مہم شروع کرنی ہے۔ یہ ہے ایوبی کے خلاف نفرت کی مہم۔ اس کے خلاف انتہائی گھٹیا باتیں مشہور کرو۔ لیکن یہ کام تم نہیں کرو گے بلکہ مسلمانوں کی زبانیں استعمال کی جائیں گی۔ اپنے موافقین اور دشمنوں کو بدنام کرنے کے لیے اپنے کردار، اخلاق کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اپنے مفاد کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ تمہارا دشمن حیثیت رتبے اور شہرت کے لحاظ سے جس قدر بلند ہو اس پر اتنے ہی گھٹیا اور پست الزام عائد کرو۔ سو میں سے پانچ آدمی تو تمہاری بات مان جائیں گے۔"

"اس دوران اپنی جنگی تیاریاں جاری رکھو۔" ایک کمانڈر نے کہا۔ "ہمیں بہت وقت مل گیا ہے۔ آپ نے بہت کامیابی سے مسلمانوں میں حکومت پرستی کا مرض پیدا کر کے انہیں آپس میں ٹکرا لیا ہے۔ اگر ہم مسلمانوں میں اپنے دوست پیدا نہ کرتے تو آج صلاح الدین ایوبی فلسطین میں ہوتا۔ ہم نے اسی کی قوم اس کے راستے میں کھڑی کر دی ہے۔"

"میں حیران ہوں۔" ریمانڈ نے کہا۔ "کہ یہی مسلمان سپاہی ایوبی کی فوج میں ہیں۔ وہ ہمارے دس دس سپاہیوں پر بھاری ہوتے ہیں مگر یہی مسلمان سپاہی ایوبی کے حریفوں کی فوج میں تھے اور ایسی بری شکست کھا کر گر کر بکھرے ہوئے بھاگے۔"

"یہ عقیدے اور نظریے کا کرشمہ ہے جسے سلطان ایمان کہتے ہیں۔" رینالٹ نے کہا۔ "جو سپاہی یہ جذبہ اپنا ایمان نیلام کر دیتا ہے اس میں لڑنے کا جذبہ نہیں رہتا۔ اسے زندگی اور عورت عزیز ہوتی ہے۔ اسی لیے ہم نے کردار کشی کو ضروری سمجھا ہے۔ ان لوگوں میں جنسیت اور نشے کی عادت پیدا کرو، پھر تمہیں سپاہی اور گھوڑے مروانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

اس کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ حلب میں تینوں مسلمان فوجوں کو یکجا کر کے ایک کمان میں رکھا جائے۔ انہیں واجبی سی مدد دی جائے۔ انہیں ایک محاذ پر رکھا جائے لیکن ان تینوں میں تفرقہ بھی پیدا کیا جائے۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ حارث کے گاؤں پر نیند کا غلبہ تھا۔ اُس کے گھر سے تین گھوڑے نکلے۔ ایک پر سیف الدین سوار ہوا۔ دوسرے پر حارث اور تیسرے پر داؤد۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ انہوں نے فوجی انداز سے عمودی پکڑ رکھی تھیں۔ انہیں الوداع کہنے کے لیے حارث کا باپ، بہن اور بیوی دروازے کے باہر کھڑی تھیں۔ حارث کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ سیف الدین فوزی پر نظریں جمائے ہوئے تھا اور فوزی داؤد کو کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے سیف الدین کی اور اپنے بھائی کی بھی موجودگی کو نظر انداز کر دیا تھا۔ "خدا حافظ۔ خدا حافظ" کی آوازیں سنائی دیں اور تینوں سوار چل پڑے۔

گھوڑے تاریکی میں روپوش ہو گئے۔ فوزی اُن کے ٹاپ سنتی رہی۔ جوں جوں ٹاپ دھیمے ہوتے گئے، فوزی کے کانوں میں داؤد کی آواز بلند ہوتی گئی ــــ "ماہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوا کرتی ہیں۔ اُن کی براتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔"

وہ جب اندر جا کر سونے کے لیے لیٹی تو بھی اُس کے گرد داؤد کے یہی الفاظ گونج رہے تھے۔ اچانک یہ سوال اس کے ذہن میں آیا ــــ "کیا میں داؤد کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں؟" ــــ وہ تھرمسا سی ہو گئی، پھر اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ اُسے داؤد کے یہ الفاظ یاد آئے ــــ "راستے میں خون کی ندی بھی ہے جس پر کوئی پُل نہیں" ــــ اُس کے ذہن میں خون برسیں مارنے لگا۔ شادی ایک بیکار سا خیال بن کر ذہن سے نکل گیا۔

سیف الدین اور اُس کے محافظوں نے رات سفر میں گزار دی۔ صبح طلوع ہوئی تو سیف الدین آگے آگے جا رہا تھا۔ داؤد اور حارث اتنا پیچھے تھے کہ اُن کی باتیں سیف الدین کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ گھوڑوں کے قدموں کی بھی آوازیں نہیں۔

"معلوم نہیں تم مجھے کیوں مشکوک سمجھ رہے ہو؟" ــــ حارث نے جھنجھلا کر داؤد سے کہا ــــ "یہاں ہم اسے قتل کر کے لاش کہیں دبا دیں تو کسی کو ہم پر قتل کا شک نہیں ہو سکتا۔"

"اسے زندہ رکھ کر ہم اس کی پوری فوج کو قتل کرا سکیں گے" ــــ داؤد نے کہا ــــ "یہ مر گیا تو اس کی فوج کی کمان کوئی اور لے لے گا۔ مجھے راز معلوم کرنا ہے۔ تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔"

دوپہر سے کچھ پہلے انہیں حلب کے مینار نظر آنے لگے۔ اس سے الگ ہٹ کر المبارک کا سبزہ زار تھا جہاں قدرتی چشمے تھے۔ اس سبزہ کے قریب پہنچے تو سیف الدین کا وہ کمانڈر جو الملک الصالح کے لیے اُس کی ملاقات کا پیغام لایا تھا، دوڑتا آیا۔ اُس نے بتایا کہ الملک الصالح انتظار کر رہا ہے۔ المبارک کے سبزہ زار میں داخل ہوئے تو الملک الصالح کے دو سالار استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ اُس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اُس کے لیے چشمے کے کنارے خیمہ نصب کیا جائے۔ وہ اسی جگہ قیام کرنا چاہتا تھا۔ تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ اُس نے شہر میں الملک الصالح کے محل میں جانا کیوں پسند نہیں کیا تھا۔ اُس نے داؤد اور حارث کو اپنے ساتھ رکھا۔ اُس کے لیے نہایت خوشنما اور کشادہ خیمہ نصب کر دیا گیا۔ ملازم بھی آ گئے اور خیمے نے وہاں محل کا منظر بنا دیا۔ الملک الصالح نے اُسے قلعے میں رات کے کھانے پر مدعو کیا اور وہیں ملاقات طے ہوئی۔

☆

شام کو سیف الدین اور الملک الصالح کی ملاقات ہوئی۔ قاضی بہاؤ الدین شدادؒ نے اپنی یادداشتوں "سلطان یوسف پر کیا اشاد پُنی" (سلطان ایوبی) پر نام سے صلح تھی، اس ملاقات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "آخر کار یہ طے پایا کہ الملک الصالح اور سیف الدین دونوں کی ملاقات ہوں۔ ملاقات خیمے میں ہوئی جہاں الملک الصالح نے سیف الدین کا استقبال کیا۔ سیف الدین نے گرمجوشی سے الملک الصالح کو گلے لگایا اور رو پڑا۔ ملاقات کے بعد سیف الدین اپنے خیمے میں چلا گیا جو چشمہ المبارک کے پاس تھا۔ وہاں اس نے بہت دن قیام کیا۔"

وہ وقائع نگاروں نے جو کوائف قلمبند کیے تھے، وہ اس طرح ہیں کہ سیف الدین نے الملک الصالح سے ملاقات کر کے اس کے پیغام کا جواب نہیں دیا۔ الملک الصالح حیران ہوا۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے دوسرے ہی دن تحریری جواب بھیج دیا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ آپ فکر نہ کریں۔ صلح کا معاہدہ محض دھوکہ ہے جو وقت حاصل کرنے کے لیے سلطان ایوبی کو دیا گیا ہے۔

"مجھے آپ کا کوئی پیغام نہیں ملا" ــــ سیف الدین نے کہا ــــ "میں تو اس پر پریشان تھا کہ آپ نے صلح سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر کے غلطی کی ہے اور ہمیں دھوکہ دیا ہے۔"

الملک الصالح کے ساتھ اس کے دو سالار بھی تھے۔ انہوں نے اسی وقت اُس آدمی کو بلایا جسے پیغام دیا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ قاصد کون تھا۔ قاصد کو بلانے گئے تو معلوم ہوا کہ جس روز وہ پیغام لے کر گیا تھا اُس روز کے بعد کسی کو نظر نہیں آیا۔ اس اطلاع پر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ قاصد کا کچھ پتہ نہ چلا۔ کسی کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ وہ کہیں اکیلا رہتا تھا۔ وہاں اُس کا سامان پڑا تھا، وہ خود نہیں تھا ــــ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا اہم پیغام صلاح الدین ایوبی تک پہنچا دیا گیا ہے۔

یہ معاملہ الملک الصالح کے صلیبی مشیروں تک پہنچا تو انہوں نے یہ فیصلہ دیا ــــ "قاصد صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا، یا سیف الدین کی طرف جاتے ہوئے قاصد ایوبی کے جاسوسوں یا چھاپہ ماروں کے ہتھے چڑھ گیا انہوں نے اُسے قتل کر دیا ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صلاح الدین ایوبی نے جنگی تیاریاں تیز کر دی ہوں گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حملے میں پہل کر دے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تینوں فوجوں کو فوراً اکٹھا کیا جائے اور ایوبی پر حملہ کر دیا جائے۔"

صلیبی یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ جاری رہے۔ ایک ہی دن میں موصل اور حرّان پیغام پہنچ رہے گئے کہ افواج جس حالت میں ہیں حلب پہنچیں۔ حرّان کے امیر گشتگین نے کچھ پس و پیش کی لیکن سب کے درمیان بیٹھ کر وہ کھلی مخالفت نہ کر سکا۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ تینوں افواج ایک ہائی کمانڈ کے تحت ہوں گی اور سپریم کمانڈر سیف الدین ہوگا۔ گشتگین نے اپنی فوج شامل تو کر دی لیکن خود حلب میں رہنا پسند کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ سیف الدین کے ماتحت نہیں رہنا چاہتا۔

دو تین دنوں میں تینوں فوجیں حلب میں جمع ہو گئیں۔ صلیبیوں نے اسلحہ اور سامان بھیج دیا تھا۔ انہوں نے

مزید سامان کا وعدہ کیا اور افواج کو کوچ کرا دیا۔ حملے کا پلان عجلت میں بنایا گیا تھا۔ کوچ کو پوشیدہ رکھنے کے لیے نقل و حرکت رات کو کی گئی۔ دن کو پڑاؤ کرنا تھا۔ اس کے علاوہ یہ انتظام بھی کیا گیا کہ چھاپہ ماروں کی خاصی تعداد کوچ کے راستے دائیں بائیں اس ہدایت کے ساتھ پھیلا دی گئی کہ کوئی مسافر بھی نظر آئے تو اُسے پکڑ کر حلب بھیج دو تاکہ فوج کا کوچ خفیہ رہے۔

کوچ سے پہلے سیف الدین نے داؤد اور حارث کو بلایا۔ انہیں شاباش دی اور کہا کہ انہوں نے مشکل کے وقت میں اُس کا ساتھ دیا ہے۔ جنگ کے بعد انہیں ترقی ملے گی اور انعام بھی۔ اُس نے حارث سے کہا۔ "تمہاری بہن کا میرے سر پر ایک قرض ہے۔ میں اُس کے سامنے اُس وقت جاؤں گا جب میں یہ فرض ادا کرنے کے قابل ہوں گا۔" حارث کو حیرت میں دیکھ کر اس نے کہا۔ "فوزی نے کہا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار لے کر اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر آؤ گے تو میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی.... حارث! میں اگر فاتح واپس آیا تو تمہاری بہن مُوصل کی ملکہ ہوگی۔"

"انشاءاللہ۔" حارث نے کہا۔ "ہم آپ کو فاتح پائیں گے۔ کیا تینوں فوجیں اکٹھی جا رہی ہیں؟"

"ہاں!" سیف الدین نے جواب دیا۔ "اور میں تینوں کا سالارِ اعلیٰ ہوں گا۔"

"زندہ باد!" داؤد نے کہا۔ "اب بھاگنے کی باری صلاح الدین ایوبی کی ہے۔"

داؤد اور حارث نے غلامانہ انداز سے جوشیلی باتیں کر کے اور فوزی کا نام بھی بار بار لے کر اُس سے پلان کا خاکہ بھی معلوم کر لیا اور نقل و حرکت کا انداز بھی پوچھ لیا۔

"تم دونوں اپنی فوج میں چلے جاؤ۔" سیف الدین نے کہا۔ "میرا محافظ دستہ آ گیا ہے۔ میں تم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

☆

تینوں فوجوں کا کوچ رات کو ہوا۔ داؤد اور حارث موصل کی ایک فوج کے جنیش میں شامل ہو گئے تھے۔ حارث کو تو کئی سپاہی جانتے تھے کیونکہ وہ اسی فوج کا تھا۔ داؤد کے متعلق حارث نے بتایا کہ والیٔ موصل کا بھیجا ہوا آدمی ہے۔ کوچ کی حالت میں کسی نے داؤد کے متعلق چھان بین نہ کی۔ رات کو تینوں فوجیں تین کالموں میں چلتی رہیں۔ آدھی رات کے بعد علاقہ چٹانی آ گیا جہاں کئی جگہوں پر کالم کی ترتیب گڈمڈ ہو گئی۔ داؤد نے حارث سے کہا۔ "یہاں سے نکلو، موقعہ اچھا ہے۔"

رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں نے گھوڑے آہستہ آہستہ ایک طرف کرنے شروع کر دیئے اور فوج سے دور ہٹتے گئے۔ داؤد کی سکیم یہ تھی کہ دُور جا کر گھوڑے سرپٹ دوڑا دیں گے۔ دن کو تینوں افواج پڑاؤ کریں گی اور وہ دونوں ترکمان پہنچ جائیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو حملے کی خبر دے دیں گے۔ اس طرح اُسے حملے کی اطلاع ایک دن پہلے مل جائے گی اور وہ دشمن کے استقبال کا انتظام کر لے گا۔ داؤد کو اپنی سکیم کی کامیابی پر مکمل اعتماد تھا مگر اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ارد گرد کے علاقے میں چھاپہ مار اور جاسوس پھیلا دیئے گئے ہیں۔

وہ دولڑ دور دائیں طرف نکل گئے۔ جب دیکھا کہ فوج سے وہ بہت دُور محفوظ فاصلے پر آ گئے ہیں تو انہوں نے ترکمان کا رُخ کر لیا لیکن گھوڑے دوڑائے نہیں، رفتار ذرا سی تیز کر دی۔ وہ گھوڑوں کو تھکانے سے بھی گریز کر رہے تھے کیونکہ انہیں منزل تک دُور کے بلیے پہنچنا تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ صبح کا اجالا نمودار ہوا تو داؤد گھوڑے سے اُترا اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر اُس طرف دیکھنے لگا جدھر افواج جا رہی تھیں۔ اُسے دُور گرد کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہ افواج سے بہت دُور ہیں مگر یہ اُس کی غلطی تھی۔ اُسے کوئی دیکھ رہا تھا۔ نیچے آ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ یہ ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کا علاقہ تھا۔ وہ ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ آگے موڑ تھا۔ وہ موڑ پر پہنچے تو آگے سے چار گھوڑ سوار آ گئے۔ چاروں نے برچھیاں اُن کی طرف کر دیں اور رُک گئے۔

"گھوڑوں سے اُترو۔" گھوڑ سوار نے رعب سے کہا۔

"ہم مسافر ہیں۔" داؤد نے کہا۔

"مسافر موصل کی فوج کی وردی میں نہیں ہوا کرتے۔" گھوڑ سوار نے کہا۔ "مسافروں کے پاس یہ ہتھیار نہیں ہوا کرتے جو تم نے اٹھا رکھے ہیں.... تم جو کوئی بھی ہو تمہیں ہمارے ساتھ حلب چلنا ہوگا۔ ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ گھوڑے موڑو۔"

یہ حلب کے چھاپہ مار تھے جو مشکوک آدمیوں کو پکڑ کر حلب لے جانے کو تمام علاقے میں پھیلا دیئے گئے تھے۔ چاروں سواروں نے ان دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔ داؤد نے حارث سے آہستہ سے کہا۔ "وقت آ گیا ہے بھائی۔" حارث نے اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ گھوڑے نے اگلی دونوں ٹانگیں اُٹھائیں۔ حارث نے ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے جست لگائی۔ حارث نے سامنے والے گھوڑ سوار کے سینے میں برچھی مار دی لیکن اُس کے بائیں جو سوار تھا اُس کی برچھی حارث کے کندھے میں اُتر گئی۔ داؤد تجربہ کار چھاپہ مار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہیں سے گھمایا اور ایک اور سوار کو بے خبری میں لے لیا۔ وہ چار تھے اور یہ دو۔ یہ جگہ گھوڑوں کی لڑائی کے لیے موزوں نہیں تھی۔ دونوں طرف ٹیلے تھے۔ تھوڑی دیر گھوڑے کودتے پھاندتے رہے، برچھیاں ٹکراتی رہیں۔ حارث گھوڑے سے گر پڑا۔ داؤد کو بھی زخم آئے تھے جن میں دو تین گہرے تھے لیکن اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔

آخر چاروں سوار مارے گئے یا شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ داؤد بھی شدید زخمی تھا۔ اُس نے دیکھا کہ معرکہ ختم ہو گیا ہے تو اُس نے حارث کے گھاؤں کا رُخ کر لیا۔ حارث کو دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ مر گیا ہے اور اُسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ خود بھی مر جائے گا لیکن وہ سلطان ایوبی کو حملے سے قبل از وقت خبردار کرنے کے لیے زندہ رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کا خون اتنا زیادہ بہہ گیا تھا کہ اُس کی زین اور گھوڑے کی پیٹھ بھی لال ہو گئی تھی۔ اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ ترکمان دُور ہے اور حارث کا گاؤں نزدیک۔ اُس کی نظر حارث کے باپ پر تھی۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ زندہ پہنچ گیا تو بوڑھے سے کہے گا کہ اپنے شہید بیٹے کی روح کی تسکین کے لیے ترکمان پہنچو اور سلطان ایوبی کو خبردار کر دو۔

اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ گھوڑا جتنا زیادہ ہلتا تھا داؤد کے جسم سے خون اتنا ہی زیادہ نکلتا تھا۔ پیاس سے اُس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ سر کو جھٹک جھٹک کر راستہ دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس نے آیۃ کریمہ کا وِرد شروع کر دیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آسمان کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے کہتا ــــ "زمین و آسمان کے مالک! تجھے اپنے رسولؐ کا واسطہ، مجھے تھوڑی سی زندگی عطا کر دے"۔۔۔ اُس کے نیچے گھوڑا بڑی اچھی چال دوڑتا جا رہا تھا مگر داؤد کے زخم کھلتے جا رہے تھے اور وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کے جوڑ بھی الگ ہو رہے ہوں۔ ایک بار تو اُس کا سر ایسا ڈولا کہ وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا۔ وہ چونک کر سنبھل گیا۔

☆

وہ ایک بار پھر گھوڑے سے گرنے لگا۔ اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر سنبھل نہ سکا۔ اُسے اپنے پاؤں کے نیچے زمین محسوس ہوئی۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا تھا۔ وہ ذرا سا اپنے آپ میں آیا تو اُسے پتہ چلا کہ یہ رات کا اندھیرا ہے اور اُسے کسی نے تھام رکھا ہے۔ اُسے وہ دشمن سمجھ کر آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگا تو اُس کے کانوں میں ایک نسوانی آواز پڑی ــــ "داؤد! تم گھر میں ہو۔ گھبراؤ نہیں"ــــ اُس نے آواز پہچان لی۔ یہ فوزی کی آواز تھی۔ وہ غشی کی حالت میں منزل پہ پہنچ گیا تھا۔ آیۃ کریمہ نے اُسے روح کی روشنی عطا کی تھی۔

"بابا کہاں ہیں؟" اُس نے اندر جا کر پوچھا۔

"وہ باہر چلے گئے ہیں"ــــ فوزی نے کہا ــــ "وہ کل یا پرسوں آئیں گے"

فوزی اور اُس کی بھابی اُس کے زخم دھونے لگیں تو اُس نے پانی مانگا۔ پانی پی کر اُس نے کہا "فوزی! تم نے کہا تھا کہ مردوں کے کام عورتیں بھی کر لیا کرتی ہیں"۔۔۔ وہ رُک رُک کر بڑی مشکل سے بول رہا تھا ــــ "میرے زخم نہ دھوؤ۔ بیکار ہے۔ میرے اندر خون نہیں رہا۔۔۔ میں ٹھیک ہوتا تو برداشت نہ کرتا کہ تمہیں اس گھر سے باہر جانے دیتا مگر یہاں مسئلہ میری اور تیری ذات کا نہیں۔ یہ ایک امانت کا مسئلہ ہے۔ یہ ہمارے رسولِ پاک کی ناموس کا مسئلہ ہے"ــــ اُس نے فوزی کو ترکمان کا راستہ سمجھایا اور اُسے پیغام دیا کہ حلب، حرّان اور موصل کی فوجیں کس طرح مشترکہ کمان میں حملے کے لیے آ رہی ہیں، کدھر سے آ رہی ہیں اور اُن کا پلان کیا ہے۔ اُس نے فوزی کو بتایا کہ اُس کا بھائی اس فرض کی ادائیگی میں شہید ہو گیا ہے۔

فوزی تیار ہو گئی اور اُس کے ساتھ حارث کی بیوی بھی تیار ہو گئی۔ ایک گھوڑا گھر میں تھا، دوسرا داؤد کا تھا۔ فوزی اور اُس کی بھابی داؤد کو اس حالت میں چھوڑ کر جانے سے گھبرا رہی تھیں۔

"فوزی!" داؤد نے نحیف آواز میں کہا "میرے قریب آؤ"۔۔۔ وہ اُس کے قریب آئی تو اُس نے لڑکی کا ہاتھ تھام کر اور مسکرا کر کہا "راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوا کرتی ہیں۔ اُن کی باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔ ہماری شادی کی خوشی میں آسمان پر ستاروں کی چراغاں ہو گی"ــــ اور اُس کا سر ایک طرف لڑھک گیا۔ فوزی نے اُسے بلایا مگر اُس کی بارات کہکشاں کے راستے چل پڑی تھی۔

فوزی کو داؤد سب کچھ بتا کر شہید ہوا تھا۔ فوزی اور اُس کی بھابی نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑے پر زین ڈالی اور اُس پر فوزی کی بھابی سوار ہو گئی۔ فوزی نے داؤد کے گھوڑے کو پانی پلایا اور سوار ہو گئی۔ زین پر خون کی تہہ جمی ہوئی تھی۔۔۔۔ دونوں گھوڑے گاؤں سے نکل گئے۔ دونوں لڑکیاں اللہ کے بھروسے پر جا رہی تھیں۔ اس راستے سے وہ واقف نہیں تھیں۔ داؤد نے فوزی کو ایک نشانہ سمجھا دیا تھا۔ وہ اس نشانے کی رہنمائی میں چلتی گئیں۔

اُدھر تینوں افواج دن بھر قیام کر کے رات کو چل پڑی تھیں۔ ترکمان زیادہ دور نہیں تھا۔ سلطان ایوبی ترکمان میں آنے والے طوفان سے بے خبر تھا۔ اُس نے دیکھ بھال کا انتظام کر رکھا تھا مگر اُس کے دشمن نے بھی اب کے اچھے انتظامات کیے تھے۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں کو بتا دیا تھا کہ ترکمان کے قریب نہیں سلطان ایوبی کے ایسے آدمی ملیں گے جو دیہاتی لباس میں یا خانہ بدوشوں کے بھیس میں ہوں گے اور وہ دیکھ بھال کر رہے ہوں گے۔ موٴرخ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کا اس طوفان سے بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کا بے خبری میں دبوچے جانا یقینی تھا۔ اپنے سالاروں سے وہ کہہ رہا تھا کہ حلب، حرّان اور موصل والے اتنی جلدی حملہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے حالانکہ اُسے سیف الدین کی طرف الملک الصالح کا بھیجا ہوا پیغام مل گیا تھا۔

فوزی اور اُس کی بھابی پر جیسے دیوانگی طاری تھی۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں رہا تھا کہ وہ مسنوعات میں اور اُن کے راستے میں کیسے کیسے خطرے ہیں۔ رات انہوں نے گھوڑوں پر گزار دی۔ صبح کا نور پھیلنے لگا تو وہ ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ فوزی نے ایک چٹان کے سہارے ایک آدمی کو بیٹھے دیکھا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ اُس کا سر ڈھلک گیا تھا۔ فوزی نے اپنی بھابی سے کہا کہ کوئی زخمی معلوم ہوتا ہے لیکن رُکیں گے نہیں۔ معلوم نہیں کون ہے۔ انہیں اُس کے قریب سے گزرنا تھا۔ وہ آدمی اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گھوڑے قریب گئے تو فوزی نے چیخ کر کہا ــــ "حارث"ــــ اور وہ گھوڑے سے کود گئی۔

وہ حارث تھا۔ وہ شہید نہیں ہوا تھا لیکن اُس کا زندہ رہنا بھی معجزہ تھا۔ اُس کے جسم پر برچھیوں کے بہت سے زخم تھے۔ لڑکیوں نے گھوڑوں کے ساتھ پانی کے چھوٹے چھوٹے مشکیزے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے حارث کو پانی پلایا۔ اُسے ذرا سا ہوش آیا تو اُس نے پوچھا ــــ "میں گھر میں ہوں؟ داؤد کہاں ہے؟"

فوزی نے اُسے ساری بات بتا دی اور بتایا کہ وہ اِس وقت کہاں ہیں اور کدھر جا رہی ہیں۔ حارث نے کہا ــــ "مجھے گھوڑے پر ڈال لو اور ترکمان کی طرف گھوڑے دوڑا دو"

دونوں لڑکیوں نے اُسے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ فوزی اُس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ حارث روح کی قوت سے زندہ تھا ورنہ اُس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہیں بچا تھا۔ یہ فرض کی لگن کا کرشمہ تھا۔ فوزی نے اُس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا رکھی تھی اور اُسے ایک بازو سے پکڑا ہوا تھا۔ وہ سرگوشیوں میں فوزی کو راستہ بتا رہا تھا۔

سلطان ایوبی کی دشمن افواج سیف الدین کی کمان میں ترکمان کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ اِدھر فوزی، حارث

اور حارث کی بیوی ایک محفوظ سمت سے ترکمان کی طرف جا رہی تھیں۔ افق سے آسمان گہرا بادامی ہوتا جا رہا تھا اور یہ رنگ اوپر ہی اوپر اٹھتا جا رہا تھا۔ فوزی کی بھابھی نے افق کی طرف دیکھا تو اس نے گھبرا کر اور چلا کر کہا ــــ

"فوزی۔ اُدھر دیکھو" ــــ حارث نے سرگوشی کی ــــ "کیا ہے فوزی؟"

"آندھی" فوزی نے کہا اور اس کے دل پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

اس خطے کے لوگ اِن آندھیوں سے واقف تھے۔ یہ علاقہ بے شک چٹانی تھا لیکن کچھ حصّے ریتیلے تھے اور ارد گرد ریگزار تھا۔ آندھی جب آتی تھی تو چٹانوں کو، بیت میں دفن کر جاتی تھی۔ انسانوں اور جانوروں کے لیے یہ قیامت ہوتی تھی، لیکن یہ جو آندھی آ رہی تھی وہ اس خطے کی چند ایک بھیانک آندھیوں میں سے ایک تھی اور اس آندھی نے تاریخی حیثیت حاصل کر لی۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے اپنی انگریزی کتاب "گوریلا وارفیئر" میں چند ایک یورپی مؤرخوں اور مسلمان وقائع نگاروں کے حوالے دے کر لکھا ہے ــــ "جس روز الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین کی متحدہ افواج سلطان صلاح الدین ایوبی پر بے خبری میں حملہ کرنے کے لیے ترکمان کے قریب پہنچ گئیں تو ایسی آندھی آئی کہ اپنی ناک سے ایک بالشت آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ سلطان ایوبی کو معلوم نہیں تھا کہ اس آندھی میں اُس پر ایک اور طوفان آ رہا ہے۔"

تاریخ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ متحدہ افواج نے سلطان ایوبی پر حملہ کرنے میں تاخیر کر دی جو سالارِ اعلیٰ کی لغزش تھی، لیکن راہِ حق کے مسافروں کی مدد خدا کیا کرتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ خدائے ذوالجلال نے دو مسلمان لڑکیوں کے جذبۂ حریت کی لاج رکھ لی تھی۔ ایک بہن اپنے زخمی بھائی کو سینے سے لگائے مجاہدینِ اسلام کو کفر کی یلغار سے خبردار کرنے کو دوڑی جا رہی تھی۔ اُسے کوئی غم نہ تھا کہ اُس کا بھائی مر رہا ہے۔

آندھی اتنی تیزی سے آئی کہ کسی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ ملا۔ متحدہ افواج چٹانوں کی اوٹ میں بکھر کر پناہ گزین ہوئیں۔ گھوڑے اور اونٹ بے لگام ہو گئے۔ کمانڈروں کو اطمینان تھا کہ آندھی گزر جائے گی اور فوجوں کو منظم کر لیا جائے گا، مگر آندھی کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔

☆

سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کی بھی حالت بہت بُری تھی۔ خیمے اُڑ رہے تھے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں، اور اونٹوں نے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ ریت کی بوچھاڑوں کے ساتھ کنکریاں اور ریزے جسموں میں داخل ہوتے محسوس ہوتے تھے۔ چیخیں ایسی جیسے بدروحیں اور چڑیلیں چیخ رہی ہوں۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا مگر پتہ چلتا تھا کہ سورج کو بھی آندھی اڑا لے گئی ہے۔ کمانڈر چلاتے پھر رہے تھے۔ سپاہی اُڑتے خیموں کو سنبھالتے، گرتے، اور اُٹھتے تھے۔

تین چار سپاہی ایک چٹان کی اوٹ میں دبکے بیٹھے تھے۔ ایک گھوڑا جو آہستہ آہستہ چل رہا تھا اُن پر چڑھ گیا۔ سپاہیوں نے اِدھر اُدھر گرتے چلّا چلّا کر کہا ــــ "گھوڑا روکو بدبخت۔ کہیں اوٹ میں ہو جاؤ" ــــ گھوڑا رُکا تو ایک سپاہی نے اپنے ساتھیوں سے کہا ــــ "کچھ اور نہ کہنا، عورت ہے" ــــ ایک اور نے کہا ــــ "یہ دو عورتیں ہیں"۔

وہ فوزی اور اُس کی بھابھی تھیں۔ سپاہیوں نے یہ سمجھ کر کہ آندھی میں راستہ بھٹک کر اِدھر آ نکلی ہیں، اُن کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور انہیں چٹان کی اوٹ میں کرنے لگے۔

"ہمیں سلطان تک پہنچاؤ" فوزی نے آندھی کی چیخوں میں چلّا کر کہا ــــ "سلطان صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟ ہم بہت ضروری پیغام لے کر آئی ہیں ورنہ سب مارے جائیں گے"

سپاہیوں نے گھوڑے پر ایک لہولہان زخمی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑیں اور بڑی ہی مشکل سے سلطان ایوبی کے خیمے تک پہنچے مگر وہاں کوئی خیمہ نہیں تھا۔ خیمہ اڑ گیا تھا۔ ایک کمانڈر نے دیکھ لیا اور لڑکیوں کو سلطان ایوبی تک لے گیا۔ سلطان ایک محفوظ چٹان کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔ اُس کی حفاظت کے لیے تلواریں تان دی گئی تھیں۔ لڑکیوں کو دیکھ کر سلطان ایوبی تیزی سے اُٹھا۔ سب سے پہلے حارث کی بھابھی گھوڑے سے اتاری گئی۔ وہ بھی زندہ تھا۔ لڑکیاں گھوڑوں سے اتریں اور تیزی سے بولتے ہوئے فوزی نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ متحدہ فوج کے لیے آگئی ہے۔ حارث نے سرگوشیوں میں ضروری باتیں بتائیں اور وہ بولتے بولتے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

اس سے کچھ دیر بعد آندھی کا زور ٹوٹنے لگا۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بلایا اور حکم دیا کہ خیمے سنبھالنے کی ضرورت نہیں۔ سپاہیوں کو خیموں اور دستوں میں اکٹھا کرو۔ چاپہ مار دستے فوراً بھیجو۔ اُس نے سالاروں کو بتایا کہ کیا ہونے والا ہے اور رات کے اندر اندر کیا کیا نقل و حرکت کرنی ہے۔

آندھی کا زور کچھ اور کم ہو گیا لیکن رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ سیف الدین کی متحدہ افواج اپنے آپ کو سنبھالنے میں مصروف ہو گئیں۔ بہت سے سپاہی سو گئے۔ رات کا حملہ اس بدنظمی کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا۔ جانور بھی اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد افواج پر نیند کا غلبہ طاری ہو گیا۔ سلطان ایوبی کا کیمپ بھی ایسا تھا اور وہاں بے پناہ سرگرمی تھی۔ سیف الدین کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اُس کے دائیں اور بائیں سے دو تین میل دُور اُس فوج کا حصہ گزرتا جا رہا ہے جسے وہ بے خبری میں تباہ کرنے آیا تھا۔

☆

صبح طلوع ہوئی۔ متحدہ افواج بُری طرح بکھری ہوئی تھیں۔ رسد اُڑ گئی تھی۔ جن گھوڑوں نے منہ زور ہو کر سپاہیوں کو کچل ڈالا تھا۔ افواج کو عجلت سے منظم کیا گیا۔ آدھے سے زیادہ دن اسی میں گزر گیا۔ سیف الدین نے تینوں افواج کے سالاروں کو حکم دیا کہ چونکہ سلطان ایوبی بے خبر ہے اس لیے سامنے سے کھلا حملہ کر دیا جائے۔

دن کے پچھلے پہر حملہ کیا گیا۔ دائیں بائیں چٹانیں اور سرسبز ٹیلے تھے۔ ان سے حملہ آوروں پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ سامنے سے آگ کے گولے آنے لگے۔ آتش گیر مادے کی ہانڈیاں گرتی اور پھٹتی تھیں۔ سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔ اس پر جب منجنیقوں کے پھینکے ہوئے آگ کے گولے گرتے تھے تو زمین مہیب شعلے اگلتی تھی۔ حملہ رُک گیا۔ سیف الدین نے افواج کو پیچھے ہٹا لیا اور حملے کی ترتیب اور سکیم بدل دی مگر اُس کی افواج پیچھے نہیں تو عقب سے اُن پر ایسا شدید اور تیز حملہ ہوا کہ افواج کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہ حملہ سلطان ایوبی کے اپنے مخصوص شاہی کا تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد تھوڑی تھی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ سواروں کی برچھیاں اور تلواریں چلیں اور وہ غائب ہو گئے۔

ایسے ہی حملے پہلوؤں پر ہوئے۔ سیف الدین کی مرکزی کمان ختم ہوگئی۔ رات آئی۔ حملے رات کو بھی جاری رہے۔ سیف الدین اور بچے ہٹا تو اُس پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار رات بھر سرگرم رہے۔ صبح ابھی دُھندلی تھی جب سلطان ایوبی نے ایک چٹان پر چڑھ کر میدانِ جنگ کی کیفیت دیکھی۔ اُس کے سامنے اب جنگ کا آخری مرحلہ تھا۔ اُس نے قاصد کو اپنے ریزرو دستوں کے کمانڈر کی طرف دوڑا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سرپٹ دوڑتے گھوڑوں نے زمین ہلا ڈالی۔ پیادہ دستے دائیں اور بائیں سے نکلے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے آسمان پھٹنے لگا۔

سیف الدین کی افواج اس قابل نہیں رہی تھیں کہ اس حملے کی تاب لاسکتیں۔ گھیرا بھی تھا اور گھیرا مکمل تھا۔ سامنے سے شدید حملہ آگیا۔ سیف الدین کی افواج کا جذبہ تو ختم ہو ہی چکا تھا خود سیف الدین دل چھوڑ بیٹھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ کمان اُس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور افواج لڑنے کے قابل نہیں رہیں۔ سوار زخمی سپاہیوں کو روند رہے تھے۔ آخر انہوں نے فرداً فرداً ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ سلطان ایوبی کی وہ فوج جو سیف الدین کے عقب میں تھی آگے آرہی تھی۔ دائیں بائیں سے چھاپہ مار ہلّے پہ ہلّا بول رہے تھے۔ سیف الدین کی افواج شکنجے میں پس گئیں۔

سیف الدین کے مرکز تک پہنچے تو وہاں تربت کی صراحیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہاں سے جو قیدی پکڑے گئے، انہوں نے بتایا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ آخری بار ایک چٹان کی اوٹ میں دیکھا گیا تھا پھر نظر نہیں آیا۔ اُسے سلطان ایوبی کے حکم سے بہت تلاش کیا گیا مگر وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ وہ نکل گیا تھا۔ اپنی افواج کو سلطان ایوبی کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وہ بھاگ گیا تھا۔

رات ایک خیمے میں جو ترکمان کے سبزہ زار میں خاص طور پر نصب کیا گیا تھا فوزی اپنے بھائی کی لاش کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی ــــ "میں نے خون کی ندی پار کرلی ہے جس پر کوئی پُل نہیں ہوتا۔ حارث! میں نے تمہارا فرض ادا کر دیا ہے۔"

سلطان ایوبی اُس خیمے میں داخل ہُوا تو فوزی نے پوچھا ــــ "سلطان! کیا خبر ہے؟ میرے بھائی کا خون رائیگاں تو نہیں گیا؟"

"اللہ نے دشمن کو شکست دی ہے۔ تم فاتح ہو میری عزیز بچی! تم ...." اور سلطان ایوبی کی آواز رقت میں دب گئی۔ اُس کے آنسو بہہ نکلے۔

☆

جانباز جنات اور جذبات

ترکمان کا معرکہ ختم ہو چکا تھا یا سلطان صلاح الدین ایوبی کے کم از کم اُن نائب سالاروں اور کمانڈروں کی نگاہ میں یہ معرکہ ختم ہو چکا تھا جنہوں نے الملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کی متحدہ افواج کو اُن کی توقعات کے خلاف بے ترتیب اور بزدلانہ پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی کے فاتح کمانڈروں کے سامنے دشمن کی لاشیں پڑی تھیں، زخمی تڑپ رہے تھے، منہ زور گھوڑے اور زخمی گھوڑے اور اونٹ زخمیوں اور لاشوں کو کچل رہے تھے۔ دشمن کے جو سپاہی بھاگ نہیں سکے تھے وہ ہتھیار پھینک کر الگ جمع ہونے جا رہے تھے۔ بے انداز تلواریں، ڈھالیں، برچھیاں، کمانیں، تیروں سے بھرے ہوئے ترکش، خیمے، فوجیوں کا ذاتی سامان جس میں نقدی اور قیمتی اشیاء بھی تھیں، دور دور تک بکھری ہوئی تھیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اُس مقام پر کھڑا تھا جو اُس کے دشمن اتحادیوں کے سپریم کمانڈر سیف الدین غازی کا ہیڈ کوارٹر اور اس کی رہائش گاہ تھی۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سیف الدین اپنی افواج کو بکھرتا اور سلطان ایوبی کی فوج کو یقینی فتح کی طرف بڑھتا دیکھ کر کسی کو بتائے بغیر بھاگ گیا تھا۔ اُس کا فرار خفیہ تھا اور شرمناک بھی۔ اُس کے ساتھ اُس کے حرم کی منتخب لڑکیاں تھیں، ناچنے گانے والیاں اور اُن کے سازندے تھے، سونے کے سکوں اور دیگر نقدی کی بوریاں بھری ہوئی تھیں۔ یہ رقم افواج کی تنخواہ تھی اور یہ سلطان ایوبی کے آدمیوں کو خریدنے کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی۔ سیف الدین کی یہ رہائش گاہ دلکش کپڑوں کے خیموں، قناتوں اور شامیانوں سے بنی تھی۔ یہ کپڑے کی دیواروں اور چھتوں کا محل تھا۔ اُس دور کے جنگ جو حکمران ایسے محل اور تمام تر آسائشیں اور عشرت کا سامان ساتھ رکھتے تھے۔ سیف الدین بھی انہی حکمرانوں میں سے تھا۔ اُس نے شراب کی صراحیاں، رنگا رنگ پیالے اور مٹکے بھی ساتھ رکھے ہوئے تھے۔

سلطان ایوبی کپڑوں کے اس دلفریب محل کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظر پلنگ پر پڑی۔ وہاں تلوار پڑی تھی۔ سیف الدین ایسا بوکھلا کر بھاگا تھا کہ تلوار ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے تلوار اٹھالی۔ نیام سے نکالی۔ تلوار چمک رہی تھی۔ سلطان ایوبی اس تلوار کو دیکھتا رہا۔ اپنے ساتھ کھڑے دو سالاروں کی طرف دیکھ کر اس نے کہا ــــ "مسلمان کی تلوار پر جب عورت اور شراب کا سایہ پڑ جاتا ہے تو یہ لوہے کا بیکار ٹکڑا بن جاتی ہے۔ اس تلوار کو فلسطین فتح کرنا تھا مگر صلیب نے اسے اپنے گناہوں میں ڈبو کر اپنی طرح لکڑی کا ڈنڈا بنا ڈالا ہے۔ جو تلوار

شراب سے بھیگ جائے وہ لہو کے رنگ سے محروم رہتی ہے۔"

اس سے ملحق ایک وسیع اور خوشنما خیمے میں جوان، حسین اور نیم عریاں لڑکیاں ڈری سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ انہیں اپنا انجام کچھ اور نظر آرہا تھا۔ فاتح فوج کے قبضے میں آکر وہ جانتی تھیں کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ ایسی دلکش لڑکیوں کو دیکھ کر کون درندہ نہیں بن جاتا لیکن انہیں جب سلطان ایوبی کا یہ حکم سنایا گیا کہ وہ آزاد ہیں اور وہ جہاں جانا چاہیں بتادیں تاکہ وہاں تک انہیں حفاظت اور عزت سے بھیجا جاسکے تو وہ اور زیادہ خوفزدہ ہوگئیں۔ انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا گیا۔ سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں عورت کے وجود کو برداشت نہیں کیا کرتا تھا۔ اُن لڑکیوں سے پوچھا گیا کہ اُن کی تعداد کتنی تھی تو انہوں نے بتایا کہ ان میں سے دو لاپتہ ہیں۔ ان کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ وہ مسلمان نہیں تھیں اور وہی دو سیف الدین پر چپائی رہتی تھیں۔ یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ سیف الدین کے ساتھ بھاگ گئی ہیں۔

اُس دور کی جنگوں میں عموماً یوں ہوتا تھا کہ جنگ ختم ہوتے ہی فاتح فوج مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑتی تھی۔ زیادہ تر فوجی شکست خوردہ فوج کے اعلیٰ کمانڈر کی رہائش گاہ یعنی مرکز پر دھاوا بولتے تھے کیونکہ وہاں خزانہ، شراب اور عورتیں ہوتی تھیں۔ ایک طوفانی ہڑبونگ اور بعض اوقات دنگا فساد برپا ہوجاتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے احکام سخت تھے۔ کسی افسر کو بھی اُس کا عہدہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو، اجازت نہیں تھی کہ مالِ غنیمت کو ہاتھ لگائے۔ مالِ غنیمت سمیٹنے اور ایک جگہ جمع کرنے کا کام کسی ایک دستے کے سپرد کیا جاتا تھا۔ اُس کی تقسیم سلطان ایوبی خود کرتا تھا۔ ترکمان کے معرکے کے بعد سلطان ایوبی نے مالِ غنیمت کے متعلق کوئی حکم نہ دیا۔ اُس نے اپنے اور دشمن کے زخمیوں کو اٹھانے، مرہم پٹی کرنے اور جنگی قیدیوں کو الگ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں نظم و نسق اور ڈسپلن کی سختی سے پابندی کراتا تھا۔ اس معرکے میں دشمن بے ترتیبی سے بھاگا تھا۔ سلطان ایوبی کے بعض دستوں نے تعاقب بھی کیا تھا لیکن اُس کی ٹریننگ ایسی تھی کہ تعاقب میں بھی دستے اور جیش ترتیب میں اور ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے۔ سلطان ایوبی نے تعاقب نہ کیا اور دائیں اور بائیں پہلو کو اسی طرح تیار رکھا تھا جس طرح جنگ سے پہلے تھے۔ حملے میں اُس نے دوسرے دستے، چھاپہ مار اور ریزرو کی کچھ نفری استعمال کی تھی۔ معرکہ ختم ہونے کے بعد بھی اُس نے پیشتر دستوں کو سمیٹا نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے محفوظہ (سٹرائیک فورس) کو فوراً واپس بلا کر اُسے اپنی کمان میں لے لیا تھا۔

"دشمن کے ساز و سامان اور جانوروں وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟" ایک سالار نے سلطان ایوبی سے پوچھا اور کہا۔ "لڑائی ہمارے حق میں ختم ہوچکی ہے۔"

"میں ابھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ میرے سبق اتنی جلدی بھول نہ جایا کرو۔ ہم نے دشمن کی مرکزیت اور جمعیت کو بکھیرا ہے۔ کیا ہمارے کسی دستے نے اس کے پہلوؤں پر حملہ کیا تھا؟.... نہیں کیا تھا۔ مجھے شک ہے کہ اس کے دونوں نہیں تو ایک پہلو محفوظ ہے۔ وہ آخر

تین فوجیں تھیں۔ اُن کے سالار میدان فرار ہوسکتے ہیں ایسے اناڑی نہیں ہوسکتے کہ اُن کے جو دستے لڑائی میں شامل نہیں ہوئے انہیں وہ جوابی حملے کے لیے استعمال نہ کریں۔ ہوسکتا ہے اُن کا محفوظہ بھی محفوظ اور تیار ہو۔"

"اُن کی مرکزی کمان ختم ہوچکی ہے سلطان محترم!" سالار نے کہا۔ "انہیں حکم دینے والا کوئی نہیں رہا۔"

"صلیبیوں کا خطرہ بھی ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "گو مجھے کسی طرف سے بھی اطلاع نہیں ملی کہ صلیبی فوج کہیں قرب و جوار میں موجود ہے لیکن یہ علاقہ چٹانی ہے۔ یہاں ٹیلے اور وسیع نشیب بھی ہیں۔ بعض جگہوں پر جنگل بھی ہیں اور کچھ حصہ ریگستانی بھی ہے۔ نظر دور تک نہیں دیکھ سکتی۔ دشمن اور سانپ پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ سنتے سنتے ڈنک مار دیتا ہے۔ مجھے سیف الدین کے سالار مظفر الدین کی کوئی خبر نہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ مظفر الدین اتنی آسانی سے بھاگنے والا سالار نہیں۔ میں اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔ دستوں کو یکجا کرلو.... مظفر الدین اگر میرے سبق بھول نہیں گیا تو وہ مجھ پر ایک جوابی حملہ تو ضرور کرے گا۔"

☆

سلطان ایوبی کا خطرہ بے بنیاد نہیں تھا۔ آپ نے قرونِ حماۃ کی جنگ میں سیف الدین کے ایک سالار مظفر الدین بن زین الدین کا ذکر پڑھا ہے۔ مظفر الدین سلطان ایوبی کی فوج میں سالار رہ چکا تھا اور اُس کی مرکزی کمان میں اُس کے ساتھ بھی رہا تھا۔ اس لیے اُسے اچھی طرح علم تھا کہ سلطان ایوبی جنگی منصوبہ کن عناصر کو سامنے رکھ کر تیار کرتا اور میدانِ جنگ میں اس میں کس طرح ردوبدل کرتا ہے۔ مظفر الدین کچھ تو ذہنی لحاظ سے پیدائشی جنگجو تھا، زیادہ تر تربیت سلطان ایوبی سے حاصل کی، اس لیے اس میں وہ جوہر تھے جو اُسے میدانِ جنگ سے منہ نہیں موڑنے دیتے تھے۔ وہ سیف الدین کا قریبی رشتہ دار (غالباً چچا زاد بھائی) تھا۔ جب سلطان ایوبی مصر سے دمشق آیا اور مسلمان امراء اُس کے خلاف صف آرا ہوگئے تو مظفر الدین سلطان ایوبی کو بتائے بغیر اس کی فوج سے نکل کر اس کے دشمن کیمپ میں چلا گیا تھا۔

ترکمان کے اس معرکے سے پہلے قرونِ حماۃ کے معرکے میں مظفر الدین نے سلطان ایوبی کے پہلو پر ایسا شدید حملہ کیا تھا جس کا مقابلہ سلطان ایوبی نے پیادہ دستوں کی قیادت اپنے ہاتھ لے کر کیا تھا۔ ابنِ شداد بہاء الدین شداد کی تحریر کے مطابق، اگر سلطان ایوبی خود قیادت نہ کرتا تو مظفر الدین جنگ کا پانسہ پلٹ دیتا۔ سلطان ایوبی مظفر الدین کو فنِ حرب و ضرب کا استاد مانتا تھا۔ اب ترکمان میں اُسے جاسوسوں نے اس کے متحدہ دشمنوں کی افواج کے متعلق جو معلومات دی تھیں اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ مظفر الدین بھی ان افواج کے ساتھ ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ قلب میں ہے، دائیں ہے، بائیں ہے یا محفوظہ کا سالار ہے۔ سلطان ایوبی نے چند ایک جنگی قیدیوں سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔ انہوں نے یہ تصدیق تو کردی تھی کہ مظفر الدین لشکر کے ساتھ ہے مگر یہ کسی کو علم نہیں تھا کہ کہاں ہے۔

"ہوسکتا ہے قیدیوں نے اس پر پردہ ڈال لیا ہو کہ مظفر الدین کہاں ہے۔" سلطان ایوبی نے اپنے

سالاروں سے کہا۔ "میں تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ لڑے بغیر بھاگ گیا ہوگا۔ وہ میرا شاگرد ہے۔ میں اس کی جنگی اہلیت سے بھی واقف ہوں اور اُس کی فطرت سے بھی۔ وہ حملہ کرے گا۔ اگر اُسے یقین ہُوا کہ وہ شکست کھا جائے گا پھر بھی وہ حملہ کرے گا۔ اُسے حملہ کرنا چاہیے، ورنہ مجھے مایوسی ہوگی۔"

"صلاح الدین ایوبی یہ نہ کہے کہ مظفرالدین بھی بھاگ گیا ہے۔" یہ آواز سیف الدین کے سالار مظفرالدین کی تھی جو ترکمان کے میدانِ جنگ سے دو اڑھائی میل دُور سنائی دے رہی تھی ــــ "میں لڑے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

اُس وقت جب سلطان ایوبی سیف الدین کے رہائشی خیموں میں کھڑا تھا، سیف الدین کا کوئی کمانڈر یہ پیغام لے کر مظفرالدین کے پاس پہنچا تھا کہ سلطان ایوبی کو کسی طرح قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ اُس پر حملہ آ رہا ہے اس لیے ہم دھوکے میں آ گئے۔ اب یہاں لڑنا بیکار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بھی واپس چلے جاؤ اور اپنے دستوں کو کسی اور بہتر جگہ لڑانے کے لیے بچا کر لے جاؤ۔ سیف الدین نے اُس پیغام میں اپنے متعلق بتایا تھا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر میدانِ جنگ سے جا رہا ہے۔

"ہم آپ کا ہر حکم بجا لائیں گے۔" مظفرالدین کے ایک نائب سالار نے اُسے کہا۔ "لیکن اس حالت میں جبکہ ہماری فوج کے لڑنے والے حصے مارے گئے، زخمی یا قیدی ہو گئے یا بھاگ گئے ہیں، اس تھوڑی سی فوج سے جوابی حملہ کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔"

"میں اِن دستوں کو ناکافی نہیں سمجھتا جو میرے پاس ہیں۔" مظفرالدین نے کہا ــــ "یہ اُس فوج کا ایک چوتھائی ہیں جو ہم ساتھ لائے تھے۔ سلطان ایوبی اس سے بھی کم نفری سے لڑتا اور کامیاب ہُوا کرتا ہے۔ میں اُس کے پہلو پر حملہ کروں گا۔ میں اب اُسے وہ چال نہیں چلنے دوں گا جو اُس نے قرونِ حماۃ میں چلی تھی۔ تم سب حملے کے لیے تیار رہو۔"

"عالی مقام سیف الدین غازی والیٔ موصل تین فوجوں کی نفری سے ہار گئے ہیں۔" نائب سالار نے کہا ــــ "میں اپنے مشورے کو دہراؤں گا کہ اس تھوڑی سی نفری سے حملہ کرنا اسے مروانے والی بات ہے۔"

"میدانِ جنگ میں اپنے حرم اور شراب کے مٹکے ساتھ رکھنے والوں کے پاس تین کی بجائے دس فوجیں ہوں تو بھی اُن کا انجام یہی ہوتا ہے جو والیٔ موصل سیف الدین کا ہُوا ہے۔" مظفرالدین نے کہا۔ "میں بھی شراب پیتا ہوں لیکن یہاں پانی بھی نہ ملے تو میں پرواہ نہیں کرتا۔ سلطان ایوبی مجھے ایمان فروش اور غدار کہتا ہے لیکن میں اس لیے اُس سے لڑنے سے منہ نہیں موڑوں گا کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ دو سالاروں کی ٹکر ہوگی۔ یہ دو پہلوانوں کا دنگل ہوگا۔ یہ دو تیغ زنوں کا مقابلہ ہوگا۔.... اپنے دستوں کو تیار کرو اور یاد رکھو، صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کی نظریں زمین کے نیچے بھی دیکھ سکتی ہیں۔ اپنے دستوں کو آج رات اور پرسوں دن بھر دُور دُور تک اپنے آدمی چھوڑ دو۔ وہ جسے مشکوک حالت میں گھومتا پھرتا دیکھیں اُسے پکڑ لائیں۔"

اُس نے ایک جگہ منتخب کر لی تھی جہاں دستوں کو چھپایا جا سکتا تھا۔ حملے کے لیے اُس نے کوئی دن

اور وقت مقرر نہ کیا۔ اپنے نائب سالاروں سے کہا۔ "سلطان ایوبی میں لومڑی کی چالاکی اور خرگوش کی پھرتی ہے۔ مجھے میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اُس نے ابھی مالِ غنیمت سمیٹنا نہیں اور اُس نے اپنی فوج کے بیلوں کو بھی نہیں ہٹایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پیش قدمی نہیں کرے گا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمارے جوابی حملے کا خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں، وہ کس انداز سے سوچا کرتا ہے۔ میں اُسے یہ دھوکہ دوں گا کہ ہم سب بھاگ گئے ہیں اور اب حملے کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ یہ قتل و قیام و فراست کی جنگ ہوگی۔ وہ دو دنوں سے زیادہ انتظار نہیں کرے گا۔ اس کی طرح میں بھی اپنے جاسوسوں کو اس کی نقل و حمل دیکھنے کے لیے استعمال کروں گا۔ جونہی وہ مالِ غنیمت سمیٹنے لگے گا اور اس کی توجہ دائیں بائیں سے ہٹ جائے گی، ہم اس کے پہلو پر حملہ کر دیں گے۔"

یہی وہ خطرہ تھا جسے سلطان ایوبی محسوس کر رہا تھا۔

☆

سیف الدین کے لشکر پر جس طرح سلطان ایوبی نے بے خبری میں اس کی توقعات اور اس کے خوابوں کے خلاف حملہ کیا تھا اس کی تفصیلات پچھلی قسطوں میں سنائی جا چکی ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ سلطان ایوبی نے ایک تو اپنے دستے سیف الدین کی فوج کے دائیں بائیں سے اس کے عقب میں بھیج دیئے تھے۔ ان کے علاوہ اس نے اپنے چھاپہ مار بھی روانہ کر دیئے تھے۔ یہ اس کی کمانڈو فورس تھی جس کے ہر کمانڈو اور سپاہی میں غیر معمولی ذہانت، دلیری اور پھرتی تھی اور یہ تربیت یافتہ جاسوس بھی تھے۔ اس فورس نے چار چار سے لے کر بارہ بارہ کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر دشمن کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اُن میں ایک ٹولی بارہ سپاہیوں کی تھی جس کے صرف تین سپاہی اور ٹولی کا کمانڈر انا صر زندہ تھے۔

انا صر اپنی ٹولی کے ساتھ ترکمان کے معرکے سے ہی سیف الدین کی متحدہ فوج کے دستے پیچھے چلا گیا تھا۔ اس کا نشانہ عموماً دشمن کی رسد ہوتی تھی۔ اب کے بھی وہ اپنی ٹولی کو گھوڑوں پر لے گیا تھا۔ اُس کے پاس تیل والے (آتشیں) تیر تھے۔ تھوڑا سا آتش گیر مادہ تھا، برچھیاں، تلواریں اور خنجر تھے۔ رسد بہت دُور تھی۔ انا صر کو زمین نے یہ سہولتیں مہیا کی تھی کہ یہ میدان یا ریگزار نہیں بلکہ دُور دُور تک چٹانیں، ٹیلے اور نشیبی علاقے تھے جن میں چھپنا آسان تھا۔ دن کے دوران ہدف کے قریب گھوڑے چھپائے جا سکتے تھے۔ اتحادیوں کی افواج کی رسد جس میں فوج کے لیے اناج اور جانوروں کے لیے خشک گھاس اور دانہ وغیرہ تھا، پیچھے آ رہا تھا۔ اس سامان میں تیر و کمان اور برچھیاں وغیرہ بھی تھیں۔ انا صر نے پہلی ہی رات رسد پر کامیاب چھاپا مارا تھا۔ بہت سی رسد آتشیں تیروں سے جل گئی تھی۔

دن کو وہ اپنی ٹولی کے ساتھ ایک جگہ چھپا رہا تھا مگر سویا نہیں تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ دشمن کے فوجی کھڈ نالوں میں اور ٹیلوں کی اوٹ میں اُس کی پارٹی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُس نے اپنے سپاہیوں کو اِدھر اُدھر مورچوں بلندیوں پر بٹھا دیا تھا۔ انہوں نے کمانوں میں تیر ڈال رکھے تھے۔ دشمن کے فوجی دستے سے ہی واپس چلے

گئے تھے۔ سورج غروب ہونے کے بعد اس نے چھپ کر رسد کا قافلہ دیکھا۔ قافلے نے پڑاؤ ڈال دیا تھا مگر اس رات شبخون آسان نظر نہیں آتا تھا۔ دشمن نے اردگرد گشتی پہرے کا بڑا سخت انتظام کر دیا تھا۔ یہ پہرہ پیدل بھی تھا، اور گھوڑ سوار بھی۔ اس کے باوجود الناصر نے شبخون کا ارادہ کر لیا۔ دشمن کی ابھی بہت سی رسد باقی تھی۔ یہ سلطان ایوبی کا ایک تباہ کن طریقۂ کار تھا۔ دشمن کی رسد کو چھاپہ ماروں سے تباہ کرا دیا کرتا تھا۔ اس کے لیے اُس نے ایسے فوجی تیار کر رکھے تھے جو جذبے کے لحاظ سے جنونی اور خبطی تھے۔ اُن کی دلیری غیر معمولی اور ذہانت اوسط درجہ سپاہیوں سے خاصی زیادہ تھی۔ ان جانبازوں کی دیانت داری کا یہ عالم تھا کہ اتنی دُور جا کر بھی جہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ فرض شناسی کا جانبازانہ مظاہرہ کرتے تھے۔

الناصر نے رات کو گھوڑے وہیں بندھے رہنے دیئے جہاں دن کو چھپائے تھے۔ اپنی پارٹی کو پیدل لے گیا۔ ایک جگہ سے وہ دشمن کی رسد کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا۔ اس نے سامان کے انباروں پر آتش گیر مادہ چھڑک کر آگ لگا دی۔ اپنی ٹولی کو بکھیر دیا۔ سپاہیوں نے شعلوں کی روشنی میں بھاگتے دوڑتے سپاہیوں کو تیروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ دشمن کے فوجی انہیں تلاش کرنے لگے۔ چھاپہ مار کب تک چھپ سکتے تھے۔ ایک ایک کر کے پکڑے اور مارے گئے۔ ان میں سے وہی تین زندہ رہے جو الناصر کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بہت تباہی مچائی تھی۔ رسد کے ساتھ جو پہرہ دار اور دیگر لوگ تھے، انہوں نے ان سب کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ الناصر نے اپنے تین ساتھیوں کو الگ نہ ہونے دیا۔ وہ شعلوں سے دُور ہٹ کر اندھیرے میں گھوڑا گاڑیوں اور خیموں کی اوٹ میں چھپتے، اپنے قریب سے گزرتے سپاہیوں سے بچتے کسی اور ہی سمت کو نکل گئے۔

الناصر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اُسے کوئی ستارہ نظر نہ آیا۔ چھاپہ ماروں کو ستاروں سے سمت معلوم کرنے کی تربیت دی جاتی تھی مگر اُس رات آسمان گرد و غبار کی طرح کے بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ الناصر رسد کے پڑاؤ سے دُور نکل گیا۔ اُسے دشمن کی جلتی ہوئی رسد اور ساز و سامان کے شعلوں کی سرخی دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے باقی تو سپاہی زندہ ہیں یا شہید ہو چکے ہیں۔ اُس نے دل ہی دل میں اُن کی سلامتی کے لیے دُعا کی اور اپنے تین ساتھیوں کو ساتھ لیے اندازے کے مطابق اُس طرف چل پڑا جہاں اُس کی ٹولی کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ وہ رات بھر چلتا رہا۔ دشمن کی رسد کے شعلے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ فضا میں شعلوں کی جو سرخی نظر آتی تھی وہ بھی غائب ہو گئی۔ اگر یہ سرخی نظر آتی رہتی تو وہ اپنے ٹھکانے تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ بھی نہ رہی اور وہ اندھا دھند چلتا گیا۔

زمین کے خدوخال بدل گئے تھے۔ درخت تو کوئی تھا ہی نہیں۔ اس نے پاؤں تلے سخت زمین کی بجائے ریت محسوس کی۔ ٹیلے اور چٹانیں بھی نہیں تھیں۔ ریت نے اُس کے اور اس کے ساتھیوں کے پاؤں وزنی کر دیئے۔ پانی اور کھانے کی اشیاء گھوڑوں کے ساتھ تھیلوں میں بندھی تھیں اور گھوڑے نہ جانے کہاں تھے۔ اس نے پیاس محسوس کی۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اس کے تینوں ساتھی بھی پیاس کی شکایت کر چکے تھے۔ ان سب کی رفتار

بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ الناصر نے زمین پر رک جانا اور آرام کرنا مناسب سمجھا۔ اس کے ساتھیوں نے اس اُمید پر چلتے رہنے کا مشورہ دیا کہ کہیں پانی مل جائے گا۔ اس خطے میں پانی کی قلت تو نہیں تھی لیکن وہ اس خطے کے اُس حصے میں جا نکلے تھے جو ریگزار تھا۔ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ کچھ دیر اور چلے اور تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

☆

الناصر کی آنکھ کھلی تو اُس کے تینوں سپاہی بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ سورج اُفق سے اُوپر آیا تھا۔ الناصر نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ ریت کے تودے میں کھڑا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ تو صحرا میں بنا پڑھا اور صحراؤں میں اُس نے لڑائیاں لڑی تھیں۔ وہ ریگزار سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ اُس کی گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ اُسے توقع نہیں تھی کہ یہاں ریگستان ہوگا۔ گھبراہٹ کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُفق تک پانی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ پیاس سے وہ حلق میں جلن اور چبھن محسوس کر رہا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی حالت کا وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ اُس نے سورج کے مطابق اُس سمت دیکھا جدھر نخلستان تھا۔ اُسے پہاڑیوں کی نیلی سی لکیر نظر آئی۔ وہ سیدھا اُس سمت نہیں جا سکتا تھا کیونکہ راستے میں دشمن کی فوج تھی۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ وہ اُٹھے تو اُن کے چہروں پر بھی گھبراہٹ اور تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے۔

"ہم دو دن اور بھوکے اور پیاسے رہ سکتے ہیں۔" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اور ان دو دنوں میں ہم اگر منزل تک نہ پہنچ سکے تو پانی تک ضرور پہنچ جائیں گے۔"

تینوں نے اپنے اپنے خیال اور اندازے کا اظہار کیا مگر وہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ اگر اُن کے پاس گھوڑے ہوتے تو مشکل ذرا آسان ہو جاتی۔ نیند نے اُن کے جسموں کو کچھ تازگی دے دی تھی۔

"ساتھیو!" الناصر نے کہا۔ "خدائے ذوالجلال نے ہمیں جس امتحان میں ڈال دیا ہے اس میں پروانۂ ناروا کوئی گلہ شکوہ نہ کرنا ہمارا فرض ہے۔"

"یہاں رُکے رہنا تو کوئی علاج نہیں۔" ایک ساتھی نے کہا۔ "پیشتر اس کے کہ سورج ہمارے سروں پر آ کر ہمیں جلانے لگے، چل پڑو، اللہ راستہ دکھائے گا۔"

وہ چل پڑے۔ سمت کا انہوں نے محض اندازہ کیا تھا۔ انہیں دُور کا چکر بھی کاٹنا تھا۔ سورج اوپر آیا تو ریت گرم ہوتی گئی اور تھوڑی دُور یوں نظر آتا جیسے یہ ریت نہیں پانی ہو۔ زمین سے لرزتا ہوا دھواں سا اوپر کو اُٹھ رہا تھا۔ وہ چاروں صحرا کے قہر سے واقف تھے اور عادی بھی۔ انہیں سراب بھی نظر آنے لگے مگر صحرا کے اس دھوکے سے واقف ہونے کی بدولت انہوں نے ہر سراب کو نظر انداز کیا۔

"ساتھیو!" الناصر نے کہا۔ "ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ اللہ ہمیں سزا نہیں دے گا۔ اگر ہم مر گئے تو یہ موت نہیں شہادت ہوگی۔ دل میں خدا کو یاد کرتے چلو۔"

"اگر کوئی ایسا مسافر مل گیا جس کے پاس پانی ہُوا تو میں ڈاکہ ڈالنے سے گریز نہیں کروں گا"۔۔۔ ایک سپاہی نے کہا۔

سب ہنس پڑے اور سب نے محسوس کیا کہ ہنسنے کے لیے بھی انہیں طاقت صرف کرنی پڑی تھی۔۔۔۔ پھر سورج اُن کے سروں پر آگیا۔ اوپر سے سورج اور نیچے سے ریت ان سب کو بھُوننے لگی۔ الناصر ایک جنگی ترانہ گنگنانے لگا۔ ترانہ ختم ہوگیا تو انہوں نے ایک آواز اور ایک لَے میں لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا مترنم وِرد شروع کر دیا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ریت کے چمکتے ہوئے ذرّے اُن کے نقوش کو مٹاتے جا رہے تھے۔

سورج دوسری سمت نیچے اُترنے لگا۔ چاروں کی آواز دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ قدم وزنی اور رفتار گھٹ گئی تھی۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور منہ بند نہیں ہوتے تھے۔ اُن کے سائے جب دوسری طرف بڑھنے لگے تو اُن کا ایک ساتھی خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد دوسرے کی بھی زبان جواب دے گئی۔ الناصر اور اس کا تیسرا ساتھی سرگوشیوں میں لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا وِرد کر رہے تھے۔ کچھ دُور گئے تو سرگوشیاں بھی خاموش ہوگئیں۔

"ساتھیو!" الناصر نے جسم کی بچی کھچی طاقت صرف کر کے کہا۔ "حوصلہ نہ ہارنا۔ ہمارے جسموں میں ایمان کی بہت نمی ہے۔ ہم ایمان کی طاقت سے زندہ رہیں گے۔" اس نے اپنے ساتھیوں کے چہروں کو باری باری دیکھا۔ وہاں خون کا نام و نشان نہیں تھا۔ سب کی آنکھیں اندر کو چلی گئی تھیں۔

سورج غروب ہوگیا۔ جُوں جُوں شام تاریک ہوتی گئی، ریت ٹھنڈی ہوتی گئی۔ الناصر نے ساتھیوں کو رکنے نہیں دیا۔ خنکی میں ذرا تیز چلا جا سکتا تھا۔ اگر وہ کوئی عام مسافر ہوتے تو کبھی کے گر چکے ہوتے۔ وہ فوجی اور چاق و چوبند رہتے تھے۔ اُن کے جسم عام انسانوں کی نسبت کہیں زیادہ صعوبتیں برداشت کر سکتے تھے۔ وہ چلتے گئے اور کچھ فاصلہ طے کر کے الناصر نے انہیں رُکنے اور سو جانے کو کہا۔

☆

صبح کاذب کے قریب الناصر جاگا۔ آسمان صاف تھا۔ ستاروں کو دیکھ کر اُس نے اندازہ کیا کہ رات کتنی رہتی ہے۔ ایک ستارے کو دیکھ کر اس نے سمت طے کی اور اپنے ساتھیوں کو جگا کر انہیں ساتھ لیا اور سب چل پڑے۔ ان کی رفتار اچھی تھی مگر پیاس انہیں بولنے نہیں دے رہی تھی۔

"یہ ریگستان اتنا وسیع نہیں ہو سکتا۔" الناصر نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ زبان سے نکالے۔ "آج ختم ہو جائے گا۔ ہم آج پانی تک پہنچ جائیں گے۔"

پانی جو دن کو سراب تھا اندھیرے میں اُمید بن گیا اور وہ اس اُمید کی طاقت پر چلتے گئے۔ صبح کا اجالا سپید ہُوا پھر اُفق سے سورج اُبھرا۔ ان جانباز مسافروں کو سب سے پہلا صدمہ یہ ہُوا کہ پانی کی اُمید دم توڑ گئی۔ ریت تو نہیں تھی، زمین سخت تھی۔ اس میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ چکنی چکنی زمین تھی۔ پاؤں کی جہاں ٹھوکر لگتی تھی، وہاں سے ریت اور مٹی اٹھتی تھی۔ آٹھ دس میل دُور زمین سے اُبھرے ہوئے ستون اور مینار سے نظر آتے تھے۔ یہ ننگے ٹیلے اور ریتلی چٹانوں کی چوٹیاں تھیں۔ درخت ایک بھی نظر نہیں آتا تھا۔ زمین کی حالت بتاتی تھی کہ

صدیوں سے پیاسی ہے اور یہ کسی انسان کا خون پینے سے گریز نہیں کرے گی۔

الناصر نے اپنے ساتھیوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ اس سے اُسے اندازہ ہوگیا کہ اس کے اپنے چہرے کی حالت کیسی ہے۔ اس کے ایک ساتھی کی زبان کچھ باہر نکل آئی تھی۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سوجن تھی۔ یہ علامتیں خوفناک تھیں۔ صحرا نے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ سالمان الیوبی کے اس جانباز کا خون پیاسی زمین کی بھینٹ چڑھنے لگا تھا۔ دوسرے دو سپاہیوں کی ظاہری حالت یہ تو نہیں تھی لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ مینار جیسے ٹیلوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ الناصر ان کا کمانڈر تھا۔ اپنی ذمہ داری کا اُسے اتنا زیادہ احساس تھا کہ اس کا دماغ اُس کے قابو میں تھا۔ اُس کی جسمانی حالت اپنے ساتھیوں سے بہتر نہیں تھی۔ اس نے بولنے کی کوشش کی۔ یہ اُس کی قوتِ ارادی تھی کہ اُس کے منہ سے چند الفاظ نکل آئے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی مگر یہ ایک ناکام کوشش تھی۔

جُوں جُوں سورج اُوپر اٹھتا آ رہا تھا زمین کے خیر مرئی شعلے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ ان چاروں کی رفتار کا اب یہ حال تھا کہ وہ قدم اٹھاتے نہیں پاؤں گھسیٹتے تھے۔ جس سپاہی کی زبان باہر نکل آئی تھی اس کی برچھی اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر اُس نے کمربند سے تلوار کھولی اور پھینک دی۔ اُس نے یہ حرکات بے خیالی میں کی تھیں۔ اُس کے ہاتھ اپنے آپ کام کر رہے تھے اور وہ ناک کی سیدھ میں چلا جا رہا تھا۔ یہ صحرا کا ایک ظالمانہ اثر ہوتا ہے کہ بھٹکا ہُوا پیاسا مسافر مختلف حرکات کرنے کے انداز سے اپنے جسم سے بوجھ پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔ مختلف اشیاء پھینکنے کے بعد وہ اپنے کپڑے بھی اُتار پھینکتا ہے۔ وہ کہیں رکتا نہیں، چلتا جاتا اور چیزیں پھینکتا جاتا ہے۔ صحرائی مسافر جب جگہ جگہ ایسی اشیاء پڑی دیکھتے ہیں تو وہ اس توقع پر آگے بڑھتے ہیں کہ کچھ ہی دُور آگے ایک لاش پڑی ہوگی یا اُس بدنصیب کی ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوگا جو راستے میں اپنی آخری متاع بکھیرتا گیا ہے۔

صحرا نے الناصر کے ایک ساتھی کو اس مرحلے میں داخل کر دیا تھا جہاں وہ دنیا کی اشیاء اور اپنے فرائض سے دستبردار ہو رہا تھا۔ الناصر نے اُس کی برچھی اور تلوار اٹھالی اور اس سپاہی سے بڑے پیار سے کہا۔ "اتنی جلدی نہ ہار میرے عزیز دوست! اللہ کا سپاہی مرجاتا ہے ہتھیار نہیں پھینکا کرتا۔ اپنی عزت اور عظمت کو ریت میں نہ پھینکو۔"

اُس کے ساتھی نے اُسے دیکھا۔ الناصر اُسے دیکھتا رہا۔ سپاہی نے اچانک قہقہہ لگایا اور سامنے دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ بڑی جاندار آواز میں بولا۔۔۔ "پانی .... وہ دیکھو.... باغ .... پانی مل گیا"۔۔۔ اور وہ آگے کو دوڑ پڑا۔

وہاں پانی تھا نہ پانی کا سراب۔ وہ زمین ایسی تھی جہاں سراب نظر نہیں آیا کرتے۔ سراب ریت کی چمک کا ہوتا ہے۔ اُس پر صحرا کا دوسرا ظالمانہ اثر ہونے لگا تھا۔ یہ تھے واہمے اور ایسے تصورات جو حقیقی روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ پانی کی جھیلیں اور باغ نظر آتے ہیں۔ عمارتیں دکھائی دیتی ہیں۔ یوں بھی نظر آتا ہے جیسے ایک دو میل دُور شہر ہے۔ قافلے جانے پہچانے اپنی طرف آتے دکھائی دیتے ہیں۔ ناچنے اور گانے والیاں بھی نظر آتی ہیں....

...

اس بے رحم ویرانے نے انامر کے ایک ساتھی کو فریب دینا شروع کر دیئے تھے۔ صحرا اُس کی جان سے کھیلنے لگا تھا۔ یہ شاید صحرا کی رحم دلی بھی ہے کہ کسی مسافر کی جان لینے سے پہلے اُسے بڑے ہی حسین اور دلفریب تصوروں میں اُلجھا دیتا ہے تاکہ مرنے والا اذیت سے محفوظ رہے۔

انامر کا ساتھی آگے کو دوڑ پڑا۔ وہی سپاہی جو تدم گھسیٹ رہا تھا تازہ دم آدمی کی طرح دوڑ رہا تھا مگر یہ دوڑ اُس چراغ کی مانند تھی جو بجھنے سے پہلے آخری بار ٹمٹمایا ہو۔ انامر اُس کے پیچھے دوڑا اور اُسے پکڑ لیا۔ اس کے دوسرے دو ساتھیوں میں ابھی کچھ دم باقی تھا۔ وہ بھی دوڑے اور اپنے ساتھی پر قابو پا لیا۔ وہ اُن سے آزاد ہونے کو تڑپ رہا تھا اور چلا رہا تھا: "چلو۔ جھیل تک چلو۔ وہ دیکھو، کتنے غزال جھیل سے پانی پی رہے ہیں!"

ساتھیوں نے اُسے پکڑے رکھا اور وہ آہستہ آہستہ، قدم گھسیٹتے چلنے گئے۔ انامر نے وہ کپڑا جو اُس کے سر پر رکھا تھا اُس کے چہرے پر بھی ڈال دیا تاکہ وہ کچھ دیکھ ہی نہ سکے۔

☆

سورج سر کے عین اوپر آ گیا تھا جب ایک اور سپاہی نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا: "باغ میں رقاصہ ناچ رہی ہے۔ لعنت بھیجو پانی پر۔ چلو ناچ دیکھیں۔ حُسن دیکھو.... چلو دوستو! وہاں پانی مل جائے گا۔ لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔ میں سب کو جانتا ہوں.... چلو.... چلو" اور وہ دوڑ پڑا۔

جس سپاہی کو پہلے واہمہ نظر آیا تھا، وہ کچھ دیر خاموش رہا تھا اس لیے ساتھیوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کو دوڑتا دیکھ کر اُس کے پیچھے دوڑ پڑا اور چلانے لگا: "رقاصہ بہت خوبصورت ہے۔ میں نے اُسے قاہرہ میں دیکھا تھا۔ وہ مجھے جانتی ہے۔ میں اس کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ اُس کے ساتھ شربت پیوں گا!"

انامر کا سر ڈھل گیا۔ وہ صحرا کی صعوبتیں برداشت کر سکتا تھا، اپنے ساتھیوں کی یہ حالت اُس کی برداشت سے باہر تھی۔ انہیں سنبھالنا اُس کے بس سے باہر ہُوا جا رہا تھا۔ اُس کی اپنی جسمانی حالت بھی دگرگوں ہو گئی تھی۔ اُس کے ساتھ اب ایک ہی ساتھی رہ گیا تھا جس کا دماغ ابھی ٹھکانے تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ بھی تقریباً ختم ہو چکا تھا۔

اُن کے جو دو ساتھی باغ اور رقص کے واہمے کے پیچھے دوڑے تھے، چند قدم دوڑ کر گر پڑے۔ انہیں گرنا ہی تھا۔ اُن کے جسموں میں رہا ہی کیا تھا۔ انامر اور اُس کے ساتھی نے انہیں ہٹا کر اپنے سہارے لے لیا اور اُن پر کپڑوں کا سایہ کر دیا۔ اُن کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور سر ڈھل رہے تھے۔

"تم اللہ کے سپاہی ہو۔" انامر نے دھیمی سی آواز میں کہنا شروع کیا "تم قبلۂ اوّل اور خانۂ کعبہ کے پاسبان ہو۔ تم نے اسلام کے دشمنوں کی کمر توڑی ہے۔ تم سے کفار ڈرتے اور کانپتے ہیں۔ تم شعلوں کو روندنے والے مردِ مومن ہو۔ اس صحرا کو، پیاس کو اور سورج کے قہر کو تم کیا سمجھتے ہو۔ تم پر اللہ کی رحمت برس رہی ہے۔ تمہیں فرشتے بہشت کی ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں.... تمہارا جسم پیاسا ہے روح پیاسی نہیں۔ ایمان والے پانی کی ٹھنڈک سے نہیں ایمان کی حرارت سے زندہ رہتے ہیں۔"

دونوں نے آنکھیں کھول دیں اور انامر کو دیکھا۔ انامر نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اُس نے جذبات کے غلبے سے جو باتیں کہی تھیں وہ اثر کر گئیں۔ دونوں سپاہی تصوّروں اور واہموں کی دنیا سے نکل کر حقیقت میں آ گئے۔ وہ اُٹھے اور نہایت آہستہ آہستہ چل پڑے۔

صبح روانگی کے وقت انہیں ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کے جو ستون اور مینار نظر آئے تھے وہ قریب آ گئے تھے۔ اب وہ بہت بڑے بڑے ہو گئے تھے۔ اُمید رکھی جا سکتی تھی کہ وہاں پانی ہو گا۔ وہاں نشیب اور کھڈ نالے بھی ہو سکتے تھے۔ انامر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ پانی کے قریب آ گئے ہیں اور آج شام سے پہلے پانی مل جائے گا، مگر وہ زمین اور وہ ماحول ایسی اور اتنی گرم حقیقت تھی کہ پانی کی اُمید شبنم کے قطرے کی طرح اُڑ گئی۔ وہ ٹیلوں اور ٹیکریوں کے اور قریب چلے گئے۔ اچانک ایک سپاہی دوڑ اٹھا۔ وہ نعرے لگا رہا تھا: "میرا گاؤں آ گیا ہے۔ میں سب کے لیے کھانا پکوانے جا رہا ہوں۔ کنوئیں سے میرے گاؤں کی لڑکیاں پانی نکال رہی ہیں۔"

اُس کے پیچھے دوسرا سپاہی دوڑ پڑا اور چلانے لگا: "مرغابیاں.... مرغابیاں"۔ وہ دوڑتے دوڑتے منہ کے بل گرا اور ہاتھ سے مٹی اور ریت اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔

انامر اور اُس کا تیسرا ساتھی دوڑے۔ اُس کے منہ سے مٹی نکالی۔ کپڑے سے منہ صاف کیا اور اُسے اٹھایا۔ مگر وہ چلنے کے قابل نہیں تھا۔ دوسرا سپاہی بھی گر پڑا تھا اور پیٹ کے بل رینگتے ہوئے کہہ رہا تھا: "کنوئیں سے پانی پی لوں پھر تمہارے لیے کھانا پکواؤں گا۔"

انامر نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا: "اے خدائے ذوالجلال! ہم تیرے نام پر لڑنے اور مرنے آئے تھے۔ کوئی گناہ نہیں کیا۔ کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا۔ اگر کفار سے لڑنا گناہ ہے تو ہمیں بخش دے، بخش دے صحراؤں کو آگ لگانے والے خدا! میری جان لے لے۔ میرے خون کو پانی بنا دے۔ میرے ساتھی پھر زندہ رہیں۔ انہوں نے تیرے رسولؐ کے قبلۂ اوّل کے غاصبوں کے خلاف لڑائی لڑی ہے۔ میرے خون کو پانی بنا اور انہیں پلا دے۔"

اُس کے ساتھی آہستہ آہستہ اٹھے اور ہاتھ آگے کو پھیلا کر یوں چلنے لگے جیسے انہیں کچھ نظر آ رہا ہو جس تک وہ پہنچنا چاہتے ہوں۔ انامر اور اُس کے ساتھی نے جو ذہنی لحاظ سے ابھی ٹھیک تھا اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو وہ بھی قدم گھسیٹنے لگے۔ اُس وقت انامر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آیا اور چھٹ گیا جیسے سیاہ گھٹا کا ٹکڑا چاند کے آگے سے گزر گیا ہو۔ اندھیرا گزر جانے کے بعد اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اُسے سبزہ زار سا نظر آیا ہو مگر اس کے سامنے ٹیلوں اور چٹانوں کے مینار اور ستون تھے۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے سبزہ دیکھا ضرور تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ صحرا اُسے بھی فریب دینے لگا ہے۔

☆

وہ ٹیلوں کے اندر جا رہے تھے۔ یہ ٹیلے چوڑے تھے۔ کوئی اونچا نہیں تھا۔ کہیں کہیں کوئی ریتلی چٹان بھی نظر آتی تھی۔ وہ اور آگے گئے تو کسی ندی یا دریا کا خشک پاٹ آ گیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ صدیوں سے یہاں سے پانی نہیں گزرا۔

انامر آگے آگے اور اُس کے ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ انامر چلتے چلتے رک گیا۔ اُس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا، مگر اُسے جو کچھ دکھائی دیا تھا وہ بدستور نظر آتا رہا۔ خشک پاٹ کے بائیں کنارے پر ریتلی چٹان تھی جو اوپر جا کر آگے کو جھک آئی تھی۔ شاید ایک دو صدیاں پہلے اس کے دامن سے پانی ٹکراتا رہا تھا۔ وہاں سے یہ پانی کی ملہی ہوئی تھی۔ اُس کی شکل برآمدے کی سی بنی ہوئی تھی۔ چھت نما اوپچی تھی اور وہاں سایہ تھا۔ اس سائے میں دو گھوڑے کھڑے تھے اور ان کے قریب دو جوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اُن کے رنگ گورے اور نقش و نگار بہت دلکش تھے۔

انامر نے اُن سے دُور رُک کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا ــــ "تمہیں بھی وہ دو لڑکیاں اور دو گھوڑے نظر آ رہے ہیں؟"

اُس کے وہ دو ساتھی جو واہموں اور تصوروں کا شکار ہو چکے تھے خاموش رہے۔ ایک نے کہا ــــ "دھند ہے۔ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا"۔ اور وہ گر پڑا۔

اُس کا وہ ساتھی جو ذہنی لحاظ سے ابھی ٹھیک تھا، سرگوشی میں بولا ــــ "میں انہیں دیکھ رہا ہوں"

"اللہ ہم پر رحم کرے"۔ انامر نے کہا ــــ "ہم دونوں کے بھی دماغ ماؤف ہو گئے ہیں۔ ہمیں بھی وہ چیزیں نظر آنے لگی ہیں جو حقیقت میں نہیں ہیں۔ جہنم کے اس ویرانے میں اتنی خوبصورت لڑکیاں نہیں آ سکتیں"

"اگر ان کا لباس صحرائی خانہ بدوشوں جیسا ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ تصور نہیں حقیقت ہے"۔ اُس کے ساتھی نے کہا ــــ "آگے چلو سائے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ لڑکیاں نہیں۔ ہمارے ذہنوں کا فتور ہے"

"مگر میں ہوش میں ہوں"۔ انامر نے کہا ــــ "میں تمہیں پہچان رہا ہوں۔ تمہاری بات سمجھ گیا ہوں۔ میرا دماغ میرے قابو میں ہے"

"میں بھی ہوش میں ہوں"۔ اس کے ساتھی نے کہا ــــ "اگر ہم حقیقت میں لڑکیاں دیکھ رہے ہیں، تو جنات ہوں گے"

لڑکیاں اس طرح بے حس و حرکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھیں جیسے بُت ہوں۔ انامر دلیر آدمی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھا۔ لڑکیاں غائب نہ ہوئیں۔ وہ اُن سے چار پانچ قدم دُور تھا جب ایک لڑکی نے جو دوسری سے عمر میں کچھ بڑی لگتی تھی دایاں بازو انامر کی طرف کیا۔ لڑکی کی مٹھی بند تھی۔ اُس نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی آگے کو کر دی۔ انامر رُک گیا۔ اُس نے اتنی خوبصورت لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ سر کی اوڑھنی سے اُن کے جو بال شانوں پر پڑے نظر آتے تھے وہ باریک ریشم کے تار لگتے تھے۔ دونوں لڑکیوں کی آنکھوں کا رنگ بھی دلکش اور عجیب تھا۔ آنکھیں ہیروں کی طرح چمکتی تھیں۔

"تم سپاہی ہو"۔ بڑی لڑکی نے کہا ــــ "کس کے سپاہی ہو؟"

"سب کچھ بتاؤں گا"۔ انامر نے کہا ــــ "مجھے یہ بتا دو کہ تم صحرا کا دھوکہ ہو یا جنات کی مخلوق میں سے ہو"

"ہم جو کچھ بھی ہیں، تم بتاؤ کون ہو اور ادھر کیا کرنے آئے ہو"۔ لڑکی نے پوچھا ــــ "ہم صحرا کا فریب نہیں۔

تم نہیں دیکھ رہے ہو، ہم تمہیں دیکھ رہی ہیں"

"ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار سپاہی ہیں"۔ انامر نے کہا ــــ "راستہ بھول کر ادھر آ نکلے ہیں۔ اگر تم جنات میں سے ہو تو تمہیں حضرت سلیمانؑ کا واسطہ، میرے ان ساتھیوں کو پانی پلا دو۔ اس پیاس کے مرض میری جان لے لے گا۔ یہ میری ذمہ داری میں ہیں"

"اپنے ہتھیار ہمارے آگے پھینک دو"۔ لڑکی نے اپنا بازو نیچے کرتے ہوئے کہا ــــ "حضرت سلیمانؑ کے نام پر مانگی ہوئی چیز سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ اپنے ساتھیوں کو سائے میں لے آؤ"

انامر نے اپنے وجود میں ایک لہر دوڑتی محسوس کی جیسے سرد سا دخل ہوئی اور پاؤں سے نکل گئی ہو۔ وہ انسانوں کا مقابلہ کرنے والا جانباز تھا۔ اُس کے شب خون اُس کے ساتھیوں کو حیران کر دیا کرتے تھے مگر ان لڑکیوں کے آگے وہ بزدل بن گیا۔ اُس کے دل پر ایسے خوف کی گرفت تھی جو اُس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ جنات کی کہانیاں سنتا رہا تھا، جنات سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اُسے ہر لمحہ توقع تھی کہ یہ دو لڑکیاں اور دو گھوڑے غائب ہو جائیں گے یا شکلیں بدل لیں گے۔ ان کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بے بس اور مجبور ہو گیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ سائے میں چلیں۔ اُن میں سے ایک تو بے ہوش پڑا تھا۔ اُسے گھسیٹ کر سائے میں لے گئے۔

"اپنے متعلق بتاؤ تم کیا کر کے آئے ہو"۔ لڑکی نے پوچھا۔

"پانی پلاؤ"۔ انامر نے التجا کی ــــ "سنا ہے جنات ہر چیز حاضر کر دیا کرتے ہیں"

"گھوڑوں کے ساتھ مشکیزے ہیں"۔ لڑکی نے کہا ــــ "ایک کھولو"

انامر نے ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا مشکیزہ کھولا۔ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے بے ہوش ساتھی کے منہ میں پانی ٹپکایا۔ اُس نے آنکھ کھولی اور اُٹھ بیٹھا۔ انامر نے مشکیزہ اُس کے منہ سے لگا دیا لیکن اُسے زیادہ پانی نہ پینے دیا۔ باری باری سب نے پانی پی لیا۔ انامر کا دماغ صاف ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ لڑکیاں تصور یا واہمہ ہوتا تو دماغ میں جان آ جانے سے یہ واہمہ غائب ہو جاتا لیکن لڑکیاں وہاں موجود تھیں اور سب سے بڑی حقیقت یہ تھی کہ اُس نے پانی پیا تھا۔ اگر پانی بھی تصور ہوتا تو اس سے اُس کے جسم میں تازگی نہ آتی۔ اس نے لڑکیوں کو ایک بار پھر دیکھا اور بڑی غور سے دیکھا۔ اب وہ اُسے اور زیادہ حسین نظر آئیں۔ وہ یقیناً انسان نہیں تھیں۔

انامر کی ذہنی، جذباتی اور جسمانی کیفیت یہ تھی کہ اُسے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے سوچنے کے قابل نہیں رہا۔ اُس کے ساتھیوں کے چہروں پر زندگی عود کر آئی تھی۔ یہ اس تھوڑے سے پانی کا کرشمہ تھا جو اُن کے جسموں میں گیا تھا مگر انامر کی طرح اُن پر بھی خوف طاری ہو گیا تھا۔ لڑکیاں انہیں خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ باہر کی دنیا جل رہی تھی۔ زمین ایسے شعلے اُگل رہی تھی جو محسوس ہوتے تھے۔ نظر نہیں آتے تھے لیکن جہاں یہ لوگ بیٹھے تھے، وہ ان شعلوں سے محفوظ تھے۔ اوپر ریتلی چٹان کی چھت تھی اور جگہ خاصی کشادہ تھی۔

بڑی لڑکی نے بازو الناصر کی طرف بڑھایا۔ درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی آگے کر کے بازو کو گھوڑدل کی طرف گھما کر کہا ”وہ تھیلا کھول لاؤ اور اپنے ساتھیوں کو دو۔“

الناصر ایسے انداز سے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا چمڑے کا تھیلا کھول لایا جیسے اُس نے یہ حرکت کسی جادو کے زیرِ اثر کی ہو۔ اُس نے تھیلا کھولا تو اس میں کھجوروں کے علاوہ کھانے کی کچھ ایسی چیزیں پڑی تھیں جو مرف امیر لوگ کھایا کرتے تھے۔ خشک گوشت بھی تھا جو کھانے کے قابل تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو دیکھا۔ بڑی لڑکی نے کہا ”کھاؤ۔“ الناصر نے یہ چیزیں اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ اِن سب کے پیٹ پیٹھ سے لگے ہُوئے تھے۔ انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانا مقدار کے لحاظ سے تھوڑا تھا جو بظاہر ایک آدمی کے لیے کافی تھا لیکن چاروں سیر ہو گئے۔ انہیں ماحول نکھرا ہُوا دکھائی دینے لگا۔ لڑکیوں کا حُسن پہلے سے کہیں زیادہ پُرکشش اور پُراسرار ہو گیا۔

”تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟“ الناصر نے بڑی لڑکی سے کہا ”جن اور انسان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تم آگ ہو، ہم مٹی اور پانی ہیں۔ ہم سب کا خالق خدا ہے۔ ہمیں اپنے خالق کی مخلوق سمجھ کر ہم پر رحم کرو۔ ہمیں ترکمان کے راستے پر ڈال دو۔ تم چاہو تو پلک جھپکتے ہمیں ترکمان پہنچا سکتے ہو۔“

”تم کہیں شب خون مارنے گئے تھے؟“ بڑی لڑکی نے پوچھا ”صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار بھی جن ہوتے ہیں۔ ہمیں بتاؤ تم کہاں گئے تھے اور کیا کر کے آئے ہو؟“

الناصر نے اُسے اپنی تمام کارگزاری سنا دی۔ اُس کی ٹولی نے جس دلیری سے شب خون مارے اور جو نقصان کیا تھا وہ پوری تفصیل سے سنایا، پھر یہ بتایا کہ وہ کس طرح واپسی کے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

”تم اپنے سپاہیوں سے بہتر سپاہی معلوم ہوتے ہو“ لڑکی نے کہا ”کیا تمہاری فوج کا ہر ایک سپاہی یہ کام کر سکتا ہے جو تم نے کیا ہے؟“

”نہیں“ الناصر نے جواب دیا ”ہم چاروں کو تم انسان نہ سمجھو۔ ہمیں استادوں نے جو تربیت دی ہے وہ ہر ایک سپاہی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم صحرائی ہرن کی طرح دوڑ سکتے ہیں۔ عقاب کی طرح ہماری آنکھیں بہت دُور تک دیکھ سکتی ہیں اور ہم چیتے کی طرح حملہ کرتے ہیں۔ ہم میں سے کسی نے بھی پیٹھ نہیں دیکھا۔ استادوں نے بتایا تھا کہ چیتا کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح حملہ کرتا ہے۔ اِس جسمانی پھرتی کے علاوہ ہمارے دماغ دوسرے سپاہیوں کی نسبت زیادہ اچھی طرح سوچ سکتے ہیں۔ ہمیں استادوں نے یہ ہُنر بھی سکھایا ہے کہ دشمن کے ملک میں جا کر فوجی راز کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہم بھیس بدل لیتے ہیں۔ آواز بدل لیتے ہیں۔ اندھے بن سکتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو ہم آنسو بہا سکتے ہیں اور جب پکڑے جانے کا خطرہ ہو تو ہم اپنی زندگی سے دستبردار ہو کر لڑتے اور نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم قیدی نہیں ہوتے شہید ہُوا کرتے ہیں۔“

”اگر ہم جن نہ ہوتیں تو تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”تم یقین نہیں کرو گی“ الناصر نے کہا ”ہم وہ پتھر ہیں جنہیں عورت کا حُسن توڑ نہیں سکتا۔ مجھے یقین

ہو جائے کہ تم انسان ہو اور بھٹک جائے کہ راستے سے بھٹک گئی ہو تو تم دونوں کو اپنی پناہ میں لے لوں گا اور اپنے ایمان کی طرح قیمتی سمجھوں گا، مگر تم انسان نہیں ہو۔ تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم انسان نہیں ہو۔ تم جیسی لڑکیاں اس جہنم میں نہیں آ سکتیں۔ اب میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ ہمیں پناہ میں لے لو۔“

”ہم انسانوں کی مخلوق سے نہیں“ لڑکی نے کہا ”ہمیں معلوم نہیں تم کیا کر رہے ہو۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم راستے سے بھٹک گئے ہو۔ اگر تم گناہگار ہوتے تو جس صحرا میں سے تم گزر کر آئے ہو وہ تمہارا خون پی جاتا اور تمہارے جسم کے گوشت کو ریت بنا کر تمہاری ہڈیاں ننگی کر دیتا۔ اس صحرا نے بھٹکے ہوئے گناہگاروں کو کبھی نہیں بخشا۔ ہم دونوں تمہارے ساتھ تھیں۔ تمہیں جو مصیبتیں برداشت کرنی پڑی ہیں وہ اس لیے تم پر ڈالی گئی ہیں کہ تم خدا کو بھول نہ سکو اور تمہارے دل سے گناہ کا خیال اور ارادہ نکل جائے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہم جیسی خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر تم بھوک اور پیاس کو بھول جاؤ گے اور تمہارے دل پر شیطان کا قبضہ ہو جائے گا۔“

”تم ہمارے ساتھ ساتھ کیوں رہیں؟“ الناصر نے پوچھا۔

”ہمیں اُس نے بھیجا ہے جو صحراؤں میں راستہ بھول جانے والے نیک بندوں کو راہ دکھاتا ہے“ بڑی لڑکی نے کہا ”تم پر خدا نے جو رحمت نازل کی ہے اُس کا تم حساب نہیں کر سکتے۔ اُس نے ہمیں کہا تھا کہ مرد نزع کے عالم میں بھی شیطان کے اثر سے آزاد نہیں ہوتا۔ اِس ناپاک قبضے سے آزاد کرنے کے لیے خدا نے تمہیں عذاب میں ڈالا ہے۔ پھر ہمیں حکم ملا کہ اِن کے سامنے آ جاؤ اور انہیں پناہ میں لے لو۔۔۔۔ ہم جانتے تھے تم نے دشمن کو کس طرح اور کتنا نقصان پہنچایا ہے۔“

”پھر مجھ سے کیوں پوچھا تھا؟“ الناصر نے پوچھا۔

”یہ دیکھنے کے لیے کہ تم کتنا جھوٹ اور کتنا سچ بولتے ہو“ لڑکی نے کہا ”تم سچے ہو۔“

”ہم جھوٹ نہیں بولا کرتے“ الناصر نے کہا ”شب خون مارنے والے خدا کو گواہ بنایا کرتے ہیں۔ اپنی فوج اور اپنے سالاروں کی نظروں سے اوجھل ہو کر ہم اس حقیقت کو دل میں بٹھا لیتے ہیں کہ ہمیں خدا دیکھ رہا ہے۔ ہم خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے“ الناصر خاموش ہو گیا اور پوچھا ”تم نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گی۔“

”جو ہمیں حکم ملا ہے اُس کے خلاف ہم کچھ نہیں کر سکتے“ لڑکی نے جواب دیا ”ہمارا سلوک بُرا نہیں ہوگا۔۔۔۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم اب بول نہیں سکتے۔ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں مگر تمہارے دلوں میں جو خوف ہے وہ تمہیں سونے نہیں دے رہا۔ دل سے خوف نکال دو اور سو جاؤ۔“

”پھر کیا ہوگا؟“ الناصر نے پوچھا۔

”جو اللہ کا حکم ہوگا“ لڑکی نے جواب دیا ”ہم تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر بھاگنے کی کوشش کرو گے تو ان ریتیلے ستونوں کی طرح ستون بن جاؤ گے۔ تمہیں دُور سے یہ ستون نظر آئے ہوں گے۔ اِن کے اوپر کوئی چھت نہیں۔ یہ مینار لگتے ہیں، اصل میں انسان ہیں۔۔۔۔ انسان تھے۔ ہمیں حکم نہیں کہ تمہیں دکھائیں۔ اگر حکم ہوتا تو کسی بھی مینار پر تم تلوار کی ضرب لگاتے تو اس میں سے خون بہتا۔“

الناصر اور اُس کے ساتھیوں کی آنکھیں خوف سے باہر آنے لگیں۔ اُن کی سانسیں رُک گئیں۔

"یہ روئے زمین کا جہنم ہے"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "اِدھر وہی آتا ہے جو راہ سے گمراہ ہو جاتا ہے اور وہ کہ جو بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے اور کسی کو نظر نہیں آیا کرتا۔ انہیں غزال جیسے خوبصورت جانوروں یا ہم جیسی خوبصورت لڑکیوں کے روپ میں آکر انہیں راہ پر ڈالتا، پانی پلاتا اور انہیں اِس دوزخ کی اذیت سے بچا لیتا ہے مگر انسان گناہوں کا اتنا شیدائی ہے کہ غزال کو دیکھتا ہے تو اُس پر تیر چلاتا ہے کہ اُسے مارے اور اُس کا گوشت کھائے، اور جب ہم جیسی عورت کو دیکھتا ہے تو اُسے تنہا اور مجبور سمجھ کر اُسے عیش و عشرت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اُس کا آخری وقت آن پہنچا ہے، وہ لڑکی سے کہتا ہے کہ آؤ میرے ساتھ، تمہارے ساتھ شادی کروں گا۔ تم میرے حرم کی ملکہ ہو گی.... ریت اور مٹی کے یہ بے ڈھنگ اور لمبوترے مینار ایسے ہی آدمی تھے۔ تم ان میں شامل نہیں ہو گے.... سو جاؤ۔ اگر ہمیں دیکھ کر تمہارے دل میں گناہ انگڑائی لے تو اسے بھی سلا دینا، ورنہ تمہارا انجام یہی ہو گا جو تم دیکھ رہے ہو۔ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جس لذت کی وہ پیداوار ہے اُسی لذت کا شیدائی ہو کر تباہ ہوتا ہے اور بڑے بُرے انجام کو پہنچتا ہے۔ انسان کی اِس کمزوری نے قوموں کے نام و نشان مٹا دیئے ہیں۔"

لڑکی کے بولنے کے انداز میں جادو کا سا اثر تھا۔ یہ کسی پہلو اِس دنیا کی لڑکی نہیں تھی۔ اس کے سینے میں ایک مقدس پیغام تھا۔ الناصر اور اُس کے ساتھیوں پر تقدس طاری ہو گیا اور وہ خود فراموشی کے عالم میں سنتے رہے۔ پھر وہ اونگھنے لگے اور ایک ایک کر کے لڑھک گئے۔ چاروں گہری نیند سو گئے تو بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی کی طرف دیکھا۔ دونوں مسکرائیں اور انہوں نے سکون کی لمبی آہ بھری۔

☆

الناصر کو کچھ خبر نہیں تھی کہ جس طرح اُس کا مشن کامیاب ہو چکا ہے اُسی طرح اُس کی فوج ایک ہی حملے میں اپنے مشن میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اتحادی فوج کو سلطان ایوبی کمبھیر کر بھگا چکا تھا۔ اتحادی فوج کا سالار اعلیٰ سیف الدین میدانِ جنگ سے! پتہ ہو چکا تھا اور اب سلطان ایوبی سیف الدین کے ایک سالار مظفر الدین کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر مظفر الدین میدانِ جنگ میں مُڑا تو وہ جوابی حملہ ضرور کرے گا۔ سلطان ایوبی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ مظفر الدین وہیں تھا۔ اُس کے پاس اس فوج کا چوتھائی حصہ تھا جو سلطان ایوبی کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ چکی تھی۔ اس چوتھائی حصے کو جنگ میں شریک ہونے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ یہ شکست خوردہ فوج کا محفوظہ تھا جو محفوظ تھا اور سلطان ایوبی اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ یہ اس کی چھپی جس تھی جو اُسے بتا رہی تھی کہ خطرہ ابھی موجود ہے۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کو میدانِ جنگ کے ارد گرد دُور دُور تک پھیلا دیا تھا کہ جونہی کوئی فوج ہو اُس کی اطلاع فوراً پہنچائیں۔

وہاں ہر فوجی کے ذہن میں یہی خیال تھا کہ سیف الدین کی فوج مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے اور یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس فوج کا کوئی سپاہی یا افسر زندہ موجود ہو گا۔ اِن میں سے جو زندہ موجود تھے، وہ سلطان

ایوبی کی فوج کی حراست میں جنگی قیدی تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ خطہ ایسا تھا جس کے خدوخال کئی کئی دستوں کو ایک ایک نشیب میں، چٹانوں کے جھرمٹ میں یا جنگل میں چھپا سکتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسی نظام کو یہی دشواری پیش آ رہی تھی، حالانکہ یہ وہ نظام تھا جو دشمن کے پیٹ میں جا کر راز نکال لایا کرتا تھا۔

مظفر الدین نے میدانِ جنگ سے دو اڑھائی میل دُور ایسی جگہ اپنے دستے چھپا رکھے تھے جو اس خطے کا نشیبی علاقہ تھا۔ وہاں جنگل بھی تھا اور ارد گرد چٹانیں بھی۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھا سلطان ایوبی پر حملے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ اس کا ایک نائب سالار خیمے میں داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔

"کوئی نئی خبر ہے؟"۔۔۔ مظفر الدین نے پوچھا۔

"صلاح الدین ایوبی کی فوج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی"۔۔۔ نائب سالار نے کہا۔ "تفصیل اس سے سُن لو۔ یہ سب کچھ دیکھ آیا ہے۔"

یہ آدمی جاسوس تھا۔ اُس نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کی فوج نے ابھی ہماری اس فوج کا سامان نہیں اٹھایا جو بھاگ گئی ہے۔ زخمیوں کو اٹھا لے گئے ہیں۔ لاشیں بھی اُٹھا لی گئی ہیں۔ ہماری لاشوں کو بھی وہ اپنی لاشوں کے ساتھ الگ الگ قبروں میں دفن کر رہے ہیں۔"

"مجھے اُن کی خبر سناؤ جو ابھی زندہ ہیں"۔۔۔ مظفر الدین نے کہا۔۔۔ "مرنے والوں کو قبروں میں اُترنا ہے، وہ اُتر رہے ہیں۔ کیا ایوبی نے اپنی فوج میں کوئی ردوبدل کیا ہے؟ اُس کا دایاں بازو وہیں ہے یا اِدھر اُدھر ہو گیا ہے؟"

"قابلِ صد احترام سالار!"۔۔۔ جاسوس نے کہا۔۔۔ "میں سپاہی نہیں کہ ذمہ دار ہوں۔ میں جو خبر دے رہا ہوں وہ کچھ سوچ کر اور کچھ سمجھ کر دے رہا ہوں۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ آپ کو خوش کروں اور آپ کی خفگی سے ڈروں۔ میرا مقصد بالکل آپ ہی کی طرح یہی ہے کہ سلطان ایوبی کی فتح کو شکست میں بدلا جائے۔ آپ کچھ جلدی میں معلوم ہوتے ہیں۔ جلدی ضرور کریں، جلد بازی سے بچیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں مجھے کہنے دیں۔ مجھے پابند نہ کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی نظر سلطان ایوبی کے دائیں پہلو پر ہے کیونکہ یہی ہدف آپ کی آسان زد اور رسائی میں ہے مگر میں نے اُس کی فوج کے دوسرے حصوں کو یہ پیشِ نظر رکھ کر دیکھا ہے کہ ہم اُس کے دائیں پہلو پر حملہ کریں گے، تو سلطان ایوبی فوج کے دوسرے حصوں کو کس طرح استعمال کرے گا۔"

"وہ ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گا"۔۔۔ مظفر الدین نے کہا۔۔۔ "گھیراؤ وسیع رکھے گا۔ ہمیں گھمائے پھرائے گا اور گھیرا تنگ کرتا جائے گا۔ میں اُس کی چالوں کے متعلق پیش گوئی کر سکتا ہوں۔"

"صلاح الدین ایوبی نے محفوظہ کے اُن دستوں کو جن سے اُس نے ہمارے قلب پر حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی ہے پھر سے سمیٹ لیا اور اگلے دستوں سے ایک کوس پیچھے تیار رکھا ہوا ہے۔ آپ ٹھیک سمجھے ہیں کہ سلطان ایوبی ہمارے حملہ آور دستوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گا۔ میں نہروں کا جو ذکر کر رہا تھا، وہ بے معنی نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کا دایاں بازو جس جگہ ہے اُس سے ڈیڑھ ایک کوس پیچھے ہماری اور ایوبی کی فوج

کی وشوں کے لیے قبریں کھودی گئی ہیں۔ اُن کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ یہ ڈیڑھ ہزار گڑھے ہیں۔ آپ قبر کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی سے واقف ہیں۔ آپ اسی سمت سے حملہ کریں کہ ایوبی کے دستے پیچھے ہٹیں۔ آپ انہیں قبروں کے قریب لے جائیں۔ دست بدست لڑنے کی بجائے قبروں کا اندھا دُھند استعمال کریں اور انہیں مجبور کردیں کہ قبروں پر چلے جائیں۔ آپ تصور کرسکتے ہیں کہ گھوڑے کھُلی ہوئی قبروں میں کس طرح گریں گے۔ اِن میں سے جن قبروں میں لاشیں اُتار کر ان پر ڈھیریاں بنادی گئی ہیں وہ بھی اُن کے لیے رکاوٹ بنیں گی۔"

"ایوبی کے دائیں بازو کی قوت کتنی اور کس قسم کی ہے؟" — مظفرالدین نے پوچھا۔

"کم از کم ایک ہزار سوار اور ڈیڑھ ہزار پیادے ہیں" — جاسوس کمانڈر نے جواب دیا — "یہ دستے تیاری کی حالت میں ہیں۔ آپ انہیں بے خبری میں نہیں لے سکتے" — اُس نے اس نقشے پر جو مظفرالدین کے آگے پڑا تھا، ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا — "یہ ہے دشمن (ایوبی) کا دایاں بازو۔ میرے اندازے کے مطابق اُس کا پھیلاؤ آٹھ سو قدم ہے۔ اُس کے سامنے کی زمین گڑھوں والی ہے۔ نیچی نیچی گول گول ٹیکریاں بھی ہیں۔ اُس کے دائیں کا علاقہ صاف ہے۔ حملے کے لیے یہ راستہ موزوں نظر آتا ہے مگر حملہ سامنے سے کیا جائے۔ دشمن پیچھے ہٹے گا۔"

"میرا حملہ سامنے کے بیکار راستے سے بھی ہوگا، دائیں جانب سے صاف راستے سے بھی" — مظفرالدین نے کہا — "میں قبروں کے گڑھوں اور ڈھیریوں کو استعمال کروں گا" — اُس نے اپنے نائب سالار سے کہا — "کوئی بھی آدمی کہیں بھی نظر آئے اُسے پکڑ لو۔ یہ علاقہ جنگ کی لپیٹ میں آیا ہُوا ہے۔ اِدھر سے کوئی مسافر نہیں گزرے گا۔ اِدھر سے وہی گزرے گا جو جاسوس ہوگا۔"

☆

دو مسافروں کو شاید معلوم نہیں تھا کہ یہ علاقہ جنگ کی لپیٹ میں آیا ہُوا ہے۔ ایک اونٹ پر سوار تھا۔ وہ بوڑھا تھا۔ اُس کی داڑھی سفید تھی۔ اونٹ پر کچھ سامان بھی لدا ہُوا تھا۔ دوسرے نے اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ وہ دونوں دیہاتی لباس میں تھے۔ وہ اُس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں سے مظفرالدین کے چھُپے ہوئے دستے نظر آرہے تھے۔ ایک فوجی نے انہیں پکارا۔ وہ نہ رُکے۔ اُن کی رفتار تیز ہوگئی۔ ایک گھوڑ سوار اُن کے پیچھے گیا تو وہ رُک گئے۔ سوار نے انہیں ساتھ چلنے کو کہا۔

"ہم مسافر ہیں" — جوان آدمی نے کہا — "آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ ہمیں جانے دیں"

"حکم ہے کہ یہاں سے جو گزرے اُسے روک لیا جائے" — گھوڑ سوار نے کہا اور اُنہیں اپنے ساتھ لے گیا۔

اُنہیں ایک خیمے کے سامنے جا کھڑا کیا اور خیمے میں اطلاع دی گئی۔ ایک کمانڈر باہر آیا۔ اس نے اُن سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں۔ انہوں نے جو جواب دیا اس سے کمانڈر مطمئن ہوگیا، لیکن اس نے انہیں بتایا کہ انہیں آگے نہیں جانے دیا جائے گا۔ انہیں عزت سے رکھا جائے گا قید میں نہیں۔

اُن کے اس سوال کا جواب نہ دیا جا سکا کہ انہیں کب تک یہاں رکھا جائے گا۔ یہ پہلے مسافر تھے جنہیں مظفرالدین کے حکم کے مطابق روکا گیا تھا۔ انہیں دو سپاہیوں کے حوالے کرکے کہا گیا کہ وہ اُن کے خیمے میں رہیں گے۔ ان کی کسی نے نہ سُنی۔

انہیں جس خیمے میں رکھا گیا وہاں بھی دو سپاہی رہتے تھے۔ رات کو سپاہی سو گئے۔ سفید ریش بوڑھا جاگ رہا تھا۔ خیمے میں اندھیرا تھا۔ بوڑھے نے خراٹوں سے اندازہ کیا کہ دونوں سپاہی سو گئے ہیں۔ اس نے اپنے ساتھی کو ٹھوکر ماری۔ دونوں لیٹے لیٹے سرکنے لگے۔ جب خیمے کے دروازے تک پہنچے تو باہر کو سرک گئے۔ باہر خاموشی تھی۔ خیمے سے کچھ دُور جا کر بوڑھے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ اس سے الگ ہو جائے اور کسی اور سمت سے خیمہ گاہ سے باہر نکلے۔ دونوں الگ ہوگئے۔ اُن کی یہ توقع پوری نہ ہُوئی کہ وہاں سارا کیمپ سویا ہُوا ہوگا۔ سنتری جاگ رہے تھے۔ ایک سنتری نے اندھیرے میں سائے کو حرکت کرتے دیکھا تو اُسے للکارنے کی بجائے اُس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ بوڑھا تھا۔ اُس نے سنتری کو دیکھ لیا اور وہ کہیں چھُپ گیا۔ سنتری آیا۔ اُسے ڈھونڈنے لگا۔ وہاں کچھ سامان پڑا تھا۔ اس ڈھیر میں کہیں چھُپا رہا۔ پھر اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے دبے پاؤں نکل گیا۔ بالکل اسی طرح ایک اور سنتری نے اُس کے ساتھی کو دیکھ لیا۔ مظفرالدین نے جاسوسوں پر نظر رکھنے اور انہیں پکڑنے کے بڑے ہی سخت احکام دے رکھے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے جاسوس بہت تیز اور ہوشیار ہیں۔ چنانچہ مظفرالدین نے اُس کے جاسوسوں کو پکڑنے کے لیے خاص قسم کی ہدایات دی تھیں۔ انہی ہدایات کے مطابق سنتری بوڑھے اور اُس کے ساتھی کو پکارتے نہیں تھے۔ اُن کا تعاقب کررہے تھے۔

بوڑھے کا ساتھی بھی چھُپ گیا۔ اِدھر بوڑھا بھی ایک سنتری کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھا ایک اور جگہ چھُپا۔ سنتری اُس کے پیچھے آرہا تھا۔ سنتری غلط فہمی میں آگے نکل گیا۔ بوڑھے نے خنجر نکال لیا۔ اُس نے ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اس سنتری سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے خنجر سے ہلاک کردے گا۔ بوڑھا اٹھا۔ ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ کدھر کو نکلے کہ اچانک ایک آدمی اُس کے قریب آگیا۔ بوڑھے نے ذرہ بھر توقف نہ کیا۔ خنجر اُس آدمی کے دل میں اتار دیا۔ فوراً بعد دوسرا وار کیا۔ اُس آدمی کے منہ سے آواز نکلی اور خاموش ہوگئی۔ وہ آدمی گر پڑا۔

بوڑھا وہاں سے بھاگنے کی راہ دیکھ رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا۔ بوڑھے نے جسم کو اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ اُسے دبوچنے والا اس سے الگ ہو کر گرا۔ وہ تیز بھاگا مگر کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اُس نے جسے گرایا تھا وہ اُٹھ کھڑا ہُوا تھا۔ وہ تیز دوڑا اور بوڑھے کو پیچھے سے پکڑ لیا، ساتھ ہی اُس نے شور مچا دیا۔ مشعلیں جل اُٹھیں۔ تین چار سنتری دوڑے آئے۔ انہوں نے مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ یہ تو کوئی سفید ریش بزرگ ہے مگر ان سب سے آزاد ہونے کے لیے ایسی پھُرتی اور ایسی طاقت کا مظاہرہ کررہا تھا جو اس عمر میں کم ہی کسی انسان میں ہوتی ہے۔ وہ اکیلا تھا۔ سنتری زیادہ تھے۔ وہ ان سے آزاد نہ ہوسکا مگر اس

کوشش میں اُس کی سفید داڑھی اُتر کر گر پڑی۔ سب نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر چھوٹی چھوٹی سیاہ داڑھی تھی جو سلیقے سے تراشی ہوئی تھی اور وہ ایک جوان آدمی تھا۔ سفید داڑھی مصنوعی تھی۔

اُسے پکڑ کر اُس جگہ لے گئے جہاں اُس نے ایک سنتری کو خنجر کے دو وار کر کے مار ڈالا تھا۔ مشعل کی روشنی میں سب نے دیکھا کہ وہ کوئی سنتری نہیں بلکہ اسی آدمی کا ساتھی تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ اُس آدمی نے جو سفید داڑھی لگا کر بوڑھا بنا ہُوا تھا اپنے ہی ساتھی کو سنتری سمجھ کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ دونوں ساتھی الگ الگ ہو کر کیمپ سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر سنتریوں نے انہیں دیکھ لیا۔ یہ دونوں تعاقب سے بچنے کی کوشش میں اکٹھے ہو گئے۔ سفید داڑھی والے نے اُسے سنتری سمجھا اور نہایت عجلت میں اُسے خنجر سے مار ڈالا۔ لاش کی تلاشی لی گئی۔ اس کے کپڑوں کے اندر سے خنجر برآمد ہُوا۔ اُن کے اونٹ پر جو سامان تھا وہ کھول کر دیکھا گیا تو کوئی سامان نہیں تھا۔ بوریوں میں گھاس پھونس بھر کر سامان کا دھوکہ دیا گیا تھا۔

اس آدمی کو ایک نائب سالار کے خیمے میں لے گئے۔ نائب سالار جاگ اُٹھا۔ اُس نے اس آدمی سے بہت کچھ پوچھا لیکن اُس نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اس کی سفید داڑھی جو اُس کے چہرے سے اُتری تھی، نائب سالار کو دکھائی گئی۔ اس کے متعلق بھی اُس نے خاموشی اختیار کی مگر یہ ایسے ثبوت تھے جنہیں وہ جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ تسلیم کرے کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور اُس کا ساتھی بھی جاسوس تھا۔ اُس نے یہ الزام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اُسے مارا پیٹا گیا۔ بہت پریشان کیا گیا لیکن اُس نے اعتراف نہ کیا کہ وہ جاسوس ہے۔ رات گزر گئی۔

صبح اُسے مظفرالدین کے سامنے لے جایا گیا اور اُسے رات کا واقعہ سنایا گیا۔ اُس کی مصنوعی داڑھی اور اس کے اونٹ کا سامان بھی مظفرالدین کے آگے رکھا گیا۔

"علی بن سفیان کے شاگرد ہو یا حسن بن عبداللہ کے؟" — مظفرالدین نے اس سے پوچھا۔ (علی بن سلطان ایوبی کی ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ اور حسن بن عبداللہ اس کا نائب تھا)

"میں ان دونوں میں سے کسی کو نہیں جانتا" — ملزم نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں ان دونوں کو" — مظفرالدین نے کہا — "میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا شاگرد ہوں، استاد اپنے شاگرد کو دھوکہ نہیں دے سکتا"

"میرا آپ کے ساتھ اور سلطان ایوبی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں" — ملزم نے جواب دیا۔

"سنو میرے بدقسمت دوست!" — مظفرالدین نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "میں تمہارے ساتھ بحث نہیں کروں گا۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ تم نالائق اور نکمے ہو۔ تم نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔ پکڑا جانا کوئی عیب نہیں۔ تمہاری بدقسمتی کہ تمہارا ساتھی تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہارا کوئی ساتھی یہاں سے ہو گیا ہے اور وہ ایوبی کو اطلاع دے چکا ہے کہ اس جگہ فوج ہے؟ اور یہ بتا دو کہ اس وقت تمہاری فوج کی ترتیب کیا ہے اور دستے کہاں کہاں ہیں۔ ان سوالوں کا جواب دو اور میں تمہارے ساتھ قرآن کے نام پر وعدہ

کرتا ہوں کہ جنگ ختم ہوتے ہی تمہیں رہا کر دوں گا۔ اس وقت تک پوری عزت سے تمہیں اپنے پاس رکھوں گا"

"مجھے آپ کی قسم پر اعتبار نہیں" — ملزم نے کہا — "کیونکہ آپ قرآن سے منحرف ہو چکے ہیں"

"کیا میں مسلمان نہیں؟" — مظفرالدین نے تحمل سے کہا۔

"آپ یقیناً مسلمان ہیں" — ملزم نے جواب دیا — "لیکن آپ قرآن کے نہیں صلیب کے وفادار ہیں"

"میں اپنی توہین اس شرط پر برداشت کروں گا کہ میں نے جو پوچھا ہے وہ مجھے بتا دو" — مظفرالدین نے کہا — "تمہاری جان میرے ہاتھ میں ہے"

"آپ خدا کے ہاتھ سے میری جان چھین نہیں سکتے" — ملزم نے کہا — "آپ ہماری فوج میں رہ چکے ہیں۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی اپنی جان خدا کے سپرد کر چکا ہے۔ میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں اپنی فوج کا جاسوس ہوں اور میرا ساتھی بھی جاسوس تھا۔ میں آپ کے کسی اور سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ میں زندہ ہوں، میری کھال اتارنی شروع کر دیں۔ میرے منہ سے اپنے سوالوں کا جواب نہیں سن سکو گے.... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ شکست آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے"

"اس کے ٹخنوں میں رسی ڈالو اور اس درخت کے ساتھ اُلٹا لٹکا دو" — مظفرالدین نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔

☆

"وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے" — حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی سے کہہ رہا تھا — "اُن کے پکڑے جانے کا تو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہمارے جاسوسوں کو یہاں پکڑنے والا کون ہے۔ انہیں بہت دُور بھی نہیں بھیجا تھا"

"ہو سکتا ہے وہ پکڑے گئے ہوں" — سلطان ایوبی نے کہا — "وہ جو صبح کے گئے ہوئے شام کے بعد تک نہیں آتے وہ پکڑے گئے ہوں گے۔ اُن کا نہ آنا ظاہر کرتا ہے کہ یہاں پکڑنے والے موجود ہیں۔ آج رات کچھ آدمی اور بھیج دو اور فدا دُور کے علاقے کی دیکھ بھال کراؤ"

وہ انہی دونوں جاسوسوں کے متعلق بات کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے ہمیشہ اپنے جاسوسی کے نظام پر بھروسہ کیا اور دشمن کو اسی نظام کی راہنمائی میں ناک چنے چبوائے تھے مگر اب اس کا یہ نظام اس کے لیے بیکار ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا مدِمقابل اس کا شاگرد مظفرالدین تھا۔ گذشتہ رات سلطان ایوبی کے ایک جاسوس کی لاش ترکمان سے کچھ دُور ویرانے میں پڑی ملی تھی۔ اُس کے پہلو میں تیر اُترا ہُوا تھا۔ مظفرالدین نے اپنے نائب سالاروں سے کہا تھا — "اگر تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کے خلاف اقدام کر سکو تو وہ اندھا اور بہرہ ہو جائے۔ پھر تم اسے شکست دینے کی سوچ سکتے ہو" — اب سلطان ایوبی کے دو اور جاسوس لاپتہ ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی ان دونوں واقعات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے حکم پر حسن بن عبداللہ نے چھاپہ مار جاسوس روانہ کر دیئے۔

صبح کی اذان کی پہلی اللہ اکبر گونجی تو سلطان ایوبی کی آنکھ کھلی..... وہ خیمے سے باہر نکلا تو اُس کے خادم نے مشعل جلا کر اس کے خیمے کے آگے رکھ دی۔ اُدھر سے ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی کے سامنے رک کر وہ گھوڑے سے اترا اور کہا: "سلطان کا اقبال بلند ہو۔ اپنے دائیں پہلو کے علاقے کے سامنے کسی فوج کی حرکت سنی گئی ہے۔ دیکھ بھال کے لیے دو آدمی آگے گئے تھے۔ انہوں نے تصدیق کی ہے کہ فوج آ رہی ہے۔"

سلطان ایوبی نے مرکزی کمان کے سالاروں کے نام لے کر کہا کہ انہیں فوراً بلاؤ۔ وہ زمین پر بیٹھ گیا اور تیمم کیا۔ اُس کے پاس وضو کے لیے وقت نہیں تھا۔ وہیں قبلہ رُو ہو کر اُس نے مصلّے بچھائے بغیر نماز پڑھی۔ مختصر الفاظ میں دعا مانگی اور اپنا گھوڑا منگوایا۔

"یہ مظفرالدین کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا"۔۔۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔۔۔ "یہ صلیبی نہیں ہو سکتے۔ اُن کے آنے کی سمت یہ نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے کہ دشمن ہمارے دائیں پہلو کے دستوں کے سامنے اور دائیں سے آ رہا ہے تو خیال رکھنا یہ دو طرفہ حملہ ہوگا۔ اپنے کسی دستے کو پیچھے نہ ہٹنے دینا۔ پیچھے ڈیڑھ ہزار قبروں کے گڑھے ہیں۔ تمام لاشوں کو ابھی دفن نہیں کیا گیا۔ یہ گڑھے ہمارے سواروں کی قبریں بن جائیں گے۔"

سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار ہُوا۔ اُس کے محافظ دستے کے بارہ محافظ اُس کے پیچھے چل پڑے۔ وہ سوار تھے۔ اُس نے آدھی درجن تیز رفتار سوار قاصد بھی ساتھ لے لیے تھے اور ساتھ دو سالار بھی تھے۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور ایک ایسی چٹان پر جا چڑھا جہاں سے وہ اپنے دائیں بازو کے سامنے کا علاقہ اور اپنے دستوں کو دیکھ سکتا تھا۔ صبح کا دُھندلکا چھٹنے لگا تھا۔ وہ چٹان سے اُترا اور دائیں بازو کے دستوں کے کمانداروں کو بلا کر حکم دیا کہ سواروں کو گھوڑوں پر سوار کرو اور پیادہ دستوں کے تیراندازوں کو سامنے والے علاقے کے کھڈوں میں اور بلندیوں کے پیچھے مورچہ بند ہونے کو دوڑا دو۔

"اب سے دائیں پہلو کے دستوں کی اعلیٰ کمان میرے پاس ہوگی"۔۔۔ اُس نے کمانداروں اور نائب سالاروں سے کہا۔۔۔ "اپنے قاصد اپنے ساتھ رکھ لو اور میرے ساتھ رابطہ رکھو۔"

سلطان ایوبی کی ٹریننگ میں نقل و حرکت کی برق رفتاری پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ کسی چال کے حکم کی تعمیل حیران کُن رفتار سے ہوتی تھی۔ مظفرالدین کی فوج ابھی اتنی قریب نہیں آئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دستوں کی حرکات دیکھ سکتی۔

☆

مظفرالدین نے گھوڑ سواروں سے حملہ کیا۔ جُوں ہی اُس کا پہلا سوار دستہ سلطان ایوبی کے دستوں کے سامنے والے علاقے میں آیا اُس کی ترتیب خراب ہو گئی کیونکہ وہاں کھڈ اور ڈھیریوں کی طرح ٹیکریاں تھیں۔ ان کھڈوں میں سلطان ایوبی کے تیرانداز بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے قریب سے اور اپنے اوپر سے گزرتے اور سرپٹ

دوڑتے گھوڑوں پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ سوار گرنے لگے۔ جس گھوڑے کو تیر لگتا تھا وہ بے لگام ہو کر اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑنے لگتا تھا۔ یہ تو ہر حملے میں ہوتا تھا۔ مظفرالدین کے لیے یہ صورتِ حال عجیب نہیں تھی۔ البتہ اُسے یہ پریشانی ہوئی کہ اُس کی توقع کے خلاف سلطان ایوبی کے دائیں بازو کے دستے بیدار تھے اور مقابلے کے لیے تیار۔ اس یلغار میں سلطان ایوبی کے بے شمار تیرانداز کھیت رہے۔ اس قربانی سے سلطان ایوبی نے یہ فائدہ حاصل کیا۔ مظفرالدین کے حملے کی شدت ختم ہو گئی۔ اب سلطان ایوبی ہم کر لڑ سکتا تھا۔ مظفرالدین یہ توقع لے کر حملہ آور ہوا تھا کہ وہ اچانک آ پڑے گا اور سلطان ایوبی کو وہ اپنی چالوں کا پابند کر کے اُسے میدانِ جنگ میں اپنی پسند کے مطابق لڑتا رہے گا، اُس کی یہ توقع ختم ہو گئی تھی۔

سلطان ایوبی اپنی چالیں چلنے کے لیے آزاد تھا۔ اُس کے چند ایک تیرانداز دستوں نے مظفرالدین کے گھوڑوں کے قدموں میں پھینک کر جانیں قربان کر دی تھیں لیکن اپنے سلطان کو وہ بڑی قیمتی جنگی فائدہ دے گئے تھے۔ مظفرالدین کا حملہ آور دستہ کئی ایک گھوڑے اور اُن کے سوار مروا کر آگے نکل آیا۔ آگے سلطان ایوبی خود تھا۔ اُس نے حملہ آوروں کا جھیلاؤ دیکھا تو اُس کے مطابق اپنے سواروں کو ایک حکم دے دیا۔ حملہ آور قریب آئے تو سلطان ایوبی کے بائیں سواروں نے گھوڑے بائیں کو موڑے اور ایڑ لگا دی۔ دائیں کے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ حملہ آوروں کے سامنے کوئی مزاحمت نہ رہی۔ مزاحمت کرنے والے دائیں اور بائیں بھاگ گئے تھے۔

حملہ آوروں کے کچھ گھوڑے دائیں کو مڑے کچھ بائیں کو۔ زیادہ تر اُس کی سیدھ میں چلے آئے۔ سلطان ایوبی کے دائیں بائیں کو بھاگنے والے سواروں نے اندر کو گھوڑے موڑے۔ اب حملہ آوروں کے گھوڑوں کے پہلو اُن کے سامنے تھے۔ انہوں نے ایڑ لگا دی..... دونوں طرف سے سواروں نے ہلّہ بولا تو اُن کی برچھیوں کا کوئی وار خالی نہ گیا۔ حملہ آور تو آگے کو دوڑے جا رہے تھے۔ وہ اپنے پہلوؤں کی حفاظت کرنے کے قابل ہی نہیں تھے۔ اُن کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ آگے کو نکل جائیں۔ آگے ڈیڑھ ہزار قبریں تھیں۔ حملہ آوروں کے پیچھے سلطان ایوبی کے سوار آ رہے تھے۔ صورت تعاقب کی بن گئی تھی۔ حملہ آوروں کے گھوڑے کھلی ہوئی قبروں سے گزرنے لگے۔

مظفرالدین گھبرا جانے والا سالار نہیں تھا۔ اُس نے کم سے کم تعداد سے حملہ کرایا تھا۔ اِس سے اُس نے میدانِ جنگ کا ذائقہ چکھ لیا اور صورتِ حال معلوم کر لی۔ اُس نے فوراً سواروں کی دوسری موج چھوڑ دی۔ سلطان ایوبی کے سواروں نے گھوڑے روک لیے تھے کیونکہ وہ قبروں سے دُور رہنا چاہتے تھے۔ وہ اگلے حکم کی تعمیل کرنے ہی لگے تھے کہ مظفرالدین کے سواروں کا دوسرا دستہ اُن کے سر پر آ گیا۔ انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ ملی۔ یہ عقبی حملہ تھا۔ اس میں سلطان ایوبی کے سواروں کا بہت جانی نقصان ہُوا۔ کئی سوار آگے کو بھاگے اور اُن کے گھوڑے قبروں میں گرے۔ اُس کے ساتھ ہی مظفرالدین نے دائیں طرف سے بھی حملہ کر دیا۔

سلطان ایوبی کے لیے صورتِ حال پریشان کُن ہو گئی۔ اُس نے قاصد کو اس حکم کے ساتھ دوڑایا کہ لشکر عقب سے حملہ کرے۔ سلطان ایوبی نے دائیں بازو کے دستوں کو جس طرح تقسیم کیا تھا وہ بیکار ہو گئی۔ مظفرالدین

اُسی کے امیدوں پر لڑ رہا تھا۔ مظفرالدین کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کے پاس کمک نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے قاصدوں کے ذریعے اپنے دستوں کے کمانڈروں سے رابطہ رکھ کر انہیں دائیں بائیں بکھیرنا شروع کر دیا اور جب عقب سے اُس کے محفوظ نے حملہ کیا تو مظفرالدین کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کا اپنا مرکز خطرے میں پڑ گیا لیکن اُس نے مُڑ جانے کی نہ سوچی۔

مورخوں کے مطابق دن کے پچھلے پہر تک دونوں فوجوں نے جو معرکہ لڑا وہ بڑا ہی خونریز اور بڑا ہی سخت تھا۔ کمان سلطان ایوبی کے ہاتھ میں تھی ورنہ صورتِ حال کچھ اور ہوتی۔ جہاں تک لڑنے کے جذبے کا اور جنگی قابلیت کا تعلق تھا مظفرالدین نے سلطان ایوبی کی زبان سے داد و تحسین کے کلمے کہلوا لیے تھے۔ اُسے شکست اس لیے ہوئی کہ اس کے پاس یہی کچھ تھا جو اُس نے آخری بازی پر لگا دیا تھا۔ وہ بازی ہار گیا۔ معرکے کے آخری مرحلے میں سلطان ایوبی نے ریزرو سوار دستے سے بڈ بولا۔ مظفرالدین کی پوزیشن بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اس نے پسپائی میں خیریت سمجھی۔ سلطان ایوبی نے بہت سے قیدی پکڑے جن میں مظفرالدین کا ایک مشیر فخرالدین بھی تھا۔ یہ کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا، سیف الدین کا وزیر تھا۔ ترکمان کے معرکے میں جب سیف الدین بھاگا تو فخرالدین مظفرالدین کے پاس چلا گیا تھا اور اُس کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ سلطان ایوبی پر حملہ کرے۔

یہ معرکہ شوال ۵۷۱ھ (اپریل ۱۱۷۶ء) میں لڑا گیا تھا۔ بیشک مظفرالدین کو شکست ہوئی تھی اور سلطان ایوبی کے مسلمان دشمنوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی مگر سلطان ایوبی کا اتنا زیادہ نقصان ہوا تھا کہ اگلے دو ماہ تک وہ ترکمان سے ہلنے کے قابل نہ رہا۔ اُس کا دایاں بازو ختم ہو گیا تھا جیسے اس کا اپنا بازو مفلوج ہو گیا ہو۔ اُس کے پاس نئی بھرتی آ رہی تھی، لیکن وہ رنگروٹوں کے ساتھ پیش قدمی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اُسی روز دمشق اور مصر قاصد دوڑا دیئے کہ کمک بھیجو۔ اگر اُس کا اتنا زیادہ نقصان نہ ہوتا تو وہ آگے جا کر حلب، موصل اور حرّان وغیرہ پر یلغار کرتا اور اپنے ان مسلمان دشمنوں کو جو فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے تھے راہِ راست پر لے آتا یا ختم کر دیتا۔

"یہ میری فتح نہیں" — سلطان ایوبی نے اس معرکے کے بعد اپنے سالاروں سے کہا — "یہ صلیبیوں کی فتح ہے۔ وہ ہمیں کمزور کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے میری پیش قدمی کی رفتار سست کر کے فلسطین پر اپنے قبضے کے عرصے کو کچھ اور طویل کر لیا ہے۔ ہمارے یہ مسلمان بھائی کب سمجھیں گے کہ کفار ان کے دوست نہیں ہو سکتے اور اُن کی دوستی میں بھی دشمنی ہوتی ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ تاریخ لکھنے والے ہماری آنے والی نسلوں کو کن الفاظ میں سنائیں گے کہ ہم آپس میں لڑے تھے۔"

اُسے ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے بھائی جو اُس سے شکست کھا کر بھاگ گئے ہیں، اُس کے قتل کا ایک اور منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اس کا تیسرا دشمن گمشتگین، حشیشین کے سردار شیخ سنان کے ہاں گیا ہوا تھا۔ اُس وقت شیخ سنان عصیات نام کے ایک قلعے میں مقیم تھا۔ اُسے یہ قلعہ صلیبیوں نے دیا تھا جس میں اس نے اپنی فوج رکھی ہوئی تھی۔ اس قلعے میں اس کے پیشہ ور قاتلوں کا گروہ بھی تھا۔

☆

عصیات اور ترکمان کے درمیان اس جہنم نما علاقے میں جہاں سلطان ایوبی کے چار بھائی بھٹکتے پہنچ گئے تھے، سورج اُفق کے قریب چلا گیا تھا۔ چھاپہ ماروں کے کمانڈر الناصر کی آنکھ کھلی۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔ دونوں لڑکیاں جاگ رہی تھیں۔ الناصر کے دل پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے اُس کے ساتھ ایسی باتیں کی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کے ساتھیوں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کریں گی۔ پھر بھی الناصر ڈر گیا۔

"انہیں جگاؤ" — بڑی لڑکی نے کہا — "ہمیں سفر کرنا ہے۔"

"ہمیں راستے پر ڈال کر جاؤ گی؟" — الناصر نے پوچھا۔

"تم سب ہمارے ساتھ چلو گے" — لڑکی نے جواب دیا — "ہمارے بغیر تم منزل تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

الناصر نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی سے کچھ کہا۔ وہ اٹھی اور وہ سے گھوڑے کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے سے کچھ نکالا۔ پانی کا مشکیزہ کھولا۔ مشکیزے کا منہ کھول کر اُس نے تھیلے میں سے جو چیز نکالی تھی وہ مشکیزے میں ڈال دی۔ اُسے ہلایا اور مشکیزہ الناصر کو دے کر کہا — "پانی پی لو۔ منزل تک شاید پانی نہ ملے۔"

الناصر اور اُس کے ساتھیوں نے پانی پیا۔ بڑی لڑکی نے چاروں کو کچھ کھانے کو دیا۔ کچھ دیر بعد گئی، تو لڑکیوں نے تھیلے اور مشکیزے گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ باندھ دیئے۔ سورج نیچے جا رہا تھا۔

"تم نے اس جگہ کو جہنم کہا تھا" — الناصر نے بلند آواز سے کہا — "یہاں تو سبزہ زار ہے۔ تم نے ہمیں آتی جلدی یہاں کس طرح پہنچا دیا ہے؟"

اُس کے تینوں ساتھی حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم تینوں کو بھی سبزہ زار نظر آ رہا ہے؟" — بڑی لڑکی نے پوچھا۔

"ہم سبزہ زار میں بیٹھے ہیں" — ایک نے کہا۔

"کیا تم ہماری جان تو نہیں لے لو گی؟" — دوسرے نے کہا — "تم جنات میں سے ہو؟"

"نہیں" — لڑکی نے مسکرا کر کہا — "ہم تمہیں اس سے زیادہ حسین حلقے میں لے جا رہے ہیں۔"

بڑی لڑکی نے الناصر اور اُس کے ایک ساتھی کو پہلو بہ پہلو بٹھا کر دونوں کے گرد اپنے بازو لپیٹ دیئے اور بولی — "میری آنکھوں میں دیکھو۔"

دوسری لڑکی نے الناصر کے دوسرے دو ساتھیوں کو اسی طرح آمنے سامنے بٹھا کر اپنے بازو اُن کے گرد لپیٹے اور انہیں اپنی آنکھوں میں دیکھنے کو کہا — چاروں چھاپہ ماروں کے کانوں میں بڑی لڑکی کی مترنم آواز داخل ہو رہی تھی — "یہ تمہاری بہشت ہے۔ ان پھولوں کے رنگ دیکھو، ان کی مہک سونگھو۔ ان میں جو پرند سے اُڑ رہے ہیں۔ وہ دیکھو کتنے خوبصورت ہیں۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ تمہارے پاؤں تلے ململ جیسی گھاس ہے۔ چشمے دیکھو۔ اُن کا شفاف پانی میٹھا ہے۔۔۔"

لڑکی کی آواز جادو کی طرح ان چاروں کی عقل پر اور آنکھوں پر اور تمام حسوں پر غالب آتی جا رہی تھی۔

انا صر نے بعد میں حسن بن عبداللہ کو جو بیان دیا تھا اس میں اس نے بتایا کہ لڑکیوں کی آنکھوں میں دیکھ کر انہیں پانی کے شفاف چشمے نظر آنے لگے۔ ان کے ریشم جیسے بال جو اُن کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے کسی بڑے ہی دل کش پودے کی پھولدار بیلیں بن گئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک باغ میں پایا جس کے حُسن کو اور جس کے پھولوں کے رنگوں کو بیان نہیں کر سکتا۔ وہاں ریت اور مٹی کے بے ڈھب ٹیلے نہیں تھے۔ ریگزار نہیں تھا۔ ہرے بھرے درخت اور پودے تھے اور نیچے نرم جیسی گھاس کا فرش تھا۔ رنگ برنگے پرندے چہک اور چہچہا رہے تھے۔ اور وہ اس بہشت میں چلے جا رہے تھے۔

☆

وہ چاروں نرم جیسی جس گھاس پر چلے جا رہے تھے وہ درحقیقت ریت تھی۔ کہیں کہیں زمین سخت بھی تھی اور وہ چاروں ایک گیت گنگناتے جا رہے تھے۔ دونوں لڑکیاں اُن سے چند قدم نیچے گھوڑوں پر جا رہی تھیں۔ اُن کا رُخ ترکمان کی طرف نہیں تھا جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی اور جہاں چاروں چھاپہ ماروں کی منزل تھی بلکہ اُن کا رُخ عصیات کے قلعے کی طرف تھا جہاں حشیشین کا سردار شیخ سنان رہتا تھا۔ انا صر نہ اس کے ساتھیوں کو کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ اُن کا یہ احساس مردہ ہو چکا تھا کہ وہ جا نہیں رہے انہیں لے جایا جا رہا ہے۔ اُن کے نیچے نیچے جاتی لڑکیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ یہ باتیں چھاپہ ماروں کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔

"تم کہتی ہو کہ رات کہیں قیام نہیں کریں گی"۔۔۔ چھوٹی لڑکی نے بڑی سے کہا۔۔۔ "کیا یہ چاروں رات بھر پیدل چل سکیں گے؟"

"تم نے پانی میں انہیں حشیش کی جو مقدار پائی ہے، اس کا اثر کل شام تک رہے گا"۔۔۔ بڑی لڑکی نے کہا۔۔۔ "اور میں نے انہیں جو کھلایا ہے وہ تم نے دیکھا ہے۔ ان سے تم بے فکر ہو جاؤ۔ مجھے اُمید ہے، سورج نکلنے سے پہلے ہم عصیات پہنچ جائیں گے"

"میں تو انہیں دیکھ کر ڈر گئی تھی"۔۔۔ چھوٹی لڑکی نے کہا۔۔۔ "یہ تمہارا کمال ہے کہ تم نے ان پر قابو پا لیا اور ان پر یہ ظاہر کیا کہ ہم جنات ہیں۔ یہ مسلمان جنات کے وجود کو مانتے ہیں"

"یہ عقل کا کھیل تھا"۔۔۔ بڑی لڑکی نے کہا۔۔۔ "میں نے ان کی ذہنی حالت پر تجزیہ کیا تھا۔ ان کے چہرے اور ان کی چال ڈھال دیکھ کر میں سمجھ گئی تھی کہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہیں اور راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ میں یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ انہیں دیکھ کر یہ چاروں ڈر گئے ہیں۔ اگر ہم ڈرتے، اور عورتوں کی طرح بزدلی کا مظاہرہ کرتیں تو یہ چاروں ہمارے ساتھ وہ سلوک کرتے جو تم ساری عمر نہ بھول سکتی۔ اس ویرانے میں کسی کو ہم جیسی لڑکیاں مل جائیں تو وہ انہیں بہنیں اور بیٹیاں نہیں سمجھا کرتا۔ میں نے ان کی جسمانی حالت دیکھی، پھر میں نے مسلمانوں کی یہ کمزوری سامنے رکھی کہ جنات کے معاملے میں یہ قوم توہم پرست ہے۔ میں نے اپنے آپ کو جن بنا لیا۔ اس مہم میں ہم جیسی لڑکیوں کی موجودگی کو ان کی عقل تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ یہیں وہ تصور سمجھ سکتے تھے یا جنات۔ میں نے ان سے جس

انداز سے بات کی اس سے انہیں یقین ہو گیا کہ ہم جنات ہیں۔ میں اس قوم کی جذباتی کمزوریوں سے واقف ہوں۔ تمہیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ذرا جلدی سیکھ لو۔ ہم نے سیف الدین جیسے چالاک آدمی کو اپنے اشاروں پر نچا دیا ہے۔ یہ تو سپاہی ہیں"

"معلوم نہیں میں کیوں اس فن میں کامیاب نہیں ہو رہی"۔۔۔ چھوٹی لڑکی نے کہا۔۔۔ "میرا دل ساتھ نہیں دیتا۔ کوشش کرتی ہوں کہ تم جیسے کامیاب دکھا سکوں لیکن دل سے آواز آتی ہے کہ یہ فریب ہے"

"پھر تم ان مردوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہو گی"۔۔۔ بڑی لڑکی نے کہا۔۔۔ "تم پہلی بار باہر نکلی ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ تم کامیاب نہیں ہوئی۔ تم دردِ دانستہ بنی رہی۔ اس طرح تم صلیب کی کوئی خدمت نہیں کر سکتی۔ تم اپنے جسم کو وقت سے بہت پہلے بوڑھا کر لو گی اور یہ مرد تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ مسلمان امراء اور حکمرانوں کے لیے تفریح کا سامان بنیں۔ ہمیں ایک جادو بن کر اُن کی عقل پر غالب آنا ہے۔ ان چاروں فوجیوں میں تم نے تو ہم پرستی کی جو کمزوری دیکھی ہے، وہ ہمارے صلیبی استادوں اور یہودیوں نے پیدا کی ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے انہیں کتنی جلدی اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ میں نے ان چاروں سے ایک بات کہی تھی۔ یہ مجھے میرے استاد نے بتائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ انسان ایک لذت کی پیداوار ہے اور وہ ہمیشہ اس لذت کا خواہاں رہتا ہے۔ اس خواہش کو دبانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں لذت پرستی اُبھاری جائے کیونکہ یہی انسان کی وہ کمزوری ہے جو اسے تباہی تک پہنچاتی ہے۔ تمہیں وہ رات یاد نہیں جب سیف الدین نے ہماری موجودگی میں اپنے ایک سالار سے کہا تھا کہ وہ اس پر غور کرنا چاہتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی سے صلح کر لی جائے۔ میں نے اسی رات اس کے دماغ سے یہ خیال نکال دیا تھا"

"عصیات پہنچ لیں تو یہ استادی مجھ میں بھی پیدا کرو"۔۔۔ چھوٹی لڑکی نے کہا۔۔۔ "مجھے اس کام سے نفرت سی ہوتی جا رہی ہے۔ میں ان مسلمان حاکموں کا کھلونا بنی رہی ہوں۔ تم دامن بچا لیتی رہی۔ میں نہیں بچا سکی۔ کبھی کبھی کہیں بھاگ جانے کا ارادہ دل میں تڑپتا ہے مگر کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور کوئی پناہ نہیں ملتی"

"سب کچھ سیکھ جاؤ گی"۔۔۔ بڑی لڑکی نے کہا۔۔۔ "تمہیں میرے ساتھ تربیت کے لیے ہی بھیجا گیا تھا۔ میں نے تمہاری کمزوریاں دیکھ لی ہیں۔ یہ دور ہو جائیں گی"

انا صر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ لڑکیوں نے گھوڑے اُن سے آگے کر لیے تاکہ یہ چاروں راستے سے ہٹ نہ جائیں۔ وہ ایک آواز میں گیت گا رہے تھے۔ ریت، مٹی اور پتھر اُن کے لیے گھاس بنے ہوئے تھے۔

"انہیں کسی دوسری طرف روانہ کر دینا تھا"۔۔۔ چھوٹی لڑکی نے کہا۔۔۔ "انہیں عصیات لے جا کر کیا کرو گی؟"

"اپنے پیر استاد شیخ سنان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا"۔۔۔ بڑی لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار ہیں اور جاسوس بھی۔ مجھے خاص طور پر بتایا گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک جاسوس پکڑ کر اس کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے لو تو سمجھو کہ تم نے اُس کی فوج کے ایک ہزار سپاہی بے کار

کر دیئے ہیں۔ ایوبی نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کو جو تربیت دے رکھی ہے اس سے وہ اوسط درجہ کے انسانوں سے بہت اوپر چلے گئے ہیں۔ جسمانی لحاظ سے ان میں غیر معمولی پھرتی اور قوتِ برداشت ہوتی ہے اور ذہنی لحاظ سے یہ اپنے فرض کے دیوانے ہوتے ہیں۔ ان چاروں نے جو شب خون مارے اور اس تھکن کے بعد صحرا میں جو مصیبت، بھوک اور پیاس برداشت کی ہے وہ کوئی اور انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ ہماری فوج میں یہ جذبہ نہیں ہے۔ ان چاروں کو میں شیخ سنان کے حوالے کروں گی۔ اس کے آدمی جو اس فن کے ماہر ہیں ان چاروں کے اسی جذبے اور جسمانی خوبیوں کو اپنی طرف منتقل کریں گے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کی کئی کوششیں ہو چکی ہیں مگر کامیاب ایک بھی نہیں ہوئی۔ ان چاروں کو حشیش اور استادی کے ذریعے ایوبی کے قتل کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ اُس کے اپنے چھاپہ مار ہیں۔ اُس تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"کیا صلاح الدین ایوبی پر اس طرح قابو نہیں پایا جا سکتا جس طرح سیف الدین، گشتگین وغیرہ کو اپنے قبضے میں لیا گیا ہے؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں۔" بڑی لڑکی نے جواب دیا۔ "جو انسان لذت سے دست بردار ہو کر ایک مقدس مقصد کو دل میں بٹھا لے اُسے ہم جیسی حسین لڑکیاں اور سونے کے انبار راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔ ایوبی ایک بیوی کا قائل ہے۔ نورالدین زنگی میں بھی یہی خرابی تھی کہ سلطان ہو کر بھی اُس نے گھر میں ایک ہی بیوی رکھی اور مرتے دم تک اُس کا وفادار رہا۔ یہی خرابی صلاح الدین میں ہے۔ کوشش کی جا چکی ہے۔ اس پتھر کو موم نہیں کیا جا سکا۔ فلسطین پر قبضہ برقرار رکھنے کا یہی طریقہ رہ گیا ہے کہ ایوبی کو قتل کرا دیا جائے؟"

"مجھے ایسے آدمی اچھے لگتے ہیں جو ایک عورت کے وفادار رہتے ہیں۔" چھوٹی لڑکی نے کہا۔ "میں صلیب کی پرستار ہوں اور صلیب کا مقصد سمجھنے کے بعد بھی کبھی سوچا کرتی ہوں کہ میں کسی ایک آدمی کے دل میں اُتر جاؤں اور وہ میرے جسم اور میری روح کا حصہ بن جائے۔"

"جذبات سے نکلو۔" بڑی لڑکی نے اُسے ڈانٹ کر کہا۔ "اپنے اُس عظیم مقصد کو سامنے رکھو جو تمہیں صلیب نے دیا ہے۔ اپنے حلف کو یاد کرو جو تم نے صلیب ہاتھ میں لے کر اُٹھایا تھا۔ میں جانتی ہوں تم جوان ہو اور جذبات پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا لیکن صلیب ہم سے یہ قربانی مانگ رہی ہے۔"

یہ پُراسرار قافلہ چلتا رہا۔ الناصر اور اُس کے ساتھی لڑکیوں کے گھوڑوں کے پیچھے پیچھے گاتے، گنگناتے اور قہقہے لگاتے جا رہے تھے۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی اُن کی منزل قریب آتی جا رہی تھی۔

☆

یہ لڑکیاں کون تھیں؟

یہ اُسی قبیل کی لڑکیاں تھیں جن کے متعدد قصے آپ پڑھ چکے ہیں۔ صلیبی اور یہودی غیر معمولی طور پر حسین اور دلکش بچیوں کو استادوں کے حوالے کر کے انہیں خصوصی تربیت دیتے تھے۔ انہیں ذہنی تخریب کاری، کردار کشی اور اپنے دشمن کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے ڈھنگ سکھاتے تھے۔ انہیں سراپا لذت

بنا دیا جاتا تھا۔ لڑکپن میں انہیں یہ ٹریننگ دی جاتی تھی کہ اپنے دشمن کی سوچوں پر کس طرح قبضہ کیا جاتا ہے۔ ان لڑکیوں میں شوخی اور بے حیائی پیدا کی جاتی تھی۔ انہیں جذبات سے عاری کر دیا جاتا تھا۔ یہودی عیسائیوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے اس لیے وہ اپنی بچیاں صلیبیوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ صلیبی اپنی لڑکیوں کو بھی استعمال کرتے تھے اور وہ اُن علاقوں میں جن پر اُن کا قبضہ تھا، مسلمانوں کے قائدین پر حملے کرتے اور کوئی خوبصورت بچی مل جائے تو اُسے اٹھا لے جاتے تھے۔ اُسے اپنے مقاصد کے لیے تیار کر لیتے تھے۔

یہ دو لڑکیاں کچھ عرصہ پہلے تحفے کے طور پر صلیبیوں نے والیٔ موصل سیف الدین کو بھیجی تھیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ سیف الدین سلطان صلاح الدین ایوبی کا دشمن تھا۔ ان دو لڑکیوں کو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا کہ ایک تو جاسوسی کرتی رہیں اور دوسرا یہ کہ سیف الدین کو کبھی یہ نہ سوچنے دیں کہ وہ سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر لے۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ سلطان ایوبی کے خلاف جو مسلمان امراء متحد ہو گئے تھے انہیں اندر سے ایک دوسرے کے خلاف رکھا جائے۔ یہ کام صرف ان دو لڑکیوں کے ہی نہ تھے نہیں تھا۔ وہاں صلیبیوں کی پوری مشینری درپردہ کام کر رہی تھی۔ انہوں نے چند ایک مسلمانوں کا ایمان خرید لیا تھا۔ یہ مسلمان اُن کے لیے کام کر رہے تھے۔

سیف الدین اتحادی فوج کا سالارِ اعلیٰ بن کر ترکمان کے مقام پر سلطان ایوبی پر حملہ کرنے گیا تو بادشاہوں کے دستور کے مطابق اپنے حرم کی چیدہ چیدہ لڑکیاں اور ناچنے والیاں بھی میدانِ جنگ میں ساتھ لے گیا۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں بھی اُس کے ساتھ گئیں۔ انہیں وہ مسلمان امیر معصوم سمجھتا تھا مگر بڑی لڑکی اس کے اعصاب پر آسیب کی طرح غالب آ گئی تھی۔ حرم کی باقی لڑکیوں کو اُس نے اپنا غلام بنا لیا تھا۔

سیف الدین نے جنگل میں جا منگل بنایا۔ وہاں آندھی آئی جس کی آپ تفصیل پڑھ چکے ہیں۔ اِس آندھی میں نوری نام کی ایک لڑکی اپنے بھائی کی لاش گھوڑے پر لادے سلطان ایوبی تک پہنچی اور اُسے بتایا کہ تین اتحادی افواج اُس پر حملہ کرنے کے لیے پہنچ چکی ہیں۔ سلطان ایوبی نے تیزی سے حرکت کی اور سیف الدین کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سیف الدین کا لشکر بے خبری میں مارا گیا۔ وہاں معرکہ جو لڑا گیا وہ یک طرفہ تھا۔ میدانِ جنگ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ تھا۔ سیف الدین اتحادی افواج کی کمان نہ سنبھال سکا۔ صاف نظر آنے لگا کہ وہ بھاگ جائے گا۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں اُس کے ساتھ تھیں۔ وہ اکیلی نہیں تھیں۔ صلیبیوں کے چند ایک مسلمان ایجنٹ سیف الدین کی فوج میں اچھے عہدوں پر تھے۔ لڑکیوں کا اُن کے ساتھ رابطہ تھا۔ لڑکیاں انہیں اطلاعیں اور خبریں دیتی تھیں اور وہ انہیں صلیبیوں تک پہنچا دیتے تھے۔

انہوں نے دیکھا کہ جنگ کی صورتِ حال ایسی ہو گئی ہے کہ اتحادیوں کے سامنے پسپائی کے سوا کوئی راستہ نہیں تو ان دونوں لڑکیوں کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کیا۔ صلیبیوں کی یہ لڑکیاں بہت قیمتی تھیں۔ سیف الدین میدانِ جنگ میں بھاگا دوڑا پھر رہا تھا۔ حرم کی لڑکیاں اُس کی رہائش گاہ میں ایک خیمے میں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں الگ کھڑی تھیں۔ اُن کے آدمی آ گئے۔ انہیں دو گھوڑے دیئے۔ گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ پانی کے چار چھوٹے مشکیزے اور دو تین تھیلوں میں کھانے کا سامان باندھ دیا۔ خنجر بھی دیئے

لیکن اُن کا نہایت کارگر ہتھیار حشیش تھی اور اسی قسم کا ایک اور نشہ جس کا کوئی ذائقہ نہیں تھا۔ کسی کو دھوکے میں پلایا جاتا تو اُسے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ پانی یا شربت میں اُسے کچھ اور پلا دیا گیا ہے۔ یہ دونوں نشہ آور اشیاء انہیں اس لیے ساتھ باندھ دی گئی تھیں کہ انہیں کسی مرد کے ساتھ کے بغیر سفر کرنا تھا۔ راستے میں اگر وہ کسی کے ہتھے چڑھ جائیں تو اُسے دھوکے میں یہ نشہ پلا کر بیکار کرنا تھا۔

رات کے وقت جب میدانِ جنگ میں کشت و خون ہو رہا تھا، یہ دونوں لڑکیوں کو گھوڑوں پر بٹھا کر دو آدمی ساتھ گئے۔ ترکمان سے بہت دُور تک یہ آدمی ساتھ رہے پھر لڑکیوں کو راستہ سمجھا کر واپس آ گئے۔ لڑکیوں کی منزل عصیات کا قلعہ تھی۔ بڑی لڑکی ذہین، تجربہ کار اور دلیر تھی۔ وہ چھوٹی لڑکی کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئی۔ صبح تک وہ سرسبز علاقے سے دُور نکل گئی تھیں اور اُس علاقے میں داخل ہو گئیں جو اس خطے کا جہنم تھا۔ لڑکیوں کو معلوم تھا کہ اس مقام پر آ کر خشک پہاڑ کے اندر اندر جانا ہے۔ علاقہ ڈراؤنا تھا اور تنور کی طرح گرم تھا۔ سورج سر پر آیا تو انہیں چٹان نظر آئی جو نیچے سے اندر کو گہری ہوئی تھی۔ وہ اس کے نیچے رُک گئیں۔ کھانا کھا کر انہوں نے کچھ دیر آرام کیا۔ اتنے میں انہیں الناصر اور اُس کے تین ساتھی آتے دکھائی دیئے۔

انہیں دیکھ کر بڑی لڑکی سمجھ گئی کہ یہ آدمی کس جسمانی اور ذہنی کیفیت میں ہیں۔ اپنی تربیت کے مطابق اُس نے کامیاب اداکاری کی جس سے الناصر ان دونوں کو واہمہ یا جن سمجھ بیٹھا۔ لڑکی کی اداکاری کامیاب تھی۔ اُس نے انہیں پہلے تو پانی اور کھانا دیا پھر انہیں حشیش اور دوسرا نشہ پلا دیا۔ اُس نے اور اُس کے ساتھ کی لڑکی نے انہیں نشہ پلا کر پھولوں، سبزہ زار، پرندوں اور نہر جیسی گھاس کی جو باتیں کی تھیں وہ اِن چاروں کے ذہن میں بہشت کا تصور پیدا کرنے کی کوشش تھی۔ یہ حسن بن صباح کا طریقہ تھا کہ لوگوں کو حشیش پلا کر اُن کے ذہنوں میں بڑے حسین تصورات پیدا کیا کرتا اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اب ایک سو سال بعد شیخ سنان اُس کا جانشین تھا۔ یہ گروہ اب حشیشین یا فدائی کہلاتا تھا۔ بڑی لڑکی کو اس کام کی تربیت حاصل تھی۔ اسے یوں کہہ لیں کہ حشیش اور باتوں کی مدد سے اپنے شکار یا معمول کو ہپناٹائز کر لیا جاتا تھا۔ جتنی دیر حشیش کا نشہ رہتا وہ آدمی اُسی تصور کو حقیقت سمجھتا رہتا تھا جو اُس کے ذہن میں پیدا کیا جاتا تھا۔

الناصر اور اس کے ساتھیوں کو اُس لڑکی نے اپنے قبضے میں لے کر ایک مقصد تو یہ حاصل کرنا چاہا تھا کہ یہ چار اُن پر دست درازی نہ کریں یا انہیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ دوسرا مقصد اُس وقت اُس کے سامنے آیا تھا جب اُسے پتہ چلا کہ یہ سلطان ایوبی کے اُن چھاپہ مار جاسوسوں میں سے ہیں جن کی اُس نے بہت شہرت سنی اور جن سے اُسے ڈرایا بھی گیا تھا۔ اُس کے تیز کار ذہن نے سوچ لیا کہ اِن آدمیوں کو شیخ سنان کے حوالے کیا جائے۔ یہ اُس کے کام آ سکتے تھے۔ اُن دنوں سلطان ایوبی کو قتل کرنے کا ایک منصوبہ تیار ہو رہا تھا۔ اسی مقصد کے لیے حرّان کا خود مختار حکمران گمشتگین قلعہ عصیات میں شیخ سنان کے پاس گیا ہوا تھا۔

☆

ترکمان میں مظفرالدین کے حملے کو ناکام کر کے سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا کہ اب جنگ ختم

ہوئی ہے۔ اُس نے مالِ غنیمت سمیٹنے کا حکم دے دیا۔ مالِ غنیمت بے اندازہ تھا۔ غازی سیف الدین کے رہائشی کیمپ سے بے اندازہ سونا اور نقدی ملی تھی۔ دشمن کی لاشوں سے بھی نقدی اور انگوٹھیوں و نیکی کی شکل میں سونا ملا۔ دیگر ساز و سامان اور اسلحہ کا کوئی شمار نہ تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کے کام کا سامان فوج میں تقسیم کیا۔ دوسرا حصہ دمشق اور اُن علاقوں کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا جو مصر اور شام کی سلطنت (وحدت) میں آ چکے تھے۔ تیسرا حصہ مدرسہ نظام الملک کو دے دیا۔ ایک یورپی مؤرخ لین پول کے مطابق سلطان ایوبی نے اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ مؤرخ لکھتا ہے کہ تاریخ میں واضح شہادت ملتی ہے کہ سلطان ایوبی نے مالِ غنیمت میں سے اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔

دوسرا مسئلہ جنگی قیدیوں کا تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں اکٹھا کر کے کہا کہ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ تمہاری شکست کی وجہ یہی ہے۔ تمہارے حکمران تمہارے مذہب کے بدترین دشمن کے ساتھ دوستی کر کے اُس کے پنجے مضبوط کر رہے ہیں۔ تمہاری دنیا بھی خراب ہوئی اور عاقبت بھی۔ اپنے گناہ بخشوانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اسلام کے سپاہی بن جاؤ اور اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد کراؤ۔ ... سلطان ایوبی کی یہ تقریر جوشیلی اور مذہبی تھی۔ جنگی قیدیوں میں بہت سے نعرے لگانے لگے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سلطان ایوبی کی فوج کے لیے پیش کر دیا۔ اس طرح سلطان ایوبی کی فوج میں تربیت یافتہ سپاہیوں اور عہدیداروں کا اضافہ ہو گیا۔ اس کے باوجود سلطان ایوبی نے پیشقدمی ملتوی کر دی۔ فوج کی تنظیمِ نو کی ضرورت تھی۔ اُس نے دمشق اور قاہرہ سے کمک بھی منگوا بھیجی تھی۔ زخمیوں کے علاج کا اُس نے وہیں انتظام کر دیا تھا۔ دراصل مظفرالدین کے تصادم نے اُس کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب کر دی تھی۔

☆

عصیات کا قلعہ آج کے لبنان کی سرحد کے اندر تھا۔ ایک مصری دوشیزہ نگار مُدفریہ البوعدیہ کی تحریر کے مطابق قلعہ عصیات حسن بن صباح کے فرقے حشیشین کا مرکز اور مستقر تھا۔ اس قلعے میں شیخ سنان کی حکمرانی تھی جو حسن بن صباح کا جانشین تھا۔ اس قلعے میں اُس نے کچھ فوج بھی رکھی ہوئی تھی۔ عصیات ذرا بڑا قلعہ تھا۔ اس سے دُور دُور تین چار چھوٹے قلعے بھی تھے جو شیخ سنان کے حشیشین کے پاس تھے۔ انہیں یہ قلعے صلیبیوں نے دے رکھے تھے۔ صلیبیوں کی کوشش یہ تھی کہ حشیشین کو مسلمان قائدین کے قتل کے لیے اور مسلمان قوم کی کردار کشی کے لیے استعمال کیا جائے، لیکن حشیشین جو اسلام کا ایک فرقہ بن کر اُبھرنا چاہتے تھے کرائے کے قاتل بن کے رہ گئے تھے۔ انہوں نے صلیبی لیڈروں کو بھی قتل کیا تھا۔ انہیں نقدی دے کر کوئی بھی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کے دور میں صلیبیوں نے انہیں اتنی مراعات دیں کہ انہیں قلعے تک دے دیئے۔ وہ اُن کے ہاتھوں نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کی کوشش کرتے رہے۔

نورالدین زنگی کی موت کے متعلق میجر جنرل محمد اکبر خان رنگروٹ نے بعض مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ حشیشین کی کارستانی تھی۔ اُسے دھوکے میں کچھ کھلا دیا گیا تھا جس سے وہ چند دنوں بعد فوت ہو گیا۔ اب

صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کے منصوبے بن رہے تھے۔ حشیشین صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔

اُس صبح سورج ابھی نہیں نکلا تھا جب الناصر اور اُس کے تین ساتھی دو صلیبی لڑکیوں کے ساتھ عصیات کے قلعے کے دروازے پر جا رُکے۔ بڑی لڑکی نے کوئی خفیہ الفاظ بولے۔ تھوڑی دیر بعد قلعے کا دروازہ کھل گیا اور یہ قافلہ اندر چلا گیا۔ الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو کسی کے حوالے کر کے لڑکیاں شیخ سنان کے پاس چلی گئیں۔ وہ ہر پہلو سے بادشاہ تھا۔ اُس کا انداز اور اُس کی شان و شوکت بادشاہوں جیسی تھی۔ اُسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ اُسے جب بڑی لڑکی بتا رہی تھی کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور اُن کے دوست سیف الدین پر کیا بیتی ہے، شیخ سنان کی نظریں چھوٹی لڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہاں آؤ۔" شیخ سنان نے بڑی لڑکی سے توجہ ہٹا کر چھوٹی کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "تم ضرورت سے زیادہ خوبصورت ہو۔ میرے پاس بیٹھو۔" لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور انگلیاں اُس کے بالوں میں پھیرنے لگا۔ بولا۔ "تم بہت تھکی ہوئی ہو۔ آج میرے پاس آرام کرنا۔"

اِس لڑکی نے شیخ سنان کو پہلی بار دیکھا تھا۔ لڑکی نے اُسے گھور کر دیکھا جیسے بوڑھے کی یہ حرکت اُسے پسند نہ آئی ہو۔ وہ سرک کر اُس سے دُور ہٹ گئی۔ شیخ سنان نے اُسے بھر بازو سے پکڑا اور اس طرح جھٹکا دے کر اپنے قریب کر لیا جیسے لڑکی نے پرے سرک کر اُس کی توہین کر دی ہو۔ اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔

"مجھے ہمارے متعلق کسی نے نہیں بتایا کہ ہم کون ہیں اور ہماری توہین کتنا بڑا جرم ہے؟"

"میں آپ کی لونڈی نہیں۔" چھوٹی لڑکی بھڑک کر بولی۔ "میرے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ جو مجھے گھسیٹ کر اپنے ساتھ لگائے میں اپنا آپ اُس کے حوالے کر دوں۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ "میں صلیب کی غلام ہوں حشیشین کی خریدی ہوئی وہ چیز نہیں۔"

بڑی لڑکی نے اسے ڈانٹ دیا اور خاموش رہنے کو کہا مگر وہ خاموش نہ ہوئی۔ کہنے لگی۔ "مجھے مسلمانوں کے حرم میں اس شخص نے نہیں دیکھا۔ میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میں نے تمہارے ساتھ سیف الدین اور اُس کے مشیروں کی عقل پر پردہ ڈالے رکھا ہے لیکن میرے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ اس بوڑھے کے کمرے میں رہوں۔"

"اگر تم اتنی خوبصورت نہ ہوتی تو ہم تمہاری یہ گستاخی کبھی معاف نہ کرتے۔" شیخ سنان نے کہا اور بڑی لڑکی کو ہدایات دینے کے انداز سے کہنے لگا۔ "اسے لے جاؤ اور اسے عصیات کے قلعے کے آداب سکھاؤ۔"

بڑی لڑکی اُسے باہر گھسیٹ لائی۔ اُس نے شیخ سنان سے کہا۔ "آپ کی ناراضگی بجا ہے لیکن ہم اپنے اوپر والوں کی اجازت کے بغیر ہرگز کسی کا حکم نہیں مان سکتیں۔ میں چونکہ آپ کو جانتی ہوں، اس قلعے میں پہلے بھی آ چکی ہوں۔ اب آپ کے کام کے چار آدمی پھانس لائی ہوں۔ آپ کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔" اُس نے شیخ سنان کو الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق پوری تفصیل سنائی۔

"میں ان آدمیوں سے پورا کام لوں گا۔" شیخ سنان نے کہا۔ "لیکن میں اس لڑکی کو اپنے کمرے

میں ضرور رکھوں گا؟"

"یہ کام مجھ پر چھوڑیں۔" لڑکی نے کہا۔ "وہ کہیں بھاگ تو نہیں چلی کہ میں اسے آمادہ کر لوں کہ وہ ہنسی خوشی آپ کے پاس آئے۔ آ جائے گی۔"

☆

الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو شیخ سنان کے دو آدمی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ بے شک نشے میں تھے لیکن ساری رات پیدل چلتے رہے تھے۔ انہیں ایک کمرے میں لے گئے۔ وہ پلنگوں پر گرے اور سو گئے۔ اُدھر لڑکیاں بھی رات بھر کی جاگی ہوئی تھیں، وہ بھی اُس کمرے میں جا کر سو گئیں جہاں انہیں دیا گیا تھا..... دوپہر کے بعد الناصر کی آنکھ کھلی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کے ساتھی سوئے ہوئے تھے۔ اس نے گرد و پیش کو پہچاننے کی کوشش کی۔ یہ ایک کمرہ تھا۔ اس میں پلنگ تھے اور پلنگوں پر اُس کے تین ساتھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ اُسے سبزہ زار، پھولوں والے پودے، رنگ برنگے پرندے اور مخمل کی طرح کی گھاس یاد آئی۔ لڑکیاں یاد آئیں، صحرا اور صحرا کا بے رحم سفر یاد آیا۔ اسے وہ خواب سمجھنے لگا۔ صحرا کا سفر اُسے حقیقت کی طرح یاد تھا۔ لڑکیوں سے ملاقات اور اُس کے بعد کے واقعات اُسے خواب یاد آنے لگے مگر وہ اب کہاں ہیں؟ یہ سوال اُسے مضطرب کرنے لگا۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو نہ جگایا۔ اُٹھا اور دروازے میں جا کھڑا ہوا۔ یہ کوئی قلعہ تھا۔ اُسے سپاہی آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہ کس فوج کے تھے؟ یہ کون سا قلعہ تھا؟ اُس نے کسی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ یہ قلعہ دشمن کا ہو سکتا تھا تو کیا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قید ہو گیا ہے؟ لیکن یہ کمرہ قید خانے کا نہیں تھا۔ وہ جاسوس اور چیتا پہ مار تھا۔ اُس نے کسی سے پوچھے بغیر یہ معمہ اپنی عقل سے حل کرنے کا ارادہ کیا۔ اُسے کوئی خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ دروازے سے ہٹ کر پلنگ پر جا بیٹھا۔ باہر اُسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے لگا۔ دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

"ابھی سوئے ہوئے ہیں۔" ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔

"سونے دو۔" دوسرے نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے انہیں کچھ زیادہ پلا دی گئی ہے..... ان کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟"

"دو صلیبی لڑکیاں انہیں پھانس کر لائی ہیں۔" پہلے نے جواب دیا۔ "یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار جاسوس ہیں۔ بہت دلیر اور عقل مند بتائے جاتے ہیں۔ انہیں تیار کرنا ہے۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ الناصر کے جسم کا رواں رواں بیدار ہو گیا۔ اُسے یقین ہونے لگا کہ وہ بہت بڑے دھوکے کا شکار ہو گیا ہے۔ اُسے اب یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ کون سا قلعہ ہے۔ کس علاقے میں ہے اور اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو کس مقصد کے لیے تیار کیا جائے گا۔ وہ اس نتیجے حقیقت کو جان گیا تھا کہ کسی قلعے سے فرار ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہوتا ہے۔

لڑکیوں کے کمرے میں یہ کیفیت تھی کہ چھوٹی لڑکی تھوڑی سی دیر سو کر جاگ اٹھی تھی اور کھڑکی کھول کر
اس نے بھی تھی۔ اس نے سفر کے دوران بڑی لڑکی کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ وہ نوجوان تھی۔ ابھی پختگی
نہیں پھولی تھی۔ اپنے جیسی دوسری لڑکیوں کی طرح وہ ابھی اپنے جذبات کو دبا نہیں سکی تھی۔ اُسے پہلی بار
یہ بھیجا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ یہ بڑی لڑکی تھی جو تجربہ کار تھی۔ اُس نے بھی دیکھا تھا کہ یہ چھوٹی لڑکی اِس
زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اُسے مردوں کو انگلیوں پر نچانے کا فن نہیں آیا تھا۔ اُس نے دراصل اس فن کو
سیکھا ہی نہیں کیا تھا۔ بوڑھے سالاروں نے اور سیف الدین نے اُسے کھلونا بنائے رکھا تھا۔ اب وہ میدانِ
جنگ سے بھاگ کر آئی اور اتنی کٹھن اور صبر آزما مسافت طے کی۔ رات بھر سفر کیا مگر آتے ہی شیخ سنان جیسے
بوڑھے نے اُسے کہہ دیا کہ میرے کمرے سے نکل جاؤ۔

بے شک اُسے بچپن سے اس لطیف مگر زندگی کی تربیت دی گئی تھی لیکن جوانی میں آکر اُس کے اپنے
جذبات کا سرچشمہ پھوٹا تو اتنے لمبے عرصے کی تربیت کے اثرات دھل گئے۔ جن انسانوں کو اُسے پھانسنے اور
مسیب کے جال میں اُلجھائے رکھنے کے لیے تیار کیا گیا تھا اِن انسانوں سے اُسے نفرت ہو گئی اور اپنے پیشے
کو وہ حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ کھڑکی کے سامنے بیٹھی بڑے ہی تلخ خیالوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔
اس کے آنسو نکل آئے۔ اُسے نہ کوئی پناہ دکھائی دے رہی تھی نہ کوئی راہِ فرار۔

بڑی لڑکی جاگ اٹھی۔ اپنی ساتھی کو کھڑکی میں بیٹھا دیکھ کر اُس کے پاس جا بیٹھی۔ اُس کی آنکھوں میں
آنسو دیکھ کر بولی ۔ "ابتدا میں جذبات کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ کر رہی ہیں یہ اپنی حیاشی کے لیے
نہیں صلیب کی سربلندی کے قیام کے لیے کر رہی ہیں۔ اپنے سامنے یہ مقصد رکھو کہ اسلام کا نام و نشان مٹانا ہے۔
ہوسے سپاہی اپنے محاذ پر مرتے ہیں ہمیں اپنے محاذ پر لڑنا ہے۔ اپنے ذہن کو مضبوط کرو۔ اپنے جسم سے
دستبردار ہو جاؤ۔ تمہارا جسم پاک ہے۔"

"مسلمان اپنی لڑکیوں کو اس طرح استعمال کیوں نہیں کرتے جس طرح ہمیں کیا جا رہا ہے؟" چھوٹی لڑکی نے
پوچھا۔ "ہمارے بادشاہ اسمان کی فوجیں مسلمانوں کی طرح کیوں نہیں لڑتیں؟ چوروں کی طرح مسلمانوں کو قتل
کیوں کر دیا جاتا ہے؟ صلاح الدین ایوبی کے ان چار چھاپہ ماروں کی طرح صلیب کی فوج کیوں ایسے چھاپہ مار تیار نہیں
کرتی؟ صرف اس لیے کہ ہماری قوم میں بزدلی ہے۔ چوری چھپے وار کرنے والے بزدل ہوا کرتے ہیں۔"

بڑی لڑکی سٹپٹا اٹھی اور بولی ۔ "ایسی باتیں کسی اور کے سامنے نہ کرنا ورنہ قتل ہو جاؤ گی۔ اِس
وقت ہم شیخ سنان کے پاس ہیں۔ اس سے ہمیں بہت بڑا کام لینا ہے۔ اسے ناراض نہ کرو۔"

"مجھے اس شخص سے نفرت ہو گئی ہے۔" چھوٹی لڑکی نے کہا ۔ "یہ کسی ملک کا بادشاہ نہیں۔ کرائے
کے قاتلوں کا سرغنہ ہے۔ میں اسے اس قابل نہیں سمجھتی کہ میرے جسم کو ہاتھ بھی لگائے۔"

بڑی لڑکی نے بہت دیر کی بحث کے بعد اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ شیخ سنان کے ساتھ اچھی طرح
پیش آئے۔ اس نے چھوٹی کو یقین دلایا کہ وہ شیخ کو اُس کا گرویدہ اور وعدہ دینے رکھے گی۔ اُس نے چھوٹی لڑکی

[redacted]
سے کہا ۔ "تم نے دیکھے کمالات دیکھے نہیں؟ [illegible] فیضِ سنان کو تو میں کچھ بھی نہیں سمجھتی۔"

"کیا تم ایسی صورت پیدا کر سکتی ہو کہ ہم یہاں سے [illegible]" چھوٹی لڑکی نے پوچھا

"کوشش کروں گی۔" بڑی لڑکی نے جواب دیا۔ "پہلے تو اپنے [illegible]"

اتنے میں دو آدمی کمرے میں آئے۔ انہوں نے لڑکیوں سے [illegible] پوچھا۔ بڑی
لڑکی نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہیں اور انہیں کس طرح [illegible]

"وہ کس حال میں ہیں؟" بڑی لڑکی نے پوچھا۔

"ابھی سوئے ہوئے ہیں۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔

"انہیں قید میں ڈال دو گے؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"قید میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔ "یہاں سے بھاگ کر کہاں جائیں گے۔"

"کیا ہم انہیں دیکھ سکتی ہیں؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟" اُسے جواب ملا ۔ "وہ تمہارا تماشا دیکھیں۔ نہیں دیکھیں۔ بلکہ ضرورت بھی ہے کہ تم ان
کے پاس جاؤ اور انہیں اپنے جال میں لیے رکھو۔"

کچھ دیر بعد چھوٹی لڑکی بڑی کے روکنے کے باوجود اُس کمرے میں چلی گئی جہاں الناصر اور اُس کے ساتھی
سوئے ہوئے تھے۔ الناصر دراصل جاگ رہا تھا۔ چھوٹی لڑکی کو دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا اور پوچھا ۔ "تم کہاں سے
آئی ہو؟ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو، کیا ہوا اور یہ کون سی جگہ ہے؟"

چھوٹی لڑکی نے الناصر کو بڑی غور سے دیکھا۔ اُس کے ذہن سے بوڑھا سالار محو ہو گیا۔ جذبات کا جوار تھا۔
اُس نے سرگوشی میں الناصر سے پوچھا ۔ "فرار ہونا چاہتے ہو؟"

"میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔" الناصر نے جواب دیا ۔ "مجھے جو کچھ کرنا ہو گا وہ
کر کے دکھاؤں گا۔"

لڑکی اُس کے قریب آ گئی۔ دھیمی آواز میں بولی ۔ "میں جن نہیں انسان ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔"

الناصر نے اُسے قہر بھری نظروں سے دیکھا۔ لڑکی اُس کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گئی۔

☆

لڑکی نے اپنی لاش دیکھی

جنات کی دہشت الناصر کے دل و دماغ پر بدستور طاری تھی۔ عرب کا یہ خوبرو جوان سلطان صلاح الدین ایوبی کے اُن چھاپہ ماروں میں سے تھا جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا کرتے تھے۔ صلیبیوں کا یہ کہنا تھا کہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں سے موت بھی ڈرتی ہے۔ صحراؤں کی صعوبتوں کو، دریاؤں کی تندی کو، اور سنگلاخ وادیوں کو خاطر میں نہ لانے والے یہ جانباز آگ میں بھی کُود جایا کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ دشمن کی رسد وغیرہ کو آگ لگا کر ان میں سے بعض شعلوں کی لپیٹ میں آکر زندہ جل جایا کرتے تھے، مگر جنات اور بھوت پریت ایسی مخلوق تھی جس سے یہ سرفروش ڈر جایا کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے کبھی جن اور بھوت نہیں دیکھے تھے، صرف کہانیاں اور روائتیں سنی تھیں جنہیں وہ سو فیصد سچ مانتے تھے اور دل پر جنات کا خوف طاری کیے رکھتے تھے۔

اگر الناصر قلعہ عصیات تک اپنی مرضی سے اور اپنی ہوش میں سفر کرتا تو وہ اتنا ڈرا ہوا نہ ہوتا۔ اگر اُسے قیدی بنا کر لایا جاتا تو بھی وہ نڈر رہتا اور فرار کی ترکیبیں سوچتا، لیکن اُسے حشیش کے نشے میں اور اُس کے ذہن میں غیر حقیقی تصورات ڈال کر لایا گیا تھا۔ اب نشہ اُتر چکا تھا۔ اس نشے میں وہ سبزہ زار اور باغات میں سے گزر کر آیا تھا۔ اُسے یاد آنے لگا کہ زمین کے اس خطے میں کہیں کہیں سبزہ اور باغ ہو سکتا ہے میلوں وسیع علاقہ ایسا جنت نما نہیں ہو سکتا۔ اب اُس کے پلنگ پر وہ لڑکی آ بیٹھی تھی جسے وہ جن سمجھا تھا۔ لڑکی اُس کے تصوروں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ الناصر اُسے انسان تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے کہا کہ وہ اُس پر بھروسہ کرے تو وہ اور زیادہ ڈر گیا۔ اُس نے یہ بھی سُن رکھا تھا کہ جنات بڑے دلکش دھوکے دے کر مارا کرتے ہیں۔ اُسے یہ قلعہ جنات یا بدروحوں کا مسکن معلوم ہونے لگا۔ اُس کے ساتھی ابھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

اُس نے دل کو حوصلہ دے کر لڑکی سے پوچھا ــــ "میں تم پر کیوں بھروسہ کروں؟ تم مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہو گئی ہو؟ ہمیں یہاں کیوں لے آئی ہو؟ یہ جگہ کیا ہے؟"

"اگر تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرو گے تو تمہارا انجام بہت بُرا ہو گا۔" لڑکی نے جواب دیا ــــ "تم بھول جاؤ گے کہ تم کون تھے۔ تمہارے ہاتھ تمہارے اپنے بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہوں گے، اور تم اُس خون کو پھول سمجھ کر خوش ہو گے۔ میں ابھی تمہیں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی کہ میں تم پر اتنی